مُرقّعِ دہلی

(فارسی متن اور اردو ترجمہ)

درگاہ قلی خاں

مُرتّبہ و مُترجمہ

خلیق انجم

مُرقّعِ دہلی

(فارسی متن اور اردو ترجمہ)

مُرقّعِ دہلی

(فارسی متن اور اردو ترجمہ)

درگاہ قلی خاں

مُرتّبہ و مُترجمہ

خلیق انجم

فہرست

حرفِ آغاز

"مرقع دہلی" اٹھارویں صدی عیسوی کی دلّی کی سماجی اور تہذیبی زندگی کا اہم ترین فارسی ماخذ ہے۔ کتاب کے مصنّف نواب درگاہ قلی خاں نے جو اہم معلومات فراہم کی ہیں، وہ کہیں اور نہیں ملتیں۔ اس لیے اپنی نوعیت کی یہ واحد کتاب ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۶ء میں چھپی تھی۔ پھر اس کے دو اڈیشن اور چھپے۔ ان اڈیشنوں میں فارسی متن کے ساتھ اُردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم نے اس کی اُردو تلخیص اور ڈاکٹر چندر شیکھر اور شاما متر اچنائے نے انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ مرقع دہلی کے تین اڈیشن شائع ہوئے لیکن کسی مرتب نے ایسے اہم متن کا متنی تنقید کے جدید اصولوں کے مطابق تنقیدی اڈیشن تیار نہیں کیا۔ پہلے مطبوعہ اڈیشن کی بنیاد صرف ایک مخطوطے پر، دوسرے کی بنیاد دو مخطوطات پر ہے اور تیسرا اڈیشن پہلے اڈیشن کا محض ری پرنٹ ہے۔ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے چار مخطوطات دستیاب ہوگئے۔ تین ہندوستان میں اور ایک لندن میں۔ میرے علم کے مطابق "مرقع دہلی" کا اور کوئی مخطوطہ دریافت نہیں ہوا ہے۔ زیرِنظر اڈیشن کی بنیاد چاروں مخطوطات پر ہے۔ میں نے اس اڈیشن کے مقدمے میں اٹھارویں صدی عیسوی کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کا جائزہ لیا ہے۔ نواب درگاہ قلی خاں کے سوانح لکھے ہیں۔ "مرقع دہلی" کے چار مخطوطوں، مطبوعہ اڈیشنوں، اُردو تلخیص اور انگریزی ترجمے کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ متن کے اختلافاتِ نسخ پیش کیے گئے ہیں۔ متن کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ آخر میں اُن افراد اور مقامات پر حواشی لکھے گئے ہیں، جن کا ذکر متن میں آیا ہے۔

سب سے پہلے میں دلّی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے استاد اور اپنے چھوٹے بھائی چندر شیکھر کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے "مرقع دہلی" کے دو مخطوطات کی نشان دہی کی۔ لندن میں مقیم

عزیز بھائی اور دوست عاشور کاظمی صاحب نے اپنے خرچ پر برٹش، لندن کے مخطوطے کی مائکروفلم بنوا کر مجھے فراہم کی۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا اور علمی کام کرنے والوں کو اُن کا مطلوبہ مواد اور کتابیں فراہم کرنا دونوں کارِ ثواب ہیں۔ عاشور صاحب کی اس عنایت کے لیے دل سے دُعا نکلتی ہے۔ خدا انھیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

لندن کے ایک اور دوست ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جنھوں نے تمام مصروفیات کے باوجود میری رہنمائی کی۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی میرے عزیز دوست ہیں۔ وہ ہمیشہ علمی اور تحقیقی کاموں میں میری مدد کرتے ہیں۔ "مرقع دہلی" کے تنقیدی اڈیشن کی تیاری اور اس کے اُردو ترجمے کے کام میں بھی قدم قدم پر مجھے اُن کا تعاون حاصل رہا ہے۔ احمد سعید صاحب نے متن کی بہت سی اُلجھنوں کو دور کیا اور ترجمے کرنے میں میری مدد کی۔ کاظم علی خاں اور ڈاکٹر اسلم پرویز کا قدم قدم پر تعاون حاصل رہا۔ میں ان سب حضرات کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔

اُردو کے صفِ اوّل کے افسانہ اور ناول نگار جناب رام لعل کا ممنون ہوں جنھوں نے فخرالدین علی احمد کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت سے اس کتاب کی طباعت کے لیے مالی تعاون دیا۔

آخر میں اپنے ساتھیوں ایم حبیب خاں صاحب، شمیم جہاں صاحبہ، ڈاکٹر مبارک علی، اختر زماں صاحب، عارفہ خانم اور محمد عارف خاں صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے پریس کاپی تیار کرنے میں میری مدد کی۔

خلیق انجم

مقدمہ

"مرقعِ دہلی" عہدِ محمد شاہ میں تالیف ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نادر شاہ نے دلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ شاہی خزانے اور امرا و رؤسا کی دولت کو سینکڑوں اونٹوں پر لاد کر لے گیا تھا۔ مغل حکومت تقریباً دو صدیوں میں کمائی ہوئی دولت و طاقت اور عزت و شوکت کھو چکی تھی۔ تختِ طاؤس اور کوہِ نور جیسی بیش قیمت اشیا پر نادر شاہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ جن عظیم بادشاہوں کا جاہ و جلال تاریخ میں ضرب المثل تھا ان کے وارث بے بسی اور لاچاری کی دردناک تصویر بنے ہوئے تھے۔ جن[1] طاقتوں نے ڈیڑھ سو سال کی لگاتار کوشش سے مغل حکومت کی بنیادوں کو ہلا دیا اور آخر کار ۱۸۵۷ء میں اس عظیم الشان عمارت کو ڈھا دیا ان میں روہیلے، مرہٹے، جاٹ، سکھ اور انگریز سب ہی شامل تھے۔ مسلمانوں میں روہیلے مغل دربار کے ایرانی و تورانی گروہ اور خود مختار ریاستوں نے بھی زوال کی رفتار کو تیز کیا ___ انگریزوں کے علاوہ باقی تمام طاقتیں خود مغلوں کی سیاسی اور اقتصادی پالیسی کی پیدا کی ہوئی تھیں۔ یہ طاقتیں اور فرقے کس طرح پیدا ہوئے؟ کیوں بغاوت پر آمادہ ہوئے اور کس طرح انھوں نے ہندوستان سے مغلوں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ اس کا جواب صرف یہ ہی نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے بعد مغل تخت کے تمام وارثین نا اہل تھے۔ اس کے بہت سے اسباب تھے۔[2]

ہندوستان کی اقتصادی حالت اس لیے خراب نہیں ہوئی تھی کہ یہ تمام واقعات رونما ہوئے تھے بلکہ اقتصادی نظام خراب ہونے کی وجہ سے ایسے واقعات ہوئے۔ اس کی تفصیل کے لیے ضروری ہوگا کہ ہم سیاست کے ساتھ ساتھ اس دور کے زرعی اور تجارتی نظام کا بھی مطالعہ

کریں۔

مغل حکومت[۳] کے جاہ و حشم کا دار و مدار لگان کی صورت میں حاصل ہونے والی کثیر دولت پر تھا۔ اس لیے جب اکبر کی وفات کے بعد اس سے کم صلاحیتوں کا مالک جہانگیر تخت نشین ہوا تو مغل دربار کے شان و شکوہ میں ذرا بھی فرق نہ آیا بلکہ اور بھی ترقی کی۔ جہانگیر اور شاہجہاں پر تبصرہ کرتے ہوئے شیلوانکر نے لکھا ہے:

"اس (اکبر) کے جانشین کم درجے کے تھے۔ جہانگیر شراب پینے کا پورا سلیقہ رکھتا تھا اور شاہ جہاں نے اپنا دربار ایسے عظیم الشان طریقے سے سجا رکھا تھا کہ اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔ پھر بھی ان دونوں کے عہد میں حکومت برابر ظاہری طاقت اور شان و شکوہ میں ترقی کرتی رہی۔ انھوں نے دل کھول کر فنونِ لطیفہ اور خاص طور پر موسیقی، مصوری، شاعری اور فنِ تعمیر کی سرپرستی کی۔ جس کی وجہ سے ہماری تہذیب کا نشاۃ ثانیہ ہوا اور یہ عہد ہندوستان کی تاریخ کا روشن ترین باب بنا۔"[۴] (انگریزی سے ترجمہ)

جہانگیر کے متعلق تھامس رو نے لکھا تھا۔

"جہانگیر کی عظمت خود اس کی ذات میں نہیں تھی بلکہ پڑوسیوں (ریاستوں) کی کمزوری میں تھی۔ جہانگیر کی حیثیت ایک بڑی مچھلی کی تھی اور ریاستیں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تھیں جنھیں بڑی مچھلی کھا جاتی ہے۔"[۵] (انگریزی سے ترجمہ)

جہانگیر اور شاہجہاں کے دربار کو رونق بخشنے والے غریب کاشتکار تھے۔ ان سے اتنا لگان وصول کیا جاتا تھا کہ وہ بہ مشکل تمام پیٹ بھر سکتے تھے۔ امرا اور رؤسا کو تنخواہ کے بجائے اکثر جاگیریں ملتیں۔ بادشاہوں کی یہ بنیادی پالیسی تھی کہ کوئی علاقہ کسی جاگیردار کے پاس زیادہ عرصے نہ رہے۔ اس لیے وہ اس علاقے کی فلاح اور بہبودی کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے۔ بقول برنیئر ان کے سوچنے کا انداز یہ تھا کہ:

"ہمیں ایک لمحے میں (اس علاقے سے) محروم کیا جا سکتا ہے۔ پھر ہماری محنتوں کا پھل ہمیں ملے گا اور نہ ہماری اولاد کو۔ اس لیے چاہیے کہ اس زمین سے جتنی دولت کھینچ سکتے ہیں، کھینچ لیں۔ چاہے کاشتکار فاقے مریں یا فرار ہو جائیں۔ اور

جب ہمیں اس علاقے کو چھوڑنے کا حکم ملے تو ہم اسے ایک اُجاڑ جنگل کی حالت میں چھوڑیں"۔[۲] (انگریزی سے ترجمہ)

جاگیردار کے علاوہ عامل، قانون گو، چودھری اور دوسرے سرکاری ملازمین غیر قانونی طریقے سے اپنا اپنا حصہ لیتے تھے۔ ظلم اور تشدّد کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاشتکار زمینیں چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اس کی ابتدا عہد اکبر ہی میں ہوگئی تھی۔ عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں:

"کروڑیوں کے ظلم کی وجہ سے اکثر علاقے ویران ہو گئے اور کاشتکار (رعایا) بیوی بچوں کو فروخت کر کے مختلف اطراف میں چلے گئے"۔[۳] (فارسی سے ترجمہ)

عہد جہانگیر کے ایک سیاح مین ریک نے لکھا ہے کہ:

"کاشتکاروں کے پیروں میں بھاری بیڑیاں ڈال کر مختلف میلوں اور بازاروں سے لے جایا جاتا تھا۔ اُن کی بد نصیب بیویاں گود میں بچوں کو لیے روتی پیٹتی پیچھے چلتی تھیں"۔ (انگریزی سے ترجمہ[۵])

برنیر عہد شاہ جہاں کے آخر میں (۱۶۵۶ء) ہندوستان آیا تھا اور ۱۶۶۵ء تک وہ یہیں رہا۔ غریب کاشتکاروں پر ظلم و ستم کا ذکر اس نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"...... قابلِ کاشت زمینوں کا اچھا خاصا حصہ کاشت نہ ہونے کی وجہ سے بیکار پڑا ہے۔ ان کاشتکاروں میں بہت سے لوگ گورنروں کے ظلم کا شکار ہو کر برباد ہوگئے۔ جب یہ غریب لوگ اپنے لالچی آقاؤں کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو انھیں نہ صرف بنیادی ضرورتوں کے سامان سے محروم کر دیا گیا بلکہ ان کے بچے بھی چھین لیے گئے، جنھیں غلام بنا کر لے جایا گیا۔ اس لیے ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے کاشتکار اتنے شدید ظلم سے تنگ آکر گاؤں سے چلے جاتے ہیں۔ اور شہروں اور کیمپوں میں زندہ رہنے کے قابل برداشت ذرائع ڈھونڈتے ہیں۔ یہ لوگ وہاں قلی، سقّے یا سائیس بن جاتے ہیں"۔[۹] اورنگ زیب کے زمانے میں اس قسم کے واقعات زیادہ ہونے لگے۔ ایک دیوان محمد ہاشم کاشتکاروں پر بہت زیادہ ظلم کرتا تھا۔ خان دوران نے اس کی شکایت کرتے ہوئے بادشاہ کو لکھا "خالصہ کے علاقے ویران ہو گئے ہیں اور حالات بہت خراب ہیں۔ اس کی وجہ

صرف یہ ہے کہ محمد ہاشم نے بہت لگان مقرر کر دیا ہے۔"

خانِ دوراں نے آگے چل کر لکھا ہے:

"کاشتکاروں کے مصائب لکھنا ناممکن ہے۔ ان میں کچھ لوگ لگان نہ دے سکے تو انھیں اتنا مارا پیٹا کہ وہ مر گئے۔ بہت سے کاشتکار قید میں ہیں۔ ان کی بیویوں اور بچّوں کو فروخت کر دیا گیا۔"[۱۱] (انگریزی سے ترجمہ)

حکمرانوں کے اس ظلم اور ستم سے تنگ آکر کاشتکاروں نے بغاوتیں شروع کر دیں۔ وہ لگان دینے سے انکار کر دیتے۔ شاہی فوجیں باغیوں کی سرکوبی کو جاتیں۔ چوں کہ یہ بغاوتیں بہت چھوٹے پیمانے پر ہوتی تھیں۔ اس لیے باغیوں پر قابو پانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ عہدِ اورنگ زیب کے بارے میں منوچی نے لکھا ہے:

"گاؤں والوں کو شکست ہونے پر جو ہاتھ آتا ہے اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ ان کی بیویاں، لڑکے، لڑکیاں اور مویشیوں کو لے جایا جاتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ خوب صورت لڑکیوں کو باغی کی حیثیت سے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ کچھ وہ (جاگیر دار) اپنے لیے رکھتے ہیں اور باقی فروخت کر دی جاتی ہیں۔"[۱۲]

(انگریزی سے ترجمہ)

زمینداروں کو اپنی زمینداری بڑھانے کا موقع چاہیے تھا، اس لیے کاشت کاروں کی بغاوت سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ کاشتکاروں کو فنِ سپہ گری کی تربیت دی اور انھیں ضروری ہتھیاروں سے مسلح کیا۔

یوں تو بغاوتیں جہانگیر کے زمانے سے ہو رہی تھیں لیکن اورنگ زیب کے عہد میں ان کی تعداد بڑھ گئی۔ نیز پہلے سے کہیں زیادہ منظم ہونے لگیں۔

جاٹ، مرہٹے اور سکھ اسی قسم کے زمیندار اور کاشتکار تھے۔ جنھوں نے ابتدا میں لگان دینے سے انکار کیا۔ حکومت کے خلاف بغاوتیں کیں اور آخر کار اتنی طاقت حاصل کر لی کہ ان سب کی آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں۔

عہدِ مغلیہ کے صوبہ آگرہ میں وسطی دوآبہ کا علاقہ بھی شامل تھا۔ اس کے بارے میں ابوالفضل

نے لکھا ہے:

"آب و ہوا کی خصوصیت کی وجہ سے اس علاقے کے لوگ سرکشی، مردانگی اور جانبازی کے لیے تمام ہندوستان میں مشہور ہیں[۱۱]" (فارسی سے ترجمہ)

اس سرکشی کے پیشِ نظر بقول شاہ ولی اللہ:

"شاہ جہاں کے زمانے میں اس قوم کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں، بندوقے اپنے پاس نہ رکھیں اور اپنے لیے گڑھی نہ بنائیں[۱۲]"

سکھ پنجاب کے جاٹ تھے۔ ان کا پیشہ بھی کاشتکاری تھا۔ مغل حکمرانوں کے ظلم و ستم نے انھیں بھی بغاوت پر مجبور کیا اور یہ کاشتکار ایک بڑی فوج کی صورت اختیار کر گئے۔ حکومت پوری کوشش کے باوجود ان کی سرکوبی نہ کر سکی۔ مرہٹے بھی دکن کے کاشتکار تھے۔ شیواجی احمد نگر کے ایک امیر کا لڑکا تھا۔ ابتدا میں اس کا مقصد صرف اپنی زمینداری کو بڑھانا تھا۔ جاگیرداروں نے دکن میں ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ اکثر کاشتکار شیواجی کے ساتھ ہو گئے۔ مغل شہنشاہ کے پاس جب یہ شکایت آئی کہ شاہی علاقے کے کاشتکار مرہٹوں کے ساتھ مل گئے ہیں تو حکم دیا گیا کہ تمام گاؤں کے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ ضبط کر لیے جائیں اور ایسا ہی کیا گیا۔ بعد میں جن کسانوں کو ہتھیار مل سکے وہ مرہٹوں کے ساتھ ہو گئے۔ بھیم سین دکن کے زمین داروں کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"فوجداروں کے ایجنٹ، دیش مکھ اور زمین داروں کا ظلم حد سے بڑھ گیا تھا۔ یہ لوگ ہر ممکن بہانے سے ان غریب کاشتکاروں سے پیسہ وصول کرتے تھے۔ زمین داروں پر "پیشکش بادشاہی" مقرر تھی۔ یہ لوگ اپنی جیب سے ایک پیسہ نہیں دیتے بلکہ انھوں نے آدمی مقرر کر رکھے تھے۔ جو کاشتکاروں سے روپیہ وصول کرتے تھے۔ ان غریب انسانوں پر ظلم کی کوئی حد نہیں تھی۔ پھر ان پر جزیہ لگایا گیا اور جزیہ وصول کرنے والے مقرر کیے گئے۔ ان زمین داروں کے ظلم و ستم کے متعلق کوئی کیا لکھ سکتا ہے[۱۳]"

اسی لیے بیشتر کاشتکار باغی مرہٹہ زمین داروں کے ساتھ ہو گئے۔

روہیلوں نے مغل حکومت کی بربادی میں نمایاں حصہ لیا۔ روہ کے ایک بزرگ شاہ عالم خاں

کا غلام داؤد خاں اٹھارویں صدی کے اوائل میں گھوڑے خریدنے کے لیے ہندوستان آیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغل حکومت کی شکست وریخت شروع ہو چکی تھی۔ ہر طرف لوٹ مار مچی ہوئی تھی۔ داؤد خاں نے یہ حالت دیکھ کر واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور بہت جلد کشمیر کے مقام پر اچھی خاصی جمعیت اکٹھا کر لی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس جمعیت نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ شاہ آباد، مراد آباد، سنبھل اور دوسرے پرگنوں پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں بہت نڈر اور بہادر روہیلہ سردار تھے۔ شجاع الدولہ نے ۱۷۷۴ء میں کٹرا میر پور کے قریب ایک جنگ میں حافظ رحمت خاں کو قتل کر کے روہیلہ طاقت کو ختم کر دیا مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

سب سے بڑی طاقت انگریز تھے، جنھوں نے آخر کار مغل حکومت پر قبضہ کر لیا۔ مغل بادشاہوں میں غالباً اکبر پہلا بادشاہ ہے جس نے نقد کی صورت میں لگان وصول کرنا شروع کیا۔ جب کاشت کار کو پیداوار فروخت کر کے لگان ادا کرنا پڑا۔ تو پھر اس نے ایسی چیزوں کی کاشت شروع کی جس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ سری رام شرما لکھتے ہیں: کہ شیر شاہ اور اکبر کے زمانے میں حکومت ایسی کاشت کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتی تھی جس سے اچھی آمدنی ہو اور اس سلسلے میں وہ کاشتکاروں کو کچھ روپیہ بھی قرض دیتی جس کی ادائیگی ایک سال میں کرنی ہوتی۔[۱۵] جمنا کے پاس اور وسط ہند میں نیل کی بہت زیادہ کاشت کی جاتی۔ روئی اور سلک کے کارخانوں کی مانگ پوری کرنے کے لیے یہ دونوں اشیا ہندوستان کے بعض علاقوں میں بہت زیادہ مقدار میں پیدا کی جائیں۔[۱۶] تجارت کے فائدے نے حکمراں طبقے کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ نیل کے پورے کاروبار پر شاہجہاں کا قبضہ تھا۔ اس نے منوہر داس نامی ایک شخص کو اس کی اجازت دی تھی کہ وہ شاہی خزانے سے روپیہ قرض لے کر نیل کا کاروبار کرے۔ اور نفع میں سے اپنا حصہ لے کر باقی خزانے میں داخل کر دے۔[۱۷]

نور جہاں نے بھی نیل اور زردوزی کے کپڑوں کی تجارت میں حصہ لیا تھا۔[۱۸]

شاہ جہاں کا خسر آصف الدولہ بہت بڑا تاجر تھا۔ شاہ جہاں کی لڑکی جہاں آرا بھی تجارت کرتی تھی۔[۱۹]

اس قسم کی چیزوں کی پیداوار اتنی بڑھ گئی کہ ہندوستان کے امرا ورؤسا اور تاجروں کی مانگ پوری کرنے کے بعد بھی بہت مال بچ رہتا۔ اس لیے ان تاجروں کو بھی مال دیا جانے لگا۔ جو ایشیا کے مختلف ممالک اور یورپ سے ہندوستان آتے تھے باہر کے تاجروں کی مانگ بہت بڑھ گئی اس زمانے میں کپڑے کی صنعت نے بہت زیادہ ترقی کی۔ کپڑا بنانے کے بڑے بڑے مرکز تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے .... اُڑیسہ سے لے کر مشرقی بنگال تک تمام ملک کپڑا بنانے کا بہت بڑا کارخانہ معلوم ہوتا تھا۔ بہت باریک ململ بنانے میں ڈھاکہ بہت مشہور تھا۔ جہانگیر کے زمانے میں پیلسرٹ (PELSEART) لکھتا ہے کہ:

"مشرقی بنگال (چیپور اور سونر گاؤں) میں سب لوگ کپڑا بنتے ہیں۔ اور بہت اچھا مال تیار کرتے ہیں۔ سلک تیار کرنے کا سب سے بڑا مرکز بنگال ہے۔ اور یہیں سے ہندوستان کے دوسرے علاقوں اور یورپ کے تاجروں کو مال سپلائی ہوتا ہے۔"[۳۳]

ہندوستان نے دست کاری میں بھی بہت ترقی کی تھی۔ روئی اور سلک سے تیار کیے ہوئے مال کے علاوہ بہت سی چیزیں ہندوستان سے باہر بھیجی جاتی تھیں۔ مغلوں کے پاس جہازرانی کے وہ ذرائع نہیں تھے جن سے انھیں دوسرے ملکوں سے تجارت کرنے میں سہولت ہوتی۔ اس وقت بحرِ اوقیانوس کا راستہ بہت خطرناک تھا۔ اکثر تجارتی جہاز لوٹ لیے جاتے تھے اس لیے تاجروں کو بڑے بڑے لڑنے والے جہازوں سے آمدورفت کرنی ہوتی تھی۔ ہندوستان نے جہازرانی کے فن میں بالکل ترقی نہیں کی تھی اس لیے ہندوستانی تاجر باہر سے آنے والے تاجروں کو غنیمت جانتے تھے۔[۳۴] ابتدا میں یہ تاجر عام طور پر عرب تھے اور پھر سولھویں صدی کی ابتدا میں پرتگالی آئے۔ سترہویں صدی کے آغاز میں ڈچ تاجر آئے اور ۱۶۰۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان آئی۔ شروع میں اس کمپنی کا مقصد صرف تجارت رہا لیکن آہستہ آہستہ ملک گیری کی ہوس نے اسے سیاست میں حصّہ لینے پر مجبور کر دیا اور تقریباً ایک صدی میں بنگال کا بہت بڑا حصّہ ان کے قبضے میں آگیا۔ ۱۷۵۷ء اور ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانے میں بنگال، شمالی ہند، پنجاب اور کرناٹک میں ان کی فتوحات بڑھتی ہی گئیں۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد دہلی دربار میں ایرانی اور تورانی گروہوں کی آویزش سیاسی اقتدار کی جنگ ہے۔ اُن اُمرا کی آمدنی کا ذریعہ زمینوں سے حاصل کیا ہوا لگان ہوتا جو بہت کم رہ گیا تھا۔ اس لیے اب ان کی نظریں خالصہ کی زمین اور شاہی خزانے پر تھیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آخری مغل بادشاہ اورنگ زیب سے کم صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن یہ کہنا ٹھیک نہ ہوگا کہ یہ سب بادشاہ نا اہل اور شاہی کاروبار سے بالکل بے بہرہ تھے اور اُن میں ملکی انتظام کی صلاحیتیں نہیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مغل بادشاہوں کی زرعی اور اقتصادی پالیسی نے جن طاقتوں کو جنم دیا تھا انھوں نے اورنگ زیب کی زندگی ہی میں ایوانِ حکومت کی بنیادیں کھوکھلی کرنی شروع کر دی تھیں۔ اورنگ زیب کی زندگی ہی میں مرہٹوں نے اتنی طاقت حاصل کرلی تھی کہ تقریباً چالیس سال تک وہ دکن میں اِن سے نبرد آزما رہا۔ ادھر شمالی ہند میں اورنگ زیب کی عدم موجودگی کا سب سے بڑا فائدہ جاٹوں نے اٹھایا۔ انھوں نے جاٹ کاشت کاروں کو تلوار چلانا سکھائی اور انھیں بندوقیں فراہم کیں[۲۲]۔ بقول جادوناتھ سرکار مغل حکومت کا زوال اورنگ زیب کی زندگی ہی میں شروع ہوگیا تھا[۲۳]۔ لیکن اس نے حکمتِ عملی سے اور تدبر سے کام لے کر اس زوال کو نمایاں نہیں ہونے دیا۔ لیکن اورنگ زیب کی وفات کے بعد زوال کی رفتار اتنی تیز ہوگئی کہ دس سال کے عرصے میں تخت کی وراثت پر سات بار لڑائی ہوئی۔

سادات بارہہ کے دو بھائی سید عبداللہ خاں اور سید حسین علی خاں نے اتنا اقتدار حاصل کر لیا کہ بادشاہ گر کہلائے جانے لگے[۲۴]۔ مغل دربار میں ایرانی اور تورانی گروہوں کی اقتدار کی جنگ بھی زوال کی رفتار کو تیز کرنے کی ذمہ دار ہے۔ ایک طرف مغل حکومت کی دشمن طاقتیں کام کر رہی تھیں اور دوسری طرف خود حکومت میں اندرونی انتشار تھا۔ جس کی وجہ سے مغل حکومت بالکل بے بس اور لاچار ہوگئی۔

عوام کو مغل حکومت کی مجبوری کا مکمل احساس نادر شاہ کے حملے کے وقت ہوا۔ نادر شاہ نے دہلی آکر جو قتل و غارت گری، اور لوٹ مار اور انسانیت سوز بہیمانہ حرکتیں کی ہیں، وہ ناقابلِ بیان ہیں۔ رضا لائبریری رام پور میں ایک قلمی کتاب "قصۂ حقیقت برآمدن نادر شاہ

بہ شاہجہاں آباد" ہے۔ اندرونی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ کتاب کا مؤلف اس طوفانِ حشر خیز میں خود موجود تھا۔ افسوس ہے کہ نسخے کے ناقص الطرفین ہونے کی وجہ سے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ دہلی پر نادر شاہ کے حملے کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف لکھتا ہے:

"گھڑی دن باقی تھا۔ شہر کے لوگوں نے مشہور کر دیا کہ نادر شاہ کا انتقال ہوگیا۔ تمام غارت گر اور حرام زادے جمع ہو گئے۔ پندرہ تاریخ کو ہر طرف یورش کر دی۔ بندوق اور جزائل سے تمام رات قتل و غارت گری کی۔ ایرانی (نادر شاہ کے سپاہی) کوچوں اور گلیوں میں مارے مارے پھرتے تھے اور امان مانگتے تھے۔ آخر الامر صبح ہوئی۔ اس خبر سے بادشاہ غصے میں دیوانہ ہوگیا۔ نادر شاہ نے بیرونِ شہر سے اپنی فوجیں طلب کیں اور خود قلعہ سے باہر آکر مسجد روشن الدولہ چاندنی چوک میں بیٹھ گیا۔ قتلِ عام اور اہلِ شہر کے گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ قزلباشوں نے شریفوں کی حویلیوں پر یورش کر دی۔ وہاں کے رہنے والوں کو قتل کر دیا...... چوک سعد اللہ خاں، چاندنی چوک، دیبہ گڑھ اور نئے شاہ جہاں آباد کو غارت اور برباد کر دیا اور شہر کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ سات آٹھ ہزار انسانوں کا خون ہوا اور شاہ جہاں آباد اس طرح برباد ہوا کہ دہلی دروازے سے نخاس تک ویران ہوگیا اور کوئی عمارت نظر نہ آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں برسوں سے آبادی نہیں ہے...... پردہ نشین عورتوں نے ناموس کی خاطر کنوؤں میں چھلانگ لگا دی اور بہت سی عورتیں مر گئیں۔"[۱] (فارسی سے ترجمہ)

کسی شخصی حکومت کے بدلنے کا عوام پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ لیکن مغل حکومت کا زوال عوام کا زوال تھا۔ زوال کی مسموم ہواؤں نے نہ صرف اس ہرے بھرے درخت کے سبز پتوں کو زرد کر دیا تھا بلکہ اس کی جڑوں تک میں زہریلے اثرات پھیلا دیے تھے۔ مغل بادشاہوں پر جو مصیبت آئی تھی، اُس کا اثر امرا و رؤسا سے لے کر عوام تک سب پر برابر پڑ رہا تھا۔

چنانچہ اس کا اثر ہندوستان کے تہذیب و تمدن کے تمام شعبوں پر بالواسطہ بھی پڑا اور بلا واسطہ بھی۔

نادر شاہ کی لوٹ مار تاریخ میں یادگار ہے۔ نقد روپیوں کے علاوہ کروڑوں روپے کی مالیت کے سونے چاندی کے برتن، جواہرات اور دوسرا سامان اس کے ہاتھ آیا۔ تختِ طاؤس اور کوہِ نور جیسی نادر اور بیش بہا اشیا بھی اس کے خزانے میں منتقل ہوگئیں۔ جیساکہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اس کی لوٹ مار صرف شاہی خزانے تک محدود نہیں تھی بلکہ اس نے امرا اور رؤسا کی حویلیوں کو بھی خالی کر دیا تھا۔ سر ہنری مارلس اور جیمز فریزر نے پورے سامان کی تفصیل دی ہے۔

دلّی اِن حملہ آوروں کے ہاتھوں بار بار تباہ و برباد ہوئی۔ میر نے ایک دفعہ دلّی کے ویران ہونے کا نقشہ اِن دردانگیز الفاظ میں کھینچا ہے۔

"ایک روز میں شہر کے تازہ ویرانے کی سیر کو گیا۔ ہر قدم پر روتا اور عبرت پکڑتا تھا۔ جتنا آگے گیا، اتنی ہی ویرانی بڑھی۔ میں مکانوں کو نہ پہچان پایا۔ شہر نہ نظر آیا۔ عمارتوں کے آثار نہ دکھائی دیے۔ (وہاں) رہنے والوں کی کچھ خبر نہ ملی۔

از ہر کہ سخن کردم، گفتند کہ این جانیست
از ہر کہ نشان جستم، گفتند کہ پیدا نیست

مکان گر گئے۔ دیواریں ٹوٹ گئیں۔ خانقاہوں میں صوفی رہے اور نہ خرابات میں مے خوار۔ دُور تک ویرانہ ہی ویرانہ تھا۔

ہر کجا افتادہ دیدم خشت در ویرانہ
بود فردِ دفترِ احوالِ صاحب خانہ[۲۶]

(فارسی سے ترجمہ)

عوام کی مالی حالت کتنی خراب تھی اس کا اندازہ بہت مشکل ہے۔ خود بادشاہ مفلسی کا شکار تھا۔ شاہ ولی اللہ نے شاہی ملازمین کے متعلق لکھا ہے۔ جب خزانہ بادشاہ نہیں رہا تو نقدی بھی موقوف ہوگئی۔ آخرکار سب ملازمین تتر بتر ہوگئے اور کاسۂ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔۔۔ سلطنت کا، بجز نام اور کچھ باقی نہیں رہا۔ سلطنت کے متعلق تقریباً یہی الفاظ سید غلام حسین خاں طباطبائی کے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"محمد شاہ کی وفات کے بعد سلطنت کا صرف نام باقی رہ گیا ہے اور کچھ نہیں۔"[۲۰]

زندگی سے فرار

دورِ زوال میں مغل حکومت کی حالت ایک ایسے مریض کی تھی جو جانکنی کے عالم میں ہو مگر جیسے موت نہ آتی ہو۔ یہ تکلیف بادشاہ، امراء اور عوام تک سب ہی کی زندگی کو اجیرن بنائے ہوئے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی گردن پر ایک ننگی تلوار لٹکی ہوئی ہے جو کسی وقت بھی ان کے سر کو جسم سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ جاگیردار طبقہ کے دست و بازو شل ہو چکے تھے۔ اس لیے سماج کے تمام افراد کے سامنے ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا "فرار" زندگی اور اس کے تلخ حقائق سے فرار۔

فرار کی تین صورتیں تھیں۔ مذہب کا سہارا لے کر انفرادی نجات کی کوشش کی جائے اور مادّی دنیا کی ناکامی کے احساس کو مٹانے کے لیے آخرت کے لیے جدوجہد کی جائے۔ دوسرا راستہ تھا دین و دنیا سے بے نیاز ہو کر رامش و رنگ و بو میں ڈوب جایا جائے۔ تیسرا راستہ تھا، جس میں مذہب اور مادّی عیش و عشرت دونوں کو ملا دیا جائے۔

فرار کا دوسرا راستہ عیش و عشرت تھا۔ مادّی مشکلات میں جنسی آسودگی کچھ دیر کے لیے انسان کو سب کچھ فراموش کرا دیتی ہے۔ جب مغل بادشاہ حالات کی تاب نہ لا سکے تو انھوں نے خود کو غرقِ مے ناب کر دیا۔

جہاندار شاہ کی تفریح اور عیاشی کے لیے مہینے میں تین دفعہ سارے شہر میں چراغاں ہوتا تھا۔ اس کی محبوبہ لال کنور جیسی بازاری عورتوں کو قلعہ اور ملک کی سیاست میں پورا پورا دخل تھا۔ لال کنور کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جہاندار شاہ نے جمنا میں آدمیوں سے بھری ہوئی ایک کشتی کو ڈبونے کا حکم دے دیا تھا۔ قائم نے اپنے شہر آشوب میں اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔ محمد شاہ کے زمانے میں یہ عیاشی انتہا کو پہنچ گئی۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے کتب خانہ میں ایک ناقص الاول بیاض ہے۔ اس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن اس کی تصنیف غالباً عہد محمد شاہ ہی میں ہوئی ہے۔ مصنف نے محمد شاہ کی عیاشی کے بارے میں لکھا ہے:

"حضرت سبحانی (محمد شاہ) مقدماتِ سلطانی سے بے خبر قلعہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد کو فوزِ عظیم سمجھتے ہیں۔ سمت برج اور انگوری باغ وغیرہ کی سیر کو غنیمت جانتے ہیں ہمیشہ شراب خوری، بچہ بازی اور زناں کاری میں مشغول رہتے ہیں۔ اپنے ساتھ برہنہ ہونے کی حد تک چُست اور تنگ لباس سے آراستہ عورتیں رکھتے ہیں۔

"شہر کے لوگوں نے خدا کو فراموش کر دیا ہے۔ خواص و عوام نے عورتوں کا لباس اختیار کر لیا ہے۔ روزے نماز کے بدلے حرام کاری، شراب خوری اور اغلام میں مطلق العنان ہو گئے ہیں[۲۸]۔"

نواب درگاہ قلی خاں آخر ماہ ربیع الاول ۱۱۵۱ھ مطابق جون ۱۷۳۸ء میں دلّی آئے تھے اور ۲۰ جمادی الاول ۱۱۵۴ھ (۲۳ جولائی ۱۷۴۱ء) کو دکن واپس گئے۔ گویا وہ دلّی میں تین سال دو مہینے رہے۔ یہاں کی زندگی قریب سے دیکھی ـــــ "مرقع دہلی" میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ۱۷۳۸ء سے ۱۷۴۱ء تک تقریباً تین سال کے حالات پر مبنی ہے۔ نادر شاہ کی موجِ خوں اُن کے سر سے بھی گزری تھی۔ انھوں نے نادر شاہ کی لوٹ مار اور قتل و غارت گری اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی لیکن حیرت کی بات ہے کہ "مرقع دہلی" میں انھوں نے دلّی والوں کی عیاشی تو مزے لے لے کر بیان کی ہے لیکن نادر شاہ کا ذکر صرف ایک دو بار ہی کیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ موسیقی اور رقص میں کمال بائی کی غیر معمولی مہارت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"کمال بائی مدّتوں شاہی محفل (محمد شاہ) کی محفل کی رونق رہی ہیں۔ سانحۂ نادر شاہ کی وجہ سے بادشاہ کا مزاج گانے بجانے سے پھر گیا تھا۔"

پوری کتاب میں نادر شاہ کے تاریخی قتلِ عام کا ذکر صرف "سانحۂ نادر شاہ" یعنی دو لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ "مرقع دہلی" صرف ایک ایسی کتاب نہیں ہے، جس میں اس عہد کی عیاشیوں، گانے والوں اور رقاصاؤں کا ذکر ہے۔ یہ سیاسی اور اخلاقی زوال کی آخری منزل پر پہنچے ہوئے سماج کی مکمل تصویر بھی ہے۔ نواب صاحب نے اس سماج کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے لیکن نادر شاہ کے حملے اور اس کے اثرات کا ذکر غالباً اس لیے نہیں کیا

کہ وہ بہت دردناک تھا۔

اس عہد میں صوفیا، مشائخ اور مختلف فنون کے ماہرین کی اہمیت تھی اور یہ سب نواب صاحب کی توجہ کا مرکز ہیں۔ نواب صاحب نے اس عہد کے دلی کے صوفیا حضرات میں حافظ شاہ محمد مجنوں نانک شاہی کا ذکر کیا ہے۔ اس عہد کے مشائخ میں شاہ کمال، شاہ غلام محمد، شاہ رحمت اللہ نواب صاحب کی کتاب میں جگہ پاسکتے ہیں۔ فارسی شاعری میں مرزا مظہر جانجاناں، معنی یاب خاں حزیں، سراج الدین علی خاں آرزو، مرزا افضل ثابت، ابراہیم علی خاں راقم، میر شمس الدین مفتوں، مرزا عبدالخالق وارستہ، گرامی، مرزا ابوالحسن آگاہ اور حلیما کا ذکر کیا ہے۔

نواب صاحب نے اس عہد کے بعض اہم مرثیہ گو اور مرثیہ خوانوں کے بارے میں بھی لکھا ہے، ان میں سے مسکین کے علاوہ باقی سب مرثیہ گو وہ ہیں، جن کا ذکر غالباً "مرقع دہلی" ہی میں ملتا ہے۔

ہندوستان میں رقص اور موسیقی کی تاریخ لکھنے والے کے لیے "مرقع دہلی" بہت اہم ماخذ ہے۔ اگرچہ مغلوں کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ بادشاہ اور امرا و رؤسا دولت اور طاقت دونوں سے محروم ہو گئے تھے۔ لیکن یہ طبقہ اب بھی موسیقاروں اور فنکاروں کی سرپرستی کر رہا تھا۔ اور اب بھی اس سماج میں اعلیٰ درجے کے فنکار اور ان کے قدردان دونوں موجود تھے۔

نواب صاحب نے رقاصاؤں اور گانے والیوں کے علاوہ نعمت خاں بین نواز، تاج خاں قوال، باقر طنبورچی، حسن خاں ربابی، غلام محمد سارنگی نواز، گھانسی رام پکھاوجی، حسین خاں ڈھولک نواز، شہباز دھمدھمی نواز، نقد سبوچہ نواز اور گانے والوں میں قاسم علی، معین الدین قوال، برہانی قوال، برہانی امیر خانی، رحیم خاں جہانی، شجاعت خاں، ابراہیم خاں کلاونت، بولے خاں کلاونت وغیرہ کی تعریف ایسے الفاظ میں کی ہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ نواب درگاہ قلی خاں کو موسیقی میں اچھا خاصا درک حاصل تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نواب صاحب نے جن رقاصاؤں، طوائفوں اور صاحبِ فن امردوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے فن کا ماہر ہے۔ اب اس عیش و عشرت کی داستانیں سنیے، جس کی تفصیلات نواب صاحب نے "مرقع دہلی" میں پیش کی ہیں:۔ اعظم خاں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"یہ خانِ جہاں بہادر عالم گیری کے بھتیجے ہیں۔ امرائے عظیم الشان میں ہیں،

مزاج میں رنگینی اور موسیقی میں مہارت حاصل ہے۔ اس لیے ہندوستان کے موسیقار
ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت امرد پسند ہے اور مزاج سادہ رویوں کی
محبت میں گرفتار ہے۔ ان کی جاگیروں کی آمدنی اس فرقے پر خرچ ہوتی ہے اور تمام
دنیا کی دولت ان امردوں کے قدموں پر نثار۔ جہاں کہیں کسی امرد کی خبر ملتی ہے،
دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس پر اپنی دوستی کی کمند ڈالتے ہیں اور جہاں کہیں سے کسی سادہ رُو
کا پیغام ملتا ہے اسے اپنے احسان کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ اس گروہ کے
بہت سے لڑکوں نے ان کی حُسنِ سعی سے مناسب عہدوں پر امتیاز حاصل کیا
ہے اور (اب بھی) ان کے دوست ہیں۔ بعضے خانگی مراعات پر اکتفا کر کے محفلِ
نشاط میں رونق افروز ہیں (یہ امرد) بڑی شان و شوکت اور ناقابلِ بیان تجمّل کے
ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ غرض جہاں کہیں کوئی سبزہ رنگ نظر
آئے، وہ اعظم خاں سے منسوب ہے اور جہاں کہیں نوخط نظر آئے تو پتا چلتا
ہے کہ اس عظیم الشان سے وابستہ ہے۔ ان گُل رخوں کے حُسن کے پرتو سے اعظم خاں
بڑھاپے کو جوانی میں بدلے ہوئے ہیں اور اس خیال سے کہ عمرِ عزیز بہت کم باقی ہیں۔
نفسانی لذتوں کے حصول میں عجلت سے کام لے رہے ہیں۔"

اعظم خاں کی عیاشی کا یہ ذکر پڑھنے والا سوچ ہی نہیں سکتا کہ یہ حالات اس زمانے
کے ہیں جب دلّی کو نادر شاہ کے ہاتھوں برباد ہوئے چند ماہ ہی گزرے تھے۔ کُسل سنگھ بادشاہ
کے ہزاری منصب داروں میں تھے، خدا نے ثروت و دولت سے سرفراز کیا تھا۔ حکومت
کے اس اعلا عہدے دار نے نوجوان امرا اور رؤسا کے عیش و عشرت کے جو سامان فراہم کیے
تھے، وہ نواب صاحب کی زبانی سُنیے :۔

"کُسل پورہ بڑی خوب صورتی اور تکلف کے ساتھ سجایا ہے۔ ہر طرح کی طوائفوں
اور رنڈیوں کو لا کر آباد کیا ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں اور نشہ آور اشیا کے فروخت کرنے
والوں کو اپنی سرپرستی میں وہاں لا کر رکھا ہے۔ اگرچہ وہاں بہت بھیڑ رہتی ہے، لیکن
محتسب اس علاقے کے قریب سے بھی نہیں گزرتا، اس کی کیا مجال کہ احتساب کرے۔ ہر راستے

پر رنگ برنگے لباس پہنے عورتیں خود کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اور ہر گلی کوچے کے موڑ پر دلال لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ کسل پورے کی ہوا شہوت انگیز اور فضا باہ انگیز ہے۔ خاص طور سے شام کو بہت مجمع اور عجیب ہنگامہ ہوتا ہے۔ ہر گھر میں رقص ہوتا ہے اور ہر مکان میں سرود۔ اہلِ ہوس بغیر کسی مزاحمت اور ممانعت کے وہاں آتے ہیں اور دامنِ شہوت کو خیارک اور سوزاک (جیسی بیماری) بھرتے ہیں اور پھر باقی زندگی حسرت و یاس میں گزارتے ہیں۔ غرض عجب مقام اور طرفہ تماشا ہے۔"

ایک صاحب تھے میرن۔ صاحبِ اقتدار لوگوں سے تعلقات استوار کرنے اور نئے تعلقات قائم کرنے کے لیے جو محفلیں سجاتے تھے، نواب صاحب کی زبانی اُن کی تفصیل بھی ملاحظہ ہو:

"تمام رات شمع اور چراغ اتنی بڑی تعداد میں روشن ہوتے ہیں کہ پوری محفل نورٌعلیٰ نور اور پورا ماحول وادیِ طور بن جاتا ہے۔ اس بزم گاہِ تجلّی دست گاہ کے صحن میں اربابِ حرفہ کھانے پینے کی طرح طرح کی دکانیں لگائے تماشائیوں کے ہاتھ سامان فروخت کرتے ہیں۔ چوں کہ یہ محفل تعلقات کو بہتر بنانے اور نئے تعلقات قائم کرنے کے لیے سجائی جاتی ہے اس لیے مہمانداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔ ممتاز اور مخصوص لوگوں کو جہاں مدعو کیا جاتا ہے وہ جگہیں خوب صورت فرشوں اور رنگین ماحول کی وجہ سے ایک دوسرے سے رشک کرتی ہیں۔ کھانے پینے کے سامان اور پھولوں سے تواضع کی جاتی ہے۔ جو حضرات مے نوشی کا شوق رکھتے ہیں انھیں تردماغی کے لیے صہباکشی کی اجازت ہوتی ہے۔ ہر ایک کی خدمت میں طرح طرح کے عطر پیش کیے جاتے ہیں۔ غرض (میرن) مہمانداری میں بے بدل اور بزم آرائی میں بے مثل ہیں۔ ان کا گھر امرا کے گھروں کی طرح دنیا بھر کے پری رُخوں کی جلوہ گاہ ہے۔"

نواب صاحب نے دلّی کے دو بازاروں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔
اس عہد کی دلّی کی رونق ان دونوں بازاروں ہی سے تھی۔ یہ بازار صرف خرید و فروخت

کی جگہ ہی نہیں تھے بلکہ اس عہد کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی کا مرکز بھی تھے۔

چوک سعداللہ خاں کا بازار جامع مسجد اور لال قلعے کے دہلی دروازے کے درمیان تھا۔ یہاں دکانیں بھی تھیں اور مکان بھی۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کا دلی پر قبضہ ہوا تو ان دکانوں اور مکانوں کو ڈھاکر چٹیل میدان کر دیا گیا۔ اس بازار کی رونق نواب صاحب کی زبانی سنیے:

"اس کا (چوک کا) ہنگامہ قلعے کے دروازے کے سامنے ہے اور اس کا مجمع جلوخانے کے سامنے ہے۔ سبحان اللہ ایسی کثرت سے رنگارنگ چیزیں ہوتی ہیں کہ ان میں نگاہ گم ہو جاتی ہے اور نگاہ نئی نئی چیزوں کی بہتات اور اپنی پسند کی چیزوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ ہر طرف خوش رو امرد اپنے رقص سے قیامت ڈھاتے ہیں اور ہر طرف قصہ گو کے شور وغل سے حشر برپا ہوتا ہے۔ واعظ، ارباب عمائم کی طرح اکثر جگہوں پر منبروں کے انداز کی لکڑیوں کی کرسیاں بچھائیں، مہینے اور دنوں کی مناسبت سے مثلاً رمضان المبارک میں روزے کے فضائل پر حجۃ الحرام کے مہینے میں حج و عمرہ کی رسوم و قربانی وغیرہ کے طریقوں اور محرم کے مہینے میں کربلا کے واقعات پر فصاحت کے ساتھ تقریریں کر کے انھیں عوام کے ذہن نشین کراتے ہیں۔ ایسی حالت کر دیتے ہیں کہ مجمع رونے لگتا ہے۔ اس طرح سے خوب روپیا کماتے ہیں۔ بازاری لوگوں کو اس طرح کے مجمعوں سے بہت دلچسپی ہوتی ہے اور خام طلب لوگ پست ذوقی کی وجہ سے حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور اکثر دو گھڑی رات گزرنے تک یہ وعظ و تذکیر جاری رہتا ہے۔"

نجومی اور رمال بھی بے وقوف بنانے میں سرگرم رہتے ہیں۔ وہ الگ مجمع لگائے لوگوں کے دلوں میں چھپے راز بتاتے ہیں۔ لوگ اپنے خوش نصیبیوں اور بد قسمتیوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں ان کے وعدوں اور پیشین گوئیوں سے خوش ہو کر لوگ اپنی اپنی استعداد کے مطابق انھیں رقم دیتے ہیں۔ طب کا پیشہ کرنے والے جعل ساز چوک کے کھلے میدان میں جگہ جگہ چھڑکاؤ کر کے رنگ برنگے فرش بچھاتے ہیں۔ رنگین تھیلیاں دکان پر سجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تھیلوں میں دوا تو کیا ہوگی، سڑک کی دھول ہوتی ہے۔

خود بیش بہا کپڑے پہنے اور پگڑیوں پر سر پیچ لگائے بیٹھے ہوتے ہیں اور ایسی تقریر رنگین اور ادائے دل نشیں کے ساتھ دواؤں کے خواص اور ان کے فائدے بیان کرتے ہیں کہ بے وقوف لوگ دوائیں خریدنے میں ایک دوسرے پر اس طرح سبقت لے جاتے ہیں کہ دوکان میں خاک بھی نہیں بچتی۔ دواؤں میں سفوف، ملین دوائیں، شربت، معجونیں، قرص، حبوب اور لیپ سب موجود، گاہک جو دوا مانگے، حاضر۔ خاص طور سے حلق کے علاج، عضو تناسل کی مضبوطی، امساک اور آتشک، خیارک اور سوزاک کی دوائیں۔ کم مرتبہ لوگ اپنے کپڑے بلکہ جان تک گروی رکھ کے طلے اور لیپ خریدتے ہیں۔ استا (کذا) دوا فروش اپنی تقریر کی خوش ادائی کے زور پر رقم وصول کر کے ایک کو کیر خر کا نسخہ دیتا ہے اور دوسرے کو قضیب الفیل کے اجزا اور یہ قرمساق (اپنی بیوی کی ناجائز کمائی کھانے والے)، خوش خوش اپنے گھر جاتے ہیں۔ مختلف دھاتوں کے جن گرما گرم کشتوں کی خواہش کرو، حاضر ہیں۔ اکثر جگہوں پر آگ جل رہی ہے اور ان تو دھاتوں کا دھواں نو آسمانوں تک پہنچتا ہے۔ کیکڑے اور سانڈے، جو لیپ کے جزو اعظم ہیں، اکثر جگہوں پر دھاگوں سے بندھے ہوئے خواہش مندوں کے لیے حاضر ہیں۔ نقالوں اور بادہ فروشوں کی جگہیں مقرر اور بہت محفوظ ہیں۔ یہ لوگ اپنے وقت پر حاضر ہو کر کمائی کرتے ہیں۔ اطراف اور اکناف امردوں اور نوخطوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ جیسے ہی نگاہ اٹھتی ہے کسی چکنے رخسار سے پھسل جاتی ہے، جہاں کہیں بھی ذرا ہاتھ پھیلاؤ (معلوم ہوتا ہے) کہ کسی حسین کی گردن میں ہے۔

اسلحہ فروش ہر قسم کے اسلحہ نیام سے نکال کر ان کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں تاکہ ان کے خریدار پیدا ہوں۔ کپڑا فروش مختلف رنگوں کے کپڑے ہاتھوں میں لیے ہوا میں اس طرح لہراتے ہیں کہ صفحۂ ہوا شفق رنگ ہو جاتا ہے۔ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ خریدار کی نظر کسی رنگ پر تو مائل ہو۔ عیش و عشرت کا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں پاس پاس ہی بکتی ہیں (اتنے قریب ہیں) کہ ہاتھ بڑھانا ایسا ہے، جیسے لقمۂ حوالۂ دہن کرنا۔ ولایتی اور ہندوستانی میوے ایک دوسرے کے

قریب ہوتے ہیں۔ ذرا رُخ بدلیے اور ان کے کھانے کا مزہ لیجیے۔ جنگلی جانوروں اور پرندوں کا بازار تو ہوش گم کر دیتا ہے۔ باز، جرہ، کبوتر، بلبل اور تمام پرندوں کی اتنی بہتات ہے کہ جب تک کسی نے "منطق الطیر" نہ پڑھی ہو اور آصف و سلیمان کی صحبت نہ اٹھائی ہو، ان پرندوں کو نہیں پہچان سکتا۔ کتنے ہی دشت و بیاباں ویران کر کے، ہر روز قسم قسم کے جانور یہاں لائے جاتے ہیں۔ جنگلی جانوروں اور پرندوں کے شوقین اور خاص طور سے اکثر نوخیز جواں اور شور انگیز امرد شکار کے لیے یہاں آتے ہیں اور تجربہ کار صیاد اس مرغزار میں گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ قفسِ عنصری اور پنجرۂ بشری (انسانی جسم) سے زیادہ رنگین اور خوب صورت پنجرے خواہشمندوں کے ہاتھوں فروخت کیے جاتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ انسانی ضرورت اور لذتِ نفسانی کی چیزیں یہاں فراہم ہیں۔ چونکہ یہ جگہ (چوک سعداللہ خاں) قلعہ کے سامنے ہے اور امرا اور رؤسا کی آمد و رفت کا راستہ ہے۔ اس لیے یہاں ہمیشہ محشر بپا رہتا ہے۔

چاندنی چوک آج بھی بارونق بازار ہے لیکن وہ پہلی جیسی بات کہاں۔ نواب صاحب نے اس بازار کی تفصیلات ان الفاظ میں بیان کی ہیں۔

"تمام چوکوں سے زیادہ رنگین اور تمام بازاروں سے زیادہ سراپا تزئین۔ بامذاق لوگوں کی سیرگاہ اور مسرت و انبساط کے طالبوں کا تماشا کدہ ہے۔ اس کے راستوں پر نفیس کپڑے موجود ہر طرح کا سامان خریداروں کے لیے حاضر رہتا ہے۔ اس کے ہر گوشے میں نوادرِ روزگار اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور اس کے ہر کونے میں دنیا کی نفیس چیزیں (گاہکوں کے) دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اس کا راستہ نیک بختوں کی پیشانی کی طرح اور وسعت آغوش رحمت کی طرح کشادہ۔ اس کی نہر ماءالمعین بہشت کی طرح صاف اور شیریں پانی سے لبریز۔ ہر دوکان لعل و گوہر سے بھری ہوئی، جیسے بدخشاں ہو اور ہر کارخانے میں لآلی و مروارید کا وہ انبار جیسے ابرِ نیساں ہو۔ اس کے راستے کے ایک طرف پورے استغنا اور بے نیازی سے بیٹھے، دلالوں کی زبان پر بھروسہ کر کے گاہکوں کو اپنی طرف راغب کرتے

ہیں اور ایک طرف تاجر لوگ کپڑے اور ضرورت کا تمام سامان دوکانوں میں سجائے چیخ چیخ کر گاہکوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ کوئی سُنے یا نہ سُنے، وہ چیختے رہتے ہیں۔ طرح طرح کے عطروں کی خوشبو عطاروں کی فضول گفتگو اور دلالوں کی وساطت کے بغیر اربابِ خواہش کے مشامِ جان پیغام پہنچاتی ہے۔ اور ہر چیز ایسی لطیف اور خوبصورت ہے کہ لوگوں میں اُس کے خریدنے کی خواہش پیدا کرنے کے لیے بیچنے والے کو (چیزوں کی) تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حسینوں کے ابروئے خم کی شکل کی تلواریں دیکھنے کو نگاہ تماشا کچھ ہو جائے۔

"سانپ کی زبان کے انداز کی طرح طرح کی کٹاروں کو نہ دیکھنا ہی عین مصلحت ہے۔ چینی کے برتنوں کی دوکانوں میں ایسے ایسے انواع اقسام کی چیزیں ہیں کہ آدمی حیرت میں پڑ جاتا ہے، اور حوصلے کا شیشہ خانہ چکنا چور ہو جاتا ہے۔ مختلف انداز کے شیشے کے رنگا رنگ اور مطلا ظروف (ظروف) ایسی خوب صورتی اور سلیقے سے دوکانوں پہ سجائے گئے ہیں کہ فلک حقہ باز (بازی گر) نے اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ رنگین اور دل پسند صراحیاں اور پیالے دوکانوں کے سامنے اس طرح رکھے جاتے ہیں کہ اگر زاہدِ صد سالہ انھیں دیکھ لے تو اُس میں بھی شراب پینے کی ہوس پیدا ہو جائے۔ کاندھوں اور ہاتھوں پر ایسے کپڑے ڈالے پھرتے ہیں جو دوکانوں پر رکھے کپڑوں کے مقابلے میں کم درجے کے ہیں۔ پھر بھی ان میں ایسی خوبی اور لطافت ہے کہ شاید امرا کے توشہ خانوں میں بھی ایسا کپڑا نہ ہو۔ اس سے قطع نظر یہاں کی فضائے شام میں وہ رنگا رنگ جلوے ہوتے ہیں کہ شفق بھی خون ہو جاتی ہے اور آنکھوں کو ایسی کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ شاید سیرِ چمن سے بھی نہ ہو۔"

چوک کے عین میدان میں جو قہوہ خانے واقع ہیں ان میں ہر روز سخنور جمع ہو کر دادِ سخن و بذلہ سنجی دیتے ہیں۔ اپنے بلند مرتبے کے باوجود امرائے عالیشان اس چوک کی سیر کے لیے آتے ہیں۔ یہاں ہر روز عجیب و غریب اشیا اور نوادرات اتنے نظر آتے ہیں کہ اگر قارون کا خزانہ مل جائے تب بھی کافی نہ ہو۔

"ایک نوجوان امیرزادے کو اس چوک کی سیر کا شوق پیدا ہوا، اس کی ماں نے اپنی بے استعدادی کی معذرت کرتے ہوئے باپ کے چھوڑے ہوئے ترکے میں سے ایک لاکھ روپے اسے دیتے ہوئے کہا کہ اس رقم سے ہر چند تم اس چوک کے نفائس و نوادر نہیں خرید سکتے لیکن چونکہ تم چوک کی سیر کو جانا چاہتے ہو، اس حقیر رقم سے اپنی پسند کی کچھ ضروریات خرید لینا۔"

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مغل حکومت کے زوال سے پیدا شدہ مصائب و آلام سے نجات پانے کا راستہ ذہنی فرار تھا۔ جس کی تین صورتیں بہت نمایاں تھیں۔ ایک تو عیش و عشرت، اور دوسرے بگڑا ہوا تصوف اور تیسری وہ انسانیت سوز صورت تھی جس میں عیش و عشرت اور مذہب و تصوف دونوں کو ملا دیا گیا تھا۔

چوں کہ اس سماج میں صوفیا کی بہت عزت ہوتی تھی۔ اس لیے تصوف سماجی عزت و وقار حاصل کرنے کا بھی بہترین ذریعہ بن گیا اور بد سے بدکردار لوگوں نے اس مسلک کو اختیار کر کے پیسہ کمانے کا ایک بڑا ذریعہ بنا لیا۔ انہی علماء سو نے المجاز قنطرۃ الحقیقت کے فلسفے کا ناجائز فائدہ اٹھا کر "امرد پرستی" جیسے غیر فطری فعل کو جنسی آسودگی کا ذریعہ بنا لیا۔ انھیں حرم اور میکدہ دونوں سے خلوص تھا ان کی راتیں میخانوں اور دن خانقاہوں میں گزرتے تھے۔ بزرگوں کے مزاروں کو باقاعدہ دوکانیں بنا لیا گیا۔ شاید آج بھی مغربی نائٹ کلبوں میں وہ شرمناک جنسی مناظر نظر نہ آتے ہوں، جو اس دور کے عرسوں میں عام تھے۔ نواب درگاہ قلی خاں نے ایسے بہت سے عرسوں کا ذکر کیا ہے۔ دہلی میں سرائے خواجہ بسنت اسد خانی کے قریب کسی ناگی نامی بزرگ کا مزار تھا۔ اس پر ہر مہینہ عرس ہوتا تھا۔ نواب صاحب اس کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"ہر مہینے کی ستائیس تاریخ کو عاشق مزاج عورتیں خوب سج دھج کر جوق در جوق زیارت کے لیے وہاں آتی ہیں، اُن کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ جن مردوں سے ان کا تعلق ہوتا ہے، اُن سے مل کر دادِ عیش دیتی ہیں۔ بہت سے مجرّد اور پردیسی لوگ خوب بن سنور کر، اس اُمید میں کہ شاید انھیں کوئی قبول کر لے، اس جلوہ گاہ میں خود کو پیش

کرتے ہیں۔

دیکھیے دوست کسے چاہے گا اور کس پر توجہ کرے

"کہا جاتا ہے کہ اس مقام کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر پردیسی اس تفریح گاہ میں آجائے، تو فوراً اسے اپنا جوڑا مل جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تماشا گاہ بہت وسیع ہے۔ پھر بھی اتنی کثرت سے تماشائی ہوتے ہیں کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی۔ لوگ وہاں صبح سے آتے ہیں اور شام کو واپس جاتے ہیں۔ سڑک کے کنارے جو باغ ہیں، واپسی میں ان کی سیر کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ غرض عیش و عشرت کے خوب سامان فراہم کیے ہیں اور خوب چیزیں اختراع کی ہیں، خدا تمام دوستوں کو نصیب کرے"۔

بہادر شاہ اوّل کی بیوی بیگم مہر پرور تنیس[۲۳] محرم کو اپنے شوہر کا عرس کرتی تھیں۔ اس عرس میں کیا بہار آتی تھی۔ اس کا اندازہ "مرقع دہلی" کے اس اقتباس سے ہوتا ہے۔

"ہر گوشہ و کنار میں اپنے محبوبوں کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں عیاش لوگ خواہشاتِ نفسانی کے پورے ہونے پر رقص کرتے ہیں۔ میخوار محتسب سے بے خوف بدمست اور شہوت طلب، مزاحمت کے خیال سے بے نیاز، شاہد پرستی میں مصروف رہتے ہیں۔ امردوں اور نوخطوں کا وہ ہجوم کہ زاہدوں کی توبہ ٹوٹ جائے اور بے مثال جذبے کے ساتھ وہ آہو پیسر، جو نیکی کی بنیادیں ہلا دیں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے خوب صورت چہرے اور جہاں تک دکھائی دے گیسوؤں کے جال نظر آتے ہیں۔ اتنے بڑے پیمانے پر عیش و عشرت کے سامان فراہم ہوتے ہیں کہ ایک عالم کی مراد پوری ہو جائے۔ خیانت کے اسباب اس درجہ موجود ہوتے ہیں کہ دنیا بھر کے بدکار جسمانی لذت حاصل کر سکیں۔ یہاں تو حالت یہ ہے کہ ذرا ہوش میں آئے تو کسی امرد نے آنکھ ماری، ابھی اس کے حسن سے آنکھیں روشن کیں کہ کسی بے شرم عورت کا پیغام پہنچا۔ نواب اور امرا و رؤسا سے کوچے بازار اور گوشہ و کنار امیروں اور فقیروں سے شور انگیز رہتے ہیں۔ مطرب اور قوال مکھیوں سے زیادہ

اور محتاج و سائل مچھروں سے افزوں تر۔ قصہ مختصر اس طرح اس شہر کے کمین و شریف ذہنی اور جسمانی لذتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور ان ہنگاموں کی طرف سے آنکھیں پھیر لینا محض لبصیرت ہے۔"

میر مشرف عہدِ محمد شاہ میں ہفت ہزاری منصب دار تھے۔ اُن کے یومِ وفات پر اُن کے صاحبزادے عرس کرتے تھے جس میں نوجوان امرا و روٴسا کی شراب، عورت اور امرد سے خاطر تواضع کی جاتی تھی۔ اس محفل کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

"تمام بادشاہ کے دربار کے اعلا عہدے داروں اور اربابِ نشاط کو مدعو کر کے صلائے عام دی جاتی ہے۔ چونکہ میر کلو خود جوان ہیں اور تمام رنگین مزاج امیر زادوں سے واقف ہیں۔ ان کی خاطر سب لوگ عیش و عشرت کے سامان اور اپنی محبوباؤں کو ساتھ لے کر یہاں آتے ہیں۔ ہر درخت کے نیچے اور ہر پودے کے سائے میں اور ہر خیاباں کے کنارے رنگ رنگ کے گلِ رعنا کی طرح خیمے کھڑے کرتے ہیں اور مے نوشی میں مصروف ہوتے ہیں۔ تمام رات ہر جگہ رقص اور ہر طرف موسیقی کی محفل گرم ہوتی ہے۔ طرح طرح کے کھانے اور ضرورت کا سب سامان مہمانوں کے مرتبے کے مطابق ہر جگہ پہنچتا ہے۔ رات، شب برات کی طرح مطلع الانوار اور صبح، عید کی صبح کی طرح ہزاروں رنگ کی خوشی و مسرت سے لبریز۔"

مجنوں نانک شاہی نام کے ایک بزرگ تھے۔ آج کل ان کے نام پر دلی میں سکھوں کا بہت بڑا گوردوارہ ہے۔ اس عہد میں مجنوں نانک شاہی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

"چوں کہ آپ کا مسکن دریا کے کنارے ہے اور اس کے نیچے کشتیاں تیار رہتی ہیں۔ اس لیے ہر روز عجیب و غریب ہجوم اور بہت دل چسپ تفریح ہوتی ہے۔ بے شمار لیلی منشان عورتیں میانہ سوار وہاں آتی ہیں۔ درختوں کے سائے میں سواری چھوڑ کر تفریح کرتی ہیں اور مجنوں (مجنوں نانک شاہی) سے تنہا ملاقات کرتی ہیں۔ اپنی پوشیدہ تمنائیں بتاتی ہیں اور دل کی مرادوں کے حصول کی گزارش کرتی ہیں۔"

جن صوفیوں کے تقدس اور بزرگی کی قسم کھائی جاتی ہے۔ ان کے مزاروں کو بھی راگ ورنگ کا ذریعہ بنالیا گیا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر صفر کے مہینے کے آخری بدھ کو زبردست ہجوم ہوتا تھا۔ اس ہجوم میں ایسے لوگ بھی بڑی تعداد میں ہوتے تھے جو اِس مقدس موقع پر بھی رقص وسرود کی محفلیں گرم کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ نواب صاحب کی زبانی اس عرس کے حالات سُنیئے :

"ہر بدھ کو عوام وخواص زیارت کرتے ہیں اور قوال پورے ادب کے ساتھ کھڑے ہوکر قوالی کرتے ہیں۔ خاص طور سے صفر کے مہینے کے آخری بدھ کو (یہاں) زبردست ہجوم ہوتا ہے۔ دلی والے بہت سج دھج کر یہاں آتے ہیں اور زیارت کے بعد ان باغوں کی سیر کرتے ہیں جو روضۂ مبارک کے نواح میں واقع ہیں۔ اہل حرفہ جابجا دکانیں سجاتے ہیں اور تماشائیوں کی پسندیدہ اور مطلوبہ چیزیں پیش کرتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں مطرب نغمہ سرا ہوتے ہیں کہ اُن کی آواز سامعہ پر گراں گزرنے لگتی ہے۔ ہر گوشہ وکنار میں نقال اور رقاص دادِ خوش ادائی دیتے ہیں۔ عُرس مبارک ربیع الاول کی چودہ تاریخ کو منعقد ہوتا ہے۔ (زائرین) اس آستان جنت نشان کو بوسہ دے کر فخر حاصل کرتے ہیں (درگاہ کے) چاروں طرف اتنے خیمے لگتے ہیں کہ جگہ باقی نہیں رہتی۔ تمام رات قوال باری باری قوالی کرتے ہیں۔ اور مشائخ وصوفیائے کرام کے لیے وجد وحال کا سامان فراہم کرتے ہیں"۔

حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دیوالی کے مہینے میں ہر اتوار کو دلّی والے زیارت کے لیے آتے ہیں۔ زیارت کے بعد اُن کے مشاغل تو ملاحظہ ہوں :

"ہر درخت اور ہر دیوار کے سائے میں فرش بچھا کر دادِ عیش وخوش دلی دیتے ہیں۔ عجیب وغریب سیر وتفریح اور طُرفہ تماشا ہے۔ ہر جگہ راگ ورنگ اور ہر گوشہ وکنار میں صدائے پکھاوج ومورچنگ"۔

دلی میں بسنت سات دن تک بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ مذہب، جنسی

لذتوں اور دنیاوی عیش و عشرت کی سرحدوں کو ایک دوسرے سے کس طرح ملا دیا گیا تھا۔ اس کا اندازہ بسنت کی تفصیلات پڑھ کر ہوتا ہے۔ اس سات روزہ تہوار کی ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف کی زیارت سے ہوتی تھی۔ دوسرے دن حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، تیسرے دن حضرت نظام الدین اولیاؒ، چوتھے دن شاہ حسن رسول نماؒ اور پانچویں دن حضرت شاہ ترکمانؒ کے مزاروں پر عرس ہوتے، چھٹے دن بادشاہ اور امرا کے ہاں محفل گرم ہوتی اور ساتویں یعنی آخری دن احدی پورہ میں کسی مے نوش کی قبر کو شراب سے دھوتے اور ساری رات اس قبر پر محفل رقص و سرود سجائی جاتی، حسن والے بھی اس محفل میں شریک ہوتے اور داد عیش دیتے۔

نواب صاحب جوان تھے اس لیے انھوں نے دلّی والوں کی عیش و عشرت کی محفلوں سے خوب لطف اُٹھایا۔ بڑی حسرت سے ان محفلوں، حسین طوائفوں اور امردوں کا ذکر کیا ہے۔ اب ایک دو امردوں کا حال سُنیے۔ سلطان نام کے ایک امرد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "سبز رنگ امرد ہیں، بارہویں سال میں ہیں۔ رقص میں عجیب و غریب شوخیاں اور ادائیں دکھاتے ہیں۔ ان کے گانے کے جادو نے دنیا کو مفتوں اور خلق کو مجنوں بنا دیا ہے۔ اس عمر میں موسیقی میں ایسی مہارت حاصل ہے کہ اس سے زیادہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کلی ہیں لیکن گل ہائے شگفتہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اگرچہ چراغ کی لَو سے زیادہ نہیں ہیں لیکن آفتاب سے ہمسری کے مدعی ہیں۔ سامعہ کو حسرت ہے کہ وہ (سلطانہ کا گانا سُننے کے لیے) محدود ہے۔ باصرہ کو اپنی نگاہ کی کم ظرفی پر شرمندگی ہے۔ ایک رات کو ہمارے ایک دوست نے محفل سجائی۔ بہت دیر تک اِن (سلطانہ) کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ تمام رات عیش و انبساط میں گزری۔ دوستوں کے دلوں میں دوبارہ اُن کی صحبت کی حسرت باقی ہے۔ شوق پھر اسی محفل کا متمنی ہے۔"

آگے چل کر نواب صاحب لکھتے ہیں:

ایک امرد ہیں میاں ہینگا۔ سعد اللہ خاں کے چوک پر رقص کرتے ہیں۔ ان کا طمطراق

تو دیکھیے :۔

"چینی کی طرح ان کا رنگ اور گلِ یاسمین کی طرح ان کا لباس سفید ہوتا ہے۔ دارالخلافہ کے قلعے کے سامنے روز مجمع لگاتے ہیں۔ تماشائیوں کی مرضی کے مطابق ہنگامہ بپا رہتے ہیں۔ ان کا رقص دیکھنے کے لیے تفنۃً لوگ چوک کی سیر اور نفائس و نوادر خریدنے کے بہانے آتے ہیں۔ اور ہینگا کے حسن کے جلووں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور گاہک بے تکلف اور بغیر کسی تصنّع کے اُن کے مجمع کے اطراف میں تیز رفتار گھوڑوں سے اُتر کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس سیرگاہ کے چاروں طرف اتنے ہاتھی اور گھوڑے ہوتے ہیں کہ ان کی گنتی ممکن نہیں۔ اس تماشے کے چاروں طرف اتنے لوگ بیٹھے یا کھڑے ہوتے ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں ہے۔ لوگ ضروری چیزیں خریدنے کے بجائے یہاں کی تفریح میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ سامان خریدنے کے لیے جو رقم لاتے ہیں۔ وہ سب گنوا کر خالی ہاتھ گھر جاتے ہیں۔ ان کے خرام اور نازک ادائیں دنیا کو برباد کردیتی ہیں۔ وہ جن پر ملتفت ہوجائیں، وہ تباہ ہوجاتا ہے۔ ان کا گورا رنگ سانولے رنگ سے باج اور ان کا سبزۂ خط چمن کے سبزے سے خراج حاصل کرتا ہے۔ سفید لباس میں ایسے خوبصورت لگتے ہیں جیسے شام کے وقت صبح کی پو پھٹی ہو یا گلِ چاندنی بے اختیار فضائے چمن میں بکھر گئی ہو۔ غروب آفتاب تک جلوہ گری کرتے ہیں اور خاصی رقم اکٹھا کرکے گھر چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ عزیز و اقارب بہت دعوت دیتے ہیں، لیکن کسی کے گھر نہیں جاتے۔ جو کوئی اُن کا شیفتہ ہے وہ اُن کے گھر جاکر لطف اندوز ہوتا ہے۔"

باری نام کے ایک نقّال کا حال ملاحظہ ہو:

"اُن کے سبزۂ خط کی تقریب شروع کرنے کے لیے پرِ طوطی کا ایسا قلم حاصل کرنا چاہیے جو خوشبودار پھولوں پر یک قلم خطِ نسخ پھیر دے۔ سیاہی کے بدلے زنگار استعمال کرنا چاہیے تاکہ اُن کے حسنِ سبز کی کیفیت لکھی جاسکے۔ (شعر)

میں نہیں جانتا کہ حسنِ سبز (نوخطی) جان کے لیے وبال ہوجائے گا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ سبزے میں جال چھپا ہوگا۔ ان کے حسن کے شان و شکوہ کا یہ عالم ہے کہ نگاہ اس

کا مقابلہ بے محابہ نہیں کر سکتی۔ اُن کا رنگ ایسا جیسے نسیم بہار کے جھکوروں سے شاخِ گُل جھوم رہی ہو، نگاہوں کے عشووں اور غمزوں کا یہ عالم ہے کہ جیسے رم خوردہ پری زادانِ خیال (یعنی وہ خیال جو الفاظ کی گرفت میں نہ آسکیں) حسن کسی کی بھی اُن سے ملاقات ہوئی، اس کے ہوش ایسے گم ہوگئے جیسے اس پر پری کا سایہ ہوگیا ہو، جو ایک بار اس سے ہم کنار ہوا، ساری زندگی اُن کی ہم آغوشی کی تمنا میں رہا۔ اُن کے سبزۂ حسن کے مقابلے میں سبزۂ بہار کچھ بھی نہیں، اُن کے چہرے کے مقابلے میں گلدستۂ چمن ہیچ (اشعار)

دل چھین لینے کے لیے حسن اور آواز کی خوبیوں میں سے ایک ہی کافی ہے لیکن یہ دونوں (ایک جگہ ہی) جمع ہوجائیں تو دل والوں کی شامت آجاتی ہے۔ ان کا پورا طائفہ موزوں اور ان کے تمام نقّال خوش مضمون ہیں۔ دو تین اور نہال اس چمن میں قد نکال رہے ہیں۔ فلکِ حاسد اُن کے نظارے کی فرصت دے۔"

ان اہلِ طرب میں سے بعض کو محمد شاہ بادشاہ کی سرپرستی حاصل رہی تھی۔ خواصی اور انوٹھا دو نقّال تھے۔ دونوں شاہی دربار سے وابستہ تھے۔ تقی بھگت باز، بادشاہ کے منظورِ نظر تھے اور بادشاہ کے خلوت خانے میں باریاب ہوتے تھے۔ چمنی، چکمک دھانی اور کمال بائی تینوں گانے کے فن میں ماہر تھیں۔ ان تینوں کو بھی محمد شاہ بادشاہ کی سرپرستی حاصل رہی تھی۔

وہ فنکار جن کا تعلق بادشاہ کے دربار سے متوسل ہوتے تھے۔ زندگی بھر ان کی کفالت شاہی خزانے سے ہوتی تھی لیکن مغل حکومت کے زوال نے اس حد تک خزانے خالی کردیے تھے کہ زندگی گزارنے کے لیے ان فنکاروں کو امرا و رؤسا کی محفلوں کی رونق بننا پڑتا تھا۔ اس سے زیادہ عبرت کا اور کیا مقام ہوگا۔

بھبنائے فیل سوار مشہور رقاصہ تھی۔ محمد شاہ کے وزیر نواب اعتماد الدولہ وزیر الملک قمرالدین خاں اس کے عشق میں ایسے گرفتار تھے کہ اس کے گھر خود جانے میں بے عزتی محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس رقاصہ کے بارے میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

"مشہور رقاصاؤں میں ہیں اور طائفہ داروں کی سردار ہیں۔ چوبدار اُن کے ملازم

ہیں۔ امرا سے برابر کے رشتے سے ملتی ہیں۔ سفارشی خط لکھتی ہیں۔ اور لوگ انھیں قبول کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں اعتمادالدولہ سے خاص تعلق تھا اور وہ اُن کے گھر آتے تھے۔ ایک دفعہ نواب اعتمادالدولہ نے مے نوشی کے ظروف یعنی ساغر و مینا وغیرہ تحفے کے طور پر پیش کیے۔ چوں کہ ان پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اُن کی قیمت ستر ہزار روپیہ تھی۔"

ایک ڈومنی تھی نوربائی اُس کی مدح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دلی کی ڈومنیوں میں ہیں۔ اُن کی شان و شکوہ کا یہ حال ہے کہ امرا ان سے ملاقات کی التجا کرتے ہیں۔ ان کا گھر دولت مندوں کے گھروں کی طرح ہر قسم کے شان و شکوہ کے سامان سے بھرا ہوا ہے اور ان کی سواری کے جِلو میں، امرا کی سواری کی طرح، چاؤش اور چوبدار ہوتے ہیں۔ عام طور سے ہاتھی کی سواری کرتی ہیں۔ جب امرا کے گھر جاتی ہیں تو امرا تحفے میں رونمائی کے طور پر ایک رقم جواہر پیش کرتے ہیں اور ان کے گھر خاص رقم (پیشگی) بھیجتے ہیں تاکہ وہ ان کی دعوت قبول کرلیں۔ اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ رخصت کے وقت امرا کیا دیتے ہوں گے۔ جس شخص کو بھی ان کی صحبت کا شوق پیدا ہوا، وہ برباد ہوا، ان کی آشنائی کا جس پر نشہ سوار ہوا، وہ بگولے کی طرح بے چین و بے قرار رہا۔ دنیا نے اس کام میں اپنی دولت لٹا دی۔ بے شمار لوگوں نے اپنا سرمایا اس ستمگر پر نثار کردیا۔ جب تک دولت باقی رہتی ہے اُن سے صحبت رہتی ہے۔ جب تک جیب میں رقم باقی رہتی ہے، ان کی صحبت حاصل رہتی ہے۔ ان کی عزت و وقار موتی کے ہم ترازو اور ان کی آب و تاب گلشن کے آب و رنگ کے ہم پہلو ہے۔ سخن فہمی میں بے نظیر اور نکتہ داں خوش تقریر ہیں۔ ان کی گفتگو میں وہ سلاست و روانی ہے کہ سامعہ جاے بہار میں غوطے کھائے اور ان کی گفتگو جیسے پھول برس رہے ہوں۔ اگر ایسی رنگین مصاحبہ ہاتھ آجائے تو پھر انسان اور کیا آرزو کرے۔ اگر ایسی شوخ ہمدم مل جائے تو جو کچھ ہے، سب اسی سے ہے۔ علمِ مجلس اور آدابِ محفل میں یہ مرتبہ ہے کہ ادب سکھانے والے ان سے تعلیم حاصل کریں۔ تمام حاضرینِ محفل کا

ایسا پاسِ خاطر ہے کہ صاحبانِ تہذیب اخلاق اُن سے سبق لیتے ہیں۔ اُن کا گانا مزے سے خالی نہیں ہے۔ ارباب موسیقی اُن کی تعریف کرتے ہیں۔ آج کل جنگلہ راگ دلّی میں مروّج ہے۔ اس کی انھوں نے خوب مشق کی ہے۔ ان کے ساتھ محفل میں بہت سی عورتیں رہتی ہیں۔ انھوں نے ہر ایک کا نام بیگم اور خانم رکھا ہے۔ ان عورتوں میں سے ہر ایک پر مہربانی اور توجہ کی سفارش کرتی ہیں۔ چوں کہ ہر ایک کو ان کی خاطر عزیز ہے۔ اس لیے جو کچھ کہتی ہیں، ملاقاتی قبول کر لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ سُننے سے نہیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ فقیر نے ایک دفعہ ان کی صحبت سے استفادہ کیا ہے۔"

مغرب نے جنسی بے راہ روی میں غیر معمولی ترقی کی ہے۔ لیکن وہاں جو کچھ ہوتا ہے کلبوں میں۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی عورت برہنہ کسی محفل میں چلی جائے۔ لیکن اٹھارویں صدی کی دلّی کی بیگم اور ان کے عاشق امیروں اور رئیسوں کو ملاحظہ کیجیے :-

"مشہور ہے کہ پائجامہ نہیں پہنتیں، جسم کے نچلے حصّے پر خامۂ نقاشی سے رنگین پائجامہ کے انداز کی رنگ آمیزی کرا لیتی ہیں۔ کم خواب کے تھان میں جو گل بوٹے ہوتے ہیں جسم پر قلم سے بالکل اسی طرح کے گل بوٹے بنواتی ہیں۔ اس انداز سے امرا کی محفلوں میں چلی جاتی ہیں۔ پائجامہ اور اس رنگ آمیزی میں کوئی فرق نہیں کر سکتا۔ اور جب تک اس راز پر سے پردہ نہ ہٹے، کوئی اس فن کو نہیں سمجھ سکتا۔ چوں کہ اس فن میں ندرت اور جدّت ہے اس لیے لوگ انھیں پسند کرتے ہیں۔"

غرض یہ کہ نواب درگاہ قلی خاں کی "مرقع دہلی" اٹھارویں صدی عیسوی کی دلّی کی سیاسی، سماجی، ادبی اور خانقاہی حالات کی داستان ہی نہیں بلکہ اس ذہنی کرب کی تفصیل بھی ہے جس سے سیاسی زوال کے شکار دلّی والے گزر رہے تھے۔ "مرقع دہلی" کے مطالعے سے ہمارے ذہن میں اس عہد کے لوگوں سے نفرت اور حقارت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ زوال کی کشتی پر سوار ان لوگوں سے دلی ہمدردی پیدا ہوتی ہے جو انتہائی بے بسی اور لاچاری کے عالم میں کشتی کے ڈوبنے اور اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔

نواب درگاہ قلی خاں کے سوانح

نواب درگاہ قلی خاں کا لقب ذوالقدر ۔ خطاب سالار جنگ، موتمن الدولہ، موتمن الملک، خان دوراں اور درگاہ تخلص تھا۔ اس طرح ان کا پورا نام تھا: نواب ذوالقدرؔ درگاہ قلی خاں'۔ سالار جنگ، موتمن الدولہ، موتمن الملک، خان دوراں، المتخلص بہ درگاہ
نواب ذوالقدر کی پانچویں پشت میں ایک بزرگ خاندان قلی خاں تھے۔ شاہ صفی کے زمانے میں یہ قندھار کے گورنر علی مردان خاں کے ملازم تھے۔ ان کا وطن نواحی مشہد مقدس مملکت ایران تھا اور ترکان پور لورالوس خاناں سیاہ خیمہ کے ایک بڑے سردار کے صاحب زادے تھے۔ علی مردان خاں کو شاہ صفی سے کچھ شکایتیں تھیں اور وہ قندھار کی گورنرشپ سے مستعفی ہوکر ہندوستان آنا چاہتے تھے تاکہ شاہ جہاں بادشاہ کی ملازمت کرسکیں۔ انھوں نے خاندان قلی خاں کو شاہ جہاں کی خدمت میں بھیجا۔ ۲۷ر دسمبر ۱۶۳۰ء کو خاندان قلی خاں نے شاہ جہاں کے دربار میں پہنچ کر علی مردان خاں کی درخواست پیش کی۔ شاہ جہاں نے انھیں ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ خاندان قلی خاں کو خلعت اور ایک ہزار روپے کے انعام سے سرفراز کیا۔ ۷ر فروری ۱۶۳۱ھ کو وہ شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور کشمیر کی صوبہ داری سے سرفراز ہوئے۔ خاندان قلی خاں ان کے ساتھ کشمیر میں رہے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ علی مردان کی سفارش پر شاہ جہاں نے خاندان قلی خاں کے صاحب زادے درگاہ قلی خاں اوّل کو ضلع ٹھٹہ میں جاگیر اور منصب سے سرفراز کیا۔ علی مردان خاں نے اپنی سرکار کی میر سامانی بھی بطور ضمیمہ ان کے سپرد کردی۔ جب ۱۶۵۶ء میں علی مردان کا

انتقال ہوگیا تو شاہزادہ اورنگ زیب نے درگاہ قلی خاں اوّل کو اپنے منصب داروں میں شامل کرلیا۔ درگاہ قلی خاں کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادے نوروز قلی خاں دھارواڑ ضلع بیجاپور کی قلعہ داری پر سرفراز ہوئے اور اس عہدے پر ان کا انتقال ہوا۔ نوروز قلی خاں کے صاحب زادے تھے غاندان قلی خاں ثانی۔

مغل حکومت نے انھیں منصب و جاگیر سے سرفراز کیا اور اورنگ آباد میں متعین منصب داروں میں انھیں بھی شامل کردیا گیا۔ شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں یہ سنگم نیر کی وقایع نگاری اور اضلاع کی فوجداری پر مامور ہوئے۔ اسی شہر میں درگاہ قلی خاں (مصنف مرقع دہلی) کی بقول حکیم سیّد مظفر حسین، ۱۲ستمبر ۱۰،۱۷ء اور بہ قول محمد عبدالجبّار ۲ ستمبر ۱۷۱۰ء کو ولادت ہوئی۔ بہت ذہین اور ذکی الطبع تھے۔ ابھی چودہ برس ہی کے تھے کہ میر قمرالدین فتح جنگ نظام الملک آصف جاہ بہادر، متخلص بہ آصف نے انھیں منصب و جاگیر سے سرفراز کیا۔ بیس برس کے ہوئے تو آصف جاہ نے انھیں اپنا ہم رکاب کرلیا۔ شمالی ہندوستان میں مرہٹوں کی شورشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ محمد شاہ بادشاہ اس راز سے واقف تھے کہ مرہٹوں کا مقابلہ کرنا مغل فوج کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے انھوں نے دکن کے حاکم میر قمرالدین فتح جنگ نظام الملک آصف جاہ بہادر المتخلص بہ آصف کو اصرار کرکے دہلی بلایا۔ آصف جاہ جون ۳۸،۱۷ء میں دلّی پہنچ گئے۔ انھوں نے دو مہینے دلّی میں قیام کیا اور پھر مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے نکل گئے۔ آگرے 'مالوہ' اٹاوہ اور بوندیلہ ہوتے ہوئے بھوپال پہنچے۔ ۳۷،۱۷ء کے دسمبر کا مہینہ تھا۔ بھوپال کے اطراف میں مرہٹوں سے جنگ شروع ہوئی۔ چونکہ مرہٹے طاقت ور تھے، اس لیے بغیر کسی فیصلے کے جنگ جاری تھی کہ اچانک نادر شاہ کے حملے کی خبر پہنچی۔ آصف جاہ نے مرہٹوں سے صلح کرلی اور دلّی کے لیے روانہ ہوگئے۔

نواب ذوالقدر جون ۳۸،۱۷ء میں دلّی آئے اور ۲۳ جولائی ۴۱،۱۷ء کو نواب آصف جاہ کے ساتھ دکن واپس چلے گئے۔ گویا تقریباً تین سال دلّی میں رہے۔

جب تک آصف جاہ زندہ رہے، نواب ذوالقدر کی سرپرستی کرتے رہے۔ ۴۸،۱۷ء میں آصف جاہ کا انتقال ہوا تو احمد شاہ بادشاہ نے آصف جاہ کے بیٹے میر احمد خاں مخاطب بہ نظام الدولہ ناصر

جنگ کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا۔ نواب ناصر جنگ نے اپنے جلوس کے دوسرے سال میں نواب ذوالقدر کو اورنگ آباد کی خدمتِ کوتوالی اور فوج داریِ افواج اور صوبہ داری بلدہ پر سرفراز کیا۔

نواب صلابت جنگ ۳ر فروری ۱۷۵۰ء کو مسند نشین ہوئے۔ انھوں نے نواب ذوالقدر کو پہلے داروغگیِ فیل خانہ کے عہدے پر فائز کیا اور ۱۷۵۳ء میں باضافہ منصب شش ہزاری و علم نقارہ مع خطابات موتمن الدولہ کے سرفـــراز کیا۔

۶ر جولائی ۱۷۶۲ء کو آصف جاہ کے چوتھے لڑکے میر نظام علی خاں آصف ثانی اپنے بھائی نواب صلابت جنگ سے اقتدارِ حکومت چھین کر خود مسند نشین ہو گئے۔ آصف جاہ ثانی نے مسند نشین ہوتے ہی نواب ذوالقدر کو منصب ہفت ہزاری، ماہی مراتب، خطاب موتمن الدولہ سواری عماری ہاتھی دو جھالردار کی اجازت سے سربلند اور اورنگ آباد کی صوبہ داری سے سرفـــراز کیا۔ کچھ عرصے بعد نواب درگاہ قلی خاں حسن کارکردگی کے صلے میں خان دوراں کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ دسمبر ۱۷۶۵ء میں نہ جانے کیوں سرکاری خدمات سے معزول کر دیے گئے اور نواب صاحب اورنگ آباد سے اپنی جاگیر نظام آباد گئے۔ سرسام کے مرض میں گرفتار ہوئے اور ۲۲ر اکتوبر ۱۷۶۶ء کو انتقال ہو گیا۔ ان کی لاش اورنگ آباد لائی گئی اور مقبرہ سالار جنگی میں مدفون کیے گئے۔[۲۹]

"مرقعِ دہلی" کے مطبوعہ اڈیشن

"مرقعِ دہلی" مرتبہ حکیم سید مظفر حسین (۱۹۲۶ء)

"مرقعِ دہلی" کے مخطوطات لائبریریوں میں تو محفوظ تھے، لیکن اہلِ علم کو بارہویں صدی کی تہذیبی اور سماجی زندگی پر ایسی اہم کتاب کا پتا نہیں تھا۔ ایک دو کتابوں میں حوالے ضرور ملتے تھے، لیکن کتاب کے بارے میں تفصیلی طور پر کسی نے کچھ نہیں لکھا تھا اور نہ ہی اس کا متن مرتب کر کے شایع کیا تھا۔ حیدر آباد کے حکیم سید مظفر حسین نے پہلی بار "مرقعِ دہلی" کو تاج پریس، حیدر آباد دکن سے ۱۹۲۶ء میں کتابی صورت میں شایع کیا۔ حکیم صاحب نے بہت طویل مقدمہ لکھا، جس میں نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں اور اُن کے خاندان کے مستند اور تفصیلی حالات بیان کیے۔ (میں نے اپنے مقدمے میں درگاہ قلی خاں اور اُن کے خاندان کے حالات کے لیے حکیم صاحب کے مقدمے سے استفادہ کیا ہے) نواب صاحب نے مقدمے میں درگاہ قلی خاں اور اُن کے خاندان کے بعض اہم افراد، اُن کے مقبروں اور مزاروں اور مختلف حکمرانوں سے اس خاندان کو ملنے والی اسناد کی تصویریں شامل کی ہیں۔

پرانی دہلی کے حالات از خواجہ حسن نظامی

خواجہ صاحب نے حکیم سید مظفر حسین کے تیار کردہ فارسی متن کی اردو میں تلخیص پیش کی ہے۔

مرقعِ دہلی مرتبہ پروفیسر نور الحسن انصاری (۱۹۸۱ء)

انصاری صاحب نے سالار جنگ میوزیم لائبریری کے دونوں نسخوں کی مدد سے "مرقعِ دہلی" کا تنقیدی اڈیشن تیار کیا ہے۔ مگر عجلت کی وجہ سے فارسی متن میں خاصی

تعداد میں خامیاں راہ پاگئیں انصاری صاحب نے فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شایع کیا ہے۔ انصاری صاحب کو فارسی پر بہت اچھی قدرت تھی، پھر نہ جانے کیوں ترجمے میں بڑی تعداد میں فاش غلطیاں ہیں۔ انصاری صاحب نے متن کے لیے فارسی کے جدید املا کا استعمال کیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں انصاری صاحب ہی کا تتبع کیا ہے۔

انصاری صاحب کا تیار کردہ تنقیدی اڈیشن ۱۹۸۱ء میں دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے شایع ہوا تھا۔ غالباً طباعت کے فوراً بعد یہ اڈیشن واپس لے لیا گیا، کیوں کہ پوری کوشش کے باوجود کسی کتب فروش کے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں ملی اور بہت کم لائبریریوں میں یہ کتاب ملتی ہے۔

مرقع دہلی مرتبہ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی (۱۹۸۸ء)

یزدانی صاحب نے "مرقع دہلی" کا فارسی متن اور اردو ترجمہ شایع کیا ہے۔ صرف ڈیڑھ صفحے کا مقدمہ لکھا گیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ اُن کے فارسی متن کی بنیاد کس مخطوطے یا مطبوعہ کتاب پر ہے۔ موازنہ کرنے سے پتا چلا کہ خواجہ صاحب نے حکیم سید مظفر حسین کا تیار کردہ متن حرف بہ حرف نقل کر دیا ہے بلکہ اوقاف و رموز بھی وہی رکھے ہیں، جو حکیم صاحب نے قائم کیے تھے۔ اردو ترجمہ بہت سلیس اور شگفتہ ہے

یہ کتاب ۱۹۸۸ء میں مکتبۂ ایلفا براوز' لاہور سے شایع ہوئی ہے۔

مرقع دہلی کا انگریزی ترجمہ۔ مترجمین چندر شیکھر اور شاما مترا چنائے (۱۹۸۹ء)

انگریزی میں پہلی بار "مرقع دہلی" کا ترجمہ ڈاکٹر چندر شیکھر اور شاما مترا چنائے نے کیا جسے ۱۹۸۹ء میں ڈیپٹی پبلی کیشن، دہلی نے شایع کیا۔ اس ترجمے کا پیش لفظ پروفیسر نورالحسن (گورنر مغربی بنگال) نے لکھا ہے۔ مترجمین نے بڑی محنت سے کتاب کا مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں کتاب کی تہذیبی، سیاسی اور سماجی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نواب درگاہ قلی خاں کے مستند سوانح لکھے ہیں۔

M.M. Kaye کی مرتبہ کتاب The Golden Calm میں دہلی کی تاریخی عمارتوں کے رنگین خاکے شامل ہیں۔ اُن میں سے کچھ خاکے اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ اگرچہ "مرقع دہلی" کا فارسی متن دو بار چھپ چکا تھا۔ لیکن کسی بھی مرتب نے ان افراد اور مقامات پر حواشی نہیں لکھے تھے، جن کا ذکر متن میں آیا ہے۔ اس کتاب میں بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے حواشی لکھے گئے ہیں۔ (میں نے اپنی کتاب میں ان حواشی سے بھی استفادہ کیا ہے، جس کے لیے میں مترجمین کا شکر گزار ہوں) کتاب کے آخر میں اشاریہ اور پھر قدیم شاہجہاں آباد کے دو نقشے دیے گئے ہیں۔

یہ نہیں بتایا گیا کہ مترجمین نے ترجمے کے لیے کون سا فارسی متن استعمال کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پروفیسر نورالحسن انصاری کے تیار کردہ متن کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

مخطوطات کی کیفیت

"مرقع دہلی" کے اب تک چار مخطوطے دریافت ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے دو سالار جنگ میوزیم لائبریری، حیدر آباد میں محفوظ ہیں۔ لائبریری کی فہرست میں ایک مخطوطہ "سفر نامہ۲" کے تحت "سفر نامہ درگاہ قلی خاں" کے نام سے درج کیا گیا ہے۔ اس کا سائز ۱۲×۲۰ سینٹی میٹر ہے۔ ہر صفحے پر گیارہ سطریں ہیں۔ مخطوطہ نستعلیق خط میں بہت خوش خط اور صاف لکھا گیا ہے۔ ترقیمے سے پتا چلتا ہے کہ ۲۰ شعبان ۱۱۸۵ھ کو اس کی کتابت ختم ہوئی تھی۔ دوسرے مخطوطے کا ایکسیشن رجسٹر میں "ادبی نثر ۳۶" کے تحت اندراج ہے اور اس کا نام "انشائے درگاہ قلی خاں" درج کیا گیا ہے۔ مخطوطے کا سائز ۱۲×۲۲ سینٹی میٹر ہے اور خطِ شکستہ میں لکھا گیا ہے۔ ترقیمے میں مخطوطے کی کتابت ختم ہونے کی تاریخ ۲۶ ماہ شوال ۱۲۳۱ھ دی گئی ہے۔ سطروں میں یکسانیت نہیں ہے کسی صفحے پر تیرہ اور کسی پر چودہ ہیں۔

میں نے جب "مرقع دہلی" کا تنقیدی اڈیشن تیار کرنے کا ارادہ کیا تو دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے استاد اور میرے برادرِ خورد ڈاکٹر چندر شیکھر نے دو مزید مخطوطات کی نشان دہی کی۔ ایک تو بمبئی کی ملا فیروز لائبریری کا مخطوطہ اور دوسرا برٹش لائبریری سے

لندن کا ـــــ میں مخطوطے کی تلاش میں جب بمبئی گیا تو معلوم ہوا کہ اس نام کی کوئی لائبریری اس شہر میں نہیں ہے۔ میں نے تمام ممکن ذرائع کا استعمال کیا لیکن بے سود۔ بالکل ناامید ہو چکا تھا کہ پروفیسر عبدالستار دلوی نے رہنمائی کی اور بتایا کہ بہت عرصے قبل ملا فروز لائبریری بند ہو گئی ہے اور اس کی کتابیں آر۔ کے۔ کاما اورینٹل انسٹی ٹیوٹ بمبئی میں منتقل کر دی گئی ہیں۔ میں اس لائبریری میں پہنچا اور مجھے مخطوطہ مل گیا۔ مخطوطے کا سائز ۲۱×۱۴ سینٹی میٹر ہے اور ہر صفحے پر اٹھارہ سطریں ہیں۔ ترقیمے کی عبارت ہے
"پانزدہم رجب المرجب ۱۲۱۴ ہجری باتمام رسید۔ در بلدۂ فرخندہ بنیاد، حیدرآباد روز جمعہ۔"
ڈاکٹر ششیکھر کا بتایا ہوا دوسرا مخطوطہ لندن کی برٹش لائبریری میں محفوظ ہے، ڈاکٹر ضیاالدین شکیب نے مخطوطہ تلاش کر کے اس کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ عزیز بھائی عاشور کاظمی نے مخطوطے کی مائکروفلم بنوا کر مجھے بھیجی۔ "مرقع دہلی" کا یہ مخطوطہ ایک اور مخطوطے کے ساتھ مجلد ہے۔ ورق ۷۰ سے شروع ہو کر ورق ۱۲۹ پر ختم ہو جاتا ہے۔ مخطوطہ پندرہ سطری ہے۔ تتمے کی عبارت ہے۔

"تمام شد تذکرہ سالار جنگ مرحوم بتاریخ دوئم جمادی الثانی ۱۱۹۸ھ۔ کاتب الحروف حاجی درویش علی غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ لِعِنَايَتِهِ وَ لِوِلَايَتِهِ

سالار جنگ میوزیم لائبریری کا پہلا مخطوطہ قدیم ترین ہے۔ اس لیے اُسے بنیادی نسخہ بنایا گیا اور باقی تین مخطوطات سے موازنہ کر کے اختلافاتِ نسخ دیے گئے ہیں۔

کتاب کا نام

پوری کوشش کے باوجود یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں نے اس کتاب کا نام کیا رکھا تھا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس متن کے مجھے چار مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں۔ دو سالار جنگ میوزیم لائبریری، حیدرآباد میں ـــ ایک آر۔ کے۔ اورینٹل انسٹی ٹیوٹ، بمبئی کی لائبریری میں۔ اور چوتھا لندن کی برٹش لائبریری میں۔
سالار جنگ میوزیم لائبریری کے ایکسیشن رجسٹر میں پہلے مخطوطے (سفرنامہ ۲)

کا نام "سفرنامہ درگاہ قلی خاں" درج ہے۔ اور یہ مخطوطہ سفرناموں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ دوسرا مخطوطہ "ادبی نثر" کے تحت (ادبی نثر ۳۶) درج کیا گیا ہے اور اس کا نام "انشائے درگاہ قلی خاں" لکھا گیا ہے۔

تیسرا مخطوطہ آر۔ کے۔ کاما انسٹی ٹیوٹ، بمبئی کی لائبریری کے ملا فروز کلیکشن میں محفوظ ہے۔ فہرست میں اس کا نام "آبادی دہلی و مجملی احوالِ نادر شاہ و تاریخِ ایران و ہند" چوتھا مخطوطہ برٹش لائبریری میں محفوظ ہے۔ کیٹالاگ میں اس کا نام "رسالہ سالار جنگ" اور تتمے میں "تذکرہ سالار جنگ مرحوم" درج ہے۔ حکیم سید مظفر حسین نے یہ کتاب "مرقع دہلی" کے نام سے شائع کی ہے۔ بیرونی ٹائیٹل پر انھوں نے کتاب کا نام "دہلی بارھویں صدی ہجری میں" اور اندرونی ٹائیٹل پر "مرقع دہلی" لکھا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ نام یعنی "مرقع دہلی" خود حکیم صاحب ہی نے رکھا ہے۔ چوں کہ یہ نام بہت خوبصورت ہے اور اس کتاب کے لیے بہت مناسب ہے اور پھر اس نام سے یہ کتاب بہت مشہور ہو چکی ہے اس لیے میں بھی اسی نام سے شایع کر رہا ہوں۔

حواشی

۱۔ میں نے اپنی کتاب "مرزا محمد رفیع سودا" کا جو مقدمہ سیاسی پس منظر کے طور پر لکھا تھا، اُس کا کچھ حصہ یہاں نقل کر دیا ہے۔ کیوں کہ اپنی باتوں کو صرف دوسرے لفظوں میں بیان کر دینے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

۲۔ انگریز مورخین نے مسلمان بادشاہوں کو بدنام کرنے کے لیے اُن کی عیاشی کے قصّے بڑھا چڑھا کر بیان کیے ہیں، ہندوستانی مورخین انہی کے بیانات کو دہراتے رہے ہیں۔

۳۔ میں نے ڈاکٹر عرفان حبیب کی The Agrarian System of Mughal India, Aligarh, 1963 سے خاص طور سے استفادہ کیا ہے۔

4. Shelvankar, K.S., The Problem of India, New York, 1940, p.16
5. Thompson and Garratt, Rise and Fulment of British Rule in India, Allahabad, 1962, p.12.
6. F. Bernier, Travels in the Mogul Empire, 2 Ed. London, 1916, p.227

۷۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۴ء، جلد دوم، ص ۱۸۹۔

8. F.S. Manrique, Travels, 1629-43, Vol.II, London, 1927, p.272
9./ Bernier, p. 205
10. J.N. Sarkar, Studies in Aurangzib's Reign, Calcutta, pp. 243-44
11. N. Manucci, Storia Do Mogor, Vol. II, Londo, 1907, p.451.

۱۲۔ ابوالفضل، اکبرنامہ، کلکتہ، ۱۸۸۶ء، ۳، ص ۲۳۱۔

۱۳۔ شاہ ولی اللہ، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات مترجمہ خلیق احمد نظامی، دہلی، ۱۹۵۰ء، ص ۱۰۱۔

۱۴۔ بھیم سین، دلکشا (قلمی)، ورق ۱۳۸ ب - ۱۴۰ الف۔

۱۵۔ دلکشا ورق ۱۳۸ ب ۔ ۱۴۰ الف۔

16. S.R. Sharma, Mugal Government and Administration. Bombay 1951, pp.83-84.
17. The Commercial Policy of Mughals , p.195
18. Ibid p.195
19. Ibid p.195
20. An Advance History of India, P.P. 572-574.
21. Majumdar pp. 572-574
22. J.N. Sarkar, History of Aurangzib Vol. V. Calcutta, P. 240.
23. J.N. Sarkar, Fall of Mughal Empire, Vol.I, Calcutta, p.1

۲۴۔ ان دونوں بھائیوں کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

Satish Chandra, Parties and Politics at the Mughal Court, Aligarh, 1959, pp. 86-176.

۲۵۔ قصہ حقیقت برآمدنِ نادرشاہ بہ شاہ جہاں آباد (قلمی) رضا لائبریری، رام پور۔
۲۶۔ میر تقی میرؔ، ذکر میر مرتبہ مولوی عبدالحق، اورنگ آباد، ۱۹۲۸ء، ص ۲۷۔
۲۷۔ غلام حسین طباطبائیؔ، سیر المتاخرین، جلد دوم، لکھنؤ ۱۸۹۷ء، ص ۸۷۰۔
۲۸۔ قلمی و قدیم بیاض بحوالہ "دلّی نمبر"، دلّی کالج میگزین، ص ۲۹۵۔
۲۹۔ درجِ ذیل کتابوں کی مدد سے نواب درگاہ قلی خاں کے سوانح لکھے گئے ہیں۔
(ا) آزاد بلگرامی، میر غلام علی، خزانۂ عامرہ، لاہور، ۱۹۵۹، ص ص ۲۲۰۔۲۲۲۔
(ب) عبدالوہاب دولت آبادی، تذکرہ بے نظیر، الہ آباد، ۱۹۴۰ء، ص ص ۶۳۔۶۶۔
(ج) درگاہ قلی خاں، مرقع دہلی، حیدر آباد، ۱۹۲۶ء، ص ص ۴ ۔ ۶۷۔
(د) خان، محمد عبدالجبار، محبوب الزمن (تذکرہ شعرائے دکن) حیدر آباد ۱۳۲۹ھ، ص ص ۳۹۷ ۔ ۴۰۷۔
(ر) محمد محبوب جنیدی، حیاتِ آصف، حیدر آباد دکن، ۱۳۶۵ھ۔
(س) ہندی، بھگوان داس، سفینۂ ہندی مرتبہ عطا کاکوروی، پٹنہ، ۱۹۵۸ء۔

فارسی متن

عقابی کتب خانہ
ریختہ سپیشل
معمولی معاوضہ پر
ریختہ کی نایاب
کتب

مرقّع دہلی

رَبِّ یَسِّرْ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَتَمِّمْ بِالْخَیْر[۱]

وقتے نواب درگاہ قلی خان بہادر سالار جنگ مؤتمن الدولہ برفاقتِ نواب نظام الملک آصف جاہ بہ جہان آباد رفتہ بودند، خصوصیاتِ آنجا آنچہ بنظر درآمدہ بود، بقیدِ قلم آوردہ اند. چون خالی از کیفیت نیست لہذا مسطوری گردد.

ذکر قدم شریف

آب ورنگِ گلشنِ[۲] دہلی بہ میامنِ برکاتِ قدمِ شفاعت توأم جنابِ حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم[۳] است کہ گردِ آستانش توتیای اربابِ بصیرت است وغبارِ راہش[۴] مایۂ اہلِ فطرت. جبہۂ عاصیان از کثرتِ سجود آئینہ دارِ امتیاز ودیدۂ حاجتمندان بدریوزہ گری خاکِ جنابش سرمہ طراز. بارگاہِ کیوان پایگاہش واجب التعظیم وعلی الدوام کافۂ انام سرگرمِ مجرا وتسلیم. فرد:[۵]

برزمینے کہ نشانِ کفِ پای تو[۶] بود
سالہا سجدۂ صاحب نظران خواہد بود

روزِ پنجشنبہ از ہجومِ زائران، صحنِ این درگاہ، قسمے مملومی شود کہ عبورِ ہر کس[۸] تا مقصدِ مطاف بہزاران صعوبت دست می دہد ودرماہِ ربیع الاول روز وشب ہمین مجمع است. فقرا و زوّار از بلاد وامصارِ دور دست بہ عزیمتِ زیارت می آیند وچمن چمن گلِ مراد بہ دامانِ آرزو

می کنند.

برخے[1] از شربتِ آبے کہ از شست وشوی دار الشفاءِ قدمِ مبارک نصیبِ تشنہ لبان[2] می گردد، برای عافیت می گیرند و تیمناً بجہتِ دوردستان می برند.

سعادتمندان بہ احرازِ مثوباتِ اُخروی در حوالیِ این درگاه مکانہا بہ مبلغِ خطیر خریده طرحِ مسکنِ آخرت می کنند، چنانچہ اطرافِ آن چندین مقبره است و قبورِ غربا از دایرهٔ حساب بیرون است.

در ایامِ عرس شریف درو دیوارِ این مکان از کثرتِ طایفان نوعے لبریز می شود کہ جائے[3] برای نشستن بہم نمی رسد مگر از صبح سبقت نمایند. مطعومات و تنقلات، کہ اغنیا بر سبیلِ نذر درین ایام ارسال می دارند، صرفِ فقرا و مساکین می شود و ذخیرهٔ چندین روزه می گردد. سبحان اللہ! عجب مکانِ فیض نشان است کہ انوارِ کرامت و اعجاز از درو دیوار می بارد و حوضش کہ در پیشگاهِ دروازهٔ رحمت واقع شده ماء المعینِ کرامت است و عین الحیاتِ سرچشمهٔ رأفت است. متعطشان بکامِ دل ازین زُلال سیراب می شوند. پادشاہے[4] کہ در زمانِ سابق وفات یافتہ بموجبِ وصیتِ او قدمِ معجز شیم را بر سینہ اش نصب کرده اند. مزارش متبرک بہ.

قدم گاه[5] امام مفترض الطاعة یعسوب المسلمین[6] امیر المومنین علی علیہ السلام[7].

از قلعهٔ پادشاہی بفاصلهٔ سہ کروه واقع شده. زایران بہ احرازِ سعادتِ اُخروی روزِ شنبہ جوق جوق عازمِ زیارت می شوند و گلِ مُجرا[8] و تسلیم را زیبِ گوشهٔ دستارِ اعتقاد می سازند. خاکِ جنابش ذریعهٔ شفای دردمندان است، و زُلالِ چشمہ سارِ مرحمتش آبروی حاجتمندان. اکثرے[9] بتمنای ما فی الضمیر نذرہا می بندند و بکامِ دل می رسند.

دوازدهم محرّم[10]، کہ روزِ زیارتِ حضرت خامسِ آلِ عبا است، اربابِ تعزیہ، با دلِ محزون و چشمِ گریان، برسمِ عزا پرستی در آن مکانِ خلد آشیان مجتمع می شوند و شرائطِ زیارت بتقدیم می رسانند. ہیچ متنفّسے نیست کہ درین روز بہرهٔ ازین سعادت برندارد، و از کثرتِ سواریِ وضیع و شریف، طُرق و شوارع، بسانِ چشمِ مور تنگ می شود و اہلِ حرفہ بہ ترتیب و تزئینِ دکاکین پرداختہ اقسامِ منافع بر می دارند.

درچوکی خانہ، کہ مکانِ معیّنِ اربابِ ایمان است، منقبت خوانان بہ آہنگِ بلند قصایدِ عزا می خوانند و منشورِ نجات ازان جنابِ معجز انتساب حاصل می نمایند بمصرع:

گر عقبیٰ خواہی زیارتش را دریاب

درگاہِ ملایک بارگاہِ حضرت قطب الاقطاب

از قلعہ بفاصلۂ ہفت کروہ واقع شدہ و مرقدِ مبارک در صحنِ مسجدِ بے سقف زینت ترتیب یافتہ. مطافِ زایرانِ خطۂ ہندوستان است و مرجع و مقصدِ جمیع حاجت طلبان. صفای در و دیوارش یاد از سوادِ بہشت می دہد و فضای برکات آثارش بہ وسعت آبادِ رحمت ایمای نماید. در احیانِ صبح در حوالیِ قبرِ مبارکش تجلیِ بلاکیف صورت می بندد و کیفیتِ عجیبے بر دلہای زایران طاری می شود. اربابِ تمنا بعد از ادای فریضۂ صبح بہ طوافش پرداختہ گلہای مقصد می چینند، در کمالِ انبساط و انشراح معاودت می کنند.

زیارتش در ہمہ روزہا است، بتخصیص روزِ پنجشنبہ طرفہ ہجوم می شود، مردم باستعدادِ شب روی از دہلی عزیمت می کنند و بعدِ فراغِ زیارت بہ سیرِ تنزہات کہ از میامنِ قدومش ہر طرف سبزہ زارے است و در ہر جانب چشمہ سارے، بتخصیص برکہ و حوضِ شمسی کہ از چشمہ ہای متبرک است، انواعِ تمتعات حاصل می کنند.

در اطرافِ مزارِ فایض الانوارش جمعے از مردانِ خدا آسودہ اند چنانچہ نکہتِ وجد و حال تا حال بہ مشامِ اہلِ یقین می رسد و چاشنیِ درد بکامِ اربابِ ذوق سرایت می کند. مکانہای متبرک در نواحِ این سوادِ بہشت نشان واقع شدہ اند، بتخصیص مسجد اولیا، حضرت قطب العارفین خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ احداث کردہ اند. ہر کہ در آنجا نماز می خواند حلاوتِ عبادت را می فہمد. غرضکہ از کثرتِ قبورِ اولیا در رشکِ روضۂ رضوان است. در عیدگاہِ این مکان، در "ملفوظات" نوشتہ اند کہ اکثر اوقات حضرت خواجہ خضر تشریف می آرند.

قبرِ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ہم ہمسایۂ مزارِ مبارک است و بہادر شاہ ہم بزورِ طالع در کنفِ رأفت و کرامت جا یافتہ. شانزدہم ربیع الاول عُرس می شود و عالمے بہ نیتِ زیارت

مستسعد می شود و تا دو روز سیرہا می کنند۔ قوالان علی الدوام از دور روبروی قبر مبارک گاہے ایستادہ و گاہے نشستہ مجرامی کنند۔ شاہِ شہید محمد فرخ سیر یک سمتِ درگاہ دیوارے، از سنگِ مرمر تراشیدہ نصب کردہ. تشبکہ اش در نہایتِ نزاکت است و شفافیِ سنگ در کمالِ لطافت. قطعہ:

شاہیکہ بعالم عَلَمِ فقر افراخت
از ہر دو جہان بگوشۂ عزلت ساخت
در راہِ خداست رہنما قطب الدین
چون قطب کہ می توان ازو قبلہ شناخت

حضرت سلطان المشائخ معشوقِ الٰہی

مرقدِ مبارکِ آنحضرت از دہلی کہنہ بفاصلۂ نیم کروہ واقع شدہ. زہے روضۂ کہ سلاطین رابجنابش التجاست و خواقین را بہ تسلیم عتبۂ علیہ اش دلیل و مدعا. از در و دیوار سراپا انوارش فیضہا ترشح می کند و از سوادِ خاکِ پاکش چشمہ سارِ سعادت می جوشد. دور باشِ عظمت و جلالِ آن آستان زہرۂ متکبرین را بگدازمی دہد. و سطوتِ قہرمانِ آن مکانِ رفیع الشان سرِ گردن کشان را بے اختیار مایلِ سجود می گرداند. کیفیتہا از آن مرقدِ فردوس آئین محسوس می شود کہ ناطقہ در ادایش ابکم است و رنگہا از ان چمنستانِ جنت آگین مرئی می گردد کہ خامہ در گزارشِ آن مقطوع القلم.

ہر چہار شنبہ جمہورِ خاص و عام احرامِ زیارت می بندند و قوالان بہ آدابِ تمام ایستادہ، بہ تقدیمِ مراسمِ مجرامی پردازند. بتخصیص چہار شنبۂ اخیرِ صفر طرفہ انبوہے و عجب کثرتے می شود. اشخاصِ دہلی خیلے تقطیع و تزئین کردہ می آیند و بعدِ حصولِ زیارت بہ سیرِ حدایق کہ در جوارِ این روضۂ مبارک واقع شدہ اند، می پردازند. اربابِ محترفہ بترتیب و تزئین جا بجا متمکن می شوند و مرغوبات و مطلوباتِ تماشائیان در ہر جا بجا عرض می کنند. از کثرتِ نغماتِ مطربان سامعہ گرانی بہم می رساند. در ہر گوشہ و کنار نقالان و رقاص دادِ خوش ادائیہا می دہند. عرسِ مبارک چہار دہم شہر ربیع الثانی می شود. بہ استلام سعادت آستانِ سدرہ نشان کلاہِ مفاخرت بہوا می فرستند و در اطراف و اکناف، بسببِ کثرتِ قیامِ خیام، جا تنگی می کند. ہمہ شب نوبت بنوبت قوالان مجرامی کنند و

مشایخ وصوفیہ را بہ وجد وحال می آرند وصحبتِ بواہیر (کذا) خیلے امتدادی کشد وطرفہ شور و شغبے برپامی شود۔ این فرقۂ علیّہ وسایر زوار آن شب را احیا رمی دارند و بیشتر در اطرافِ مرقدِ منور مُراقب می باشند و برخے بہ تلاوت اشتغال می نمایند۔ صبحِ آن شب طرفہ فیضے دارد و، نمازِ فجر بہ عجب حلاوتے میسر می آید۔

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ پایانِ قبرِ گرامی آسودہ اند۔ فاصلہ غیر از چند ذرع درمیان نیست۔ در عرسِ شریفِ ایشان ہم کیفیتِ خاص دست می دہد وسماع می شود۔

مُجاوران در اطرافِ این روضہ خانہا و کاشانہ دارند برای خود معمورہ الیست ومدارِ معیشت ایشان بر نذور و وجوہِ وکالت است۔ خوشا حالِ سعادتمندانے کہ در قُربِ این خطۂ پاک مکانِ سکونت دارند و علی الدّوام تحصیلِ فیوضاتِ زیارت می کنند۔

حضرت نصیر الدّین چراغ دہلی

مزارِ پُر انوارِ این بزرگوار از دہلی کہنہ بفاصلۂ سہ کروہ واقع شدہ۔ سوادِ روضہ اش چون روضۂ رضوان در کمالِ دلکشائی وفضای مرقدش بسانِ خیابانِ بہشت در نہایتِ خوش ادائی۔ اشعۂ کمالاتش از آن سرزمین چون نورِ آفتاب تابان است ولمعۂ کراماتش از ان خطۂ دلنشین برنگ پرتوِ شمع از تہِ فانوس نمایان۔ چراغِ حاجتمندان بہ شعاعِ کرامتش روشن است ودلِ مستمندان بہ ہوای توجہش رشکِ گلشن۔ در واقع چراغِ دہلی است بلکہ چشم و چراغِ تمام ہندوستان۔

زیارتش روزِ یکشنبہ معین است بتخصیص در ماہیکہ دیوالی می آید، طرفہ ہجومے می شود ودرین ماہ در ہر یکشنبہ جمیع سکنۂ دہلی بہ سعادتِ زیارت می روند و در اطرافِ چشمہ ایکہ از مضافاتِ این درگاہ است، خیمہ ہا وسراپردہ ہا ایستادہ کردہ، غسلہا می کنند واکثرے از امراضِ مزمنہ شفائے کامل می یابند مسلمین وہنود در تقدیمِ شرایطِ زیارت یکسان اند۔ از صبح گرفتہ تا غروبِ آفتاب کاروانہای زایران متصل می رسد در زیرِ ہر درختے و در سایۂ ہر دیوارے عالمے بہ ترتیبِ فرش پرداختہ دادِ عیش وخوشدلی می دہند۔ سیرِ عجیبے است وتماشای طرفہ۔ در ہر جا راگ و رنگ است و در ہر گوشہ وکنار صدای پکھاوج ومورچنگ۔ عرسِ مبارک ہم بہ توزک می شود۔ پادشاہِ جم جاہ

محمد شاہ در اطرافِ مرقدِ والا احاطۂ پختہ ترتیب دادہ اند۔ در صحنش وسعتے است کہ در ہیچ درگاہ شاید نباشد۔ قَدَّسَ اللّٰہُ رُوْحَہُمْ وَاَوْصَلَ اِلَیْنَا فُتُوْحَہُمْ۔ (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو پاک کرے اور اُن کی برکات ہم تک بھیجے)۔

حضرت شاہ ترکمان بیابانی علیہ الرضوان

بہ کراماتِ غریبہ مشہور و بہ خوارقِ عجیبہ معروف۔ اینجا اتفاق دارند کہ پیش از بنای دہلی در حینیکہ صحرائے بود، ایشان در جائیکہ آسودہ اند، مقیم بودند۔ برخے معاصرِ حضرت قطب الاقطاب می دانند۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ قبرِ مبارکش درونِ شاہجہان آباد است۔ بیست و سیوم شہرِ رجب عرس می شود۔ خادمان و معتقدان بآئینِ مناسب در روزِ عرس توزکی می کنند۔ از کثرتِ چراغان و قنادیل صحنِ فلک نورانی می شود و از وفورِ گلہا موجِ نکہتِ گل در روانی۔ آرامگاہش جمعیت آباد است و روضہ اش خلدِ اتحاد۔ از نسیمِ صحنش رایحۂ کیفیت بہ مشام می رسد و از شمیمِ فضایش نکہتِ حقیقت بہ دماغ می خورد۔ جمیع سکنہ اعتقاد خاصے دارند و در مشکلاتِ مہمات استعانت بہ روضۂ شریفش می برند و در خورِ رسوخِ اعتقاد فایزِ مدعا می شوند۔

حضرت باقی باللہ

مرقدِ مبارکِ ایشان مکانِ متعین است و زیارتش بہ ذمۂ اربابِ ایقان معین۔ نسیمِ فضایش گلشنِ اتحاد و شمیمِ ہوایش خلد آباد۔ از در و دیوارش بیخودی استقبال می کند و از سرزمینِ فیض آگینش عبرت آغوش می کشاید۔ در عینِ تموز کہ ہوای دہلی آتشبار می شود و زمینہا تفتہ می گردد، در صحنِ مزارِ کرامت آثارش برودت می جوشد۔ ہرگاہ قدم در صحنش می گذارند بریخ می خورد و بیرون از حرارتِ آفتاب برشتہ می گردد۔ یکے از خوارقِ عجیبہ اش اینست کہ سکانِ شہر بہ تلاش در جوارش مدفون می گردند کہ بحمایتِ ہمسایگیش از تب و تابِ جہنم محفوظ مانند۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ۔

حضرت شاہ حسن رسول نما

قبرش آئینۂ جہان نما است و تربتش چون خطۂ بہشت دلکشا۔ بہ صفای اعتقاد اگر زیارتش

نمائی بہ وسیلۂ روحِ پر فتوحش رویتِ جمالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممکن. و بہ خلوصِ نیت اگر توسل جویند حصولِ مآرب و مقاصد متیقن. بیست و یکم شعبان المعظم مراسم عرس با بہ تقدیم می رسد. وضع تزیین و آرایش بکار می رود و صبحِ عرس جمیع نقالانِ دہلی تا شام بہ مجرا پرداختہ، احتظاظِ وافی بہ زایران می رسانند و عنانِ معاودت می گردانند.

شاہ بایزید اللہ ہو

جلوۂ صفای مشربش از در و دیوار پیداست و انوارِ کرامتش از تربتِ بہشت طینت ہویدا. روزِ عرس مجلسِ رنگینے منعقد می گردد و حلاوتِ خاصے بہ مذاقِ زایران عاید می شود.

مرزا بیدل رحمۃ اللہ

تربتِ موزونِ ایشان در دہلی کہنہ در محوطۂ مختصر، برنگِ معنیِ خاص در الفاظِ رنگین، واقع شدہ. سیوم شہر صفر عرس می شود. تلامذہ اش و جمیع موزونانِ شہر بہ عزیمتِ استفادہ از روحش حاضر می شوند و دور قبر حلقۂ مجلس ترتیب می دہند. کلیاتش کہ بہ خطِ گرامی مرتبش ترقیم یافتہ، بآئین حلقہ گذاشتہ، افتتاح بہ شعر خوانی می نمایند. بر عنوانش این رباعی مرقوم است:

ای آینۂ طبعِ تو ارشاد پذیر — در کسبِ فواید ننمائی تقصیر
مجموعۂ فکرِ ماصلای عام است — سیرے کن و قسمتِ تسلی برگیر

بعد ازین علیٰ قدرِ مراتب، نتایجِ افکارِ خود را نُقلِ مجلس می سازند. حلاوتِ طرفہ بہ حصول می پیوندد و انبساطِ خاصے بہ حضار عاید می گردد.

محمد سعید برادرزادہ اش کہ چون معنیِ بیگانہ از نسبتِ معنویِ میرزا بیگانہ است، بہ تواضعِ حاضرانِ مجلس و ترتیبِ شمع و چراغ، دماغِ خود را می سوزد و بہ ابتیاعِ ہمہ معاجین و حبوبِ اختراعیِ میرزا کہ از قبیلِ کیمیا است و در ہمہ دہلی انگشت نما، صرفِ معیشت می نماید. طَابَ ثَرَاہُ، وَجَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ. (ان کی قبر خوش گوار ہو اور اللہ ان کا ٹھکانا جنت کو بنائے)۔

عرس خلدِ منزل

بیست و سوم محرم الحرام عرسِ مذکور ترتیبِ انتظام می یابد. قبرش در جوارِ حضرت قطب الاقطاب است. مهر پرور زوجۂ خلد منزل به اهتمامِ حیات خان ناظر، از یک ماه، به ترتیب و تزئینِ چراغان بندی که به هیئتِ متنوعه و اشکالِ غریبه طرح می یابد، متوجه می شود. طراحان و صنعت پیشگانِ پادشاهی طراحیِ غریب بکار می برند و هنرهای عجب بر رویِ کار می آرند. بآئینے سروِ چراغان ترتیب می دهند که سرو شمشاد از خجلت بسانِ چنار خود را می سوزد و به نمطے روشنائیِ مشجر به جلوه می آرند که از هر شجرش گلِ آفتاب گل می کند. ماهتاب تا دو پاسِ شب سر از دریچۂ مطلع بیرون نمی آرد و آفتاب خفت خود دانسته غیر از صبحدم متوجۂ آفاق نمی گردد. بُرجهای روشنی به بروجِ آسمانی پیامِ انوار می فرستند و بنگلہ های تجلی آگین در هر گوشه و کنار طرحِ وادیِ ایمن می کنند.

معاشران با محبوبانِ خود در هر گوشه و کنار دست در بغل و عیاشان در هر کوچه و بازار به حصولِ مشتهیاتِ نفسانی در رقصِ جمل میخواران بے اندیشۂ محتسب در تلاشِ سیه مستی و شهوت طلبان بے واهمۂ مزاحمت سرگرمِ شاهد پرستی. هجومِ امارد و نوخطان، توبه شکنِ زهاد و آهو پسران به عشقِ همتال برهم زنِ بنیادِ صلاح و سداد. تا نگاه پرواز کند مایلِ روئیست و تا چشم وا شود حلقۂ فتراکِ گیسوئے. سامانِ فواحش بمثابه ایکه یک عالم فساق به کامِ دل می رسند و اسبابِ خباثت بدرجۂ ایکه یک جهان فجار کسبِ تمتع می نمایند. تا کسے به حالِ خود وا رسد امردے چشمک می زند. و تا چشم چراغ روشن کند زنکه پیام می فرستد. کوچه و بازار از نواب دخوانین لبریز و گوشه و کنار از امیر و فقیر شور انگیز. مطرب و قوال از مگس زیاده تر و محتاج و سائل از پشه افزون تر.

قصه مختصر با این ترتیب وضیع و شریف این دیار هوا جس نفسانی ترتیب می دهند و به مستلذاتِ جسمانی فایز می شوند. در چنین هنگامه چشم بستنها عینِ مصلحت. و بصر نکشودن محضِ بصیرت.

ذکر میر مشرف

قبرِ آن اشجعِ روزگار در جوارِ معشوقِ الٰہی در باغے که نزهت کدۂ آب و هوایش استنباطِ

طراوت از ریاضِ رضوان می کند، ترتیب یافتہ۔ از پائینِ احاطہ اش نہرِ آبے در نہایتِ نظر فریبی و بہ کمالِ دیدہ زیبی جاری است۔ چون ہوا و فضایش بہ سببِ کثرتِ حدایق در ترطیبِ دماغ نزہت طلبان اثرِ وافی دارد و بسیارے از معاشران و تعیش پیشگان نظر بہ قدر دانیِ ہوای برسات، در آنجا سیرے می کنند و بزم آراشدہ سیرِ فضا و کسبِ ہوا می کنند۔ خیابانش از گلہای زنگارنگ ہموارہ مملو است و نشیمنہایش از کیفیتِ نسیم بہار و شمیم گلزار لبریز رنگ و بو۔ زاہدِ خشک مغز ہم اگر بہ سیرش پردازد، تردماغیہای ہوا نشئہ کیفیت می بخشد، خاکش بر سرِ محتسب بیخبر ہم اگر بہ نزہت آبادش راہ یابد نشہ پیمائیہای فضایش سرشار می گرداند، زہے بیخبر۔ رطوبتِ ہوایش خواہانِ نشئہ شراب است و سرودِ رنگینیِ سوادش بی اختیار مایلِ صدای تارِ طنبور۔

میر کلو پسرش بہ عجب طمطراقے و طرفہ شلنے عرس می کند۔ بہ آئینہای رنگین و وضعہای دلنشین ترتیبِ چراغان می کند۔ اطرافِ خیابان را تختہ بندی کردہ، در تابدانہای رنگین می گیرد و بہ شمعہا روشن می کند و بر کنارِ نہرِ آب کہ وسعتِ خاطر خواہی دارد، بر جہا و بنگلہ ہای مرغوب و برروشِ مطبوع بستہ روشنی می کند و جمیع عمدہ ہای دربارِ پادشاہی و اربابِ نشاط را دعوت کردہ صلای عام می دہد۔ چون خودش جوان است و باہمہ امیرزادہ ہای رنگین آشنا، برعایتِ خاطرش ہمہ باسازِ نشاط و سامانِ انبساط می آیند و معشوقہ ہا را با خود می آرند و در بُنِ ہر درختے و در سایۂ ہر نہالے و در کنارِ ہر چمنے خیمہ ہای زنگارنگ چون گلہای رعنا ایستادہ می کنند و بہ تجریع میل می نمایند۔ ہمہ شب در ہمہ جا رقص است و در ہر طرف سرود و طعامہایِ الوان و سایرِ ما یحتاج ہایِ مہمانداری بقدرِ رتبہ در ہر جای رسند۔ شبے چون شبِ برات مطلع الانوار و صبح چون صبحِ عید ہزار رنگ تہنیت و دلخوشی۔

در بازگشت تماشای غریب و سیرِ عجیب دست می دہد۔ خیمہ و مہمان خانہ بسانِ خیمۂ دَل بادَل، مشرف بہ آب ایستادہ می شود و محفلِ رنگینے منعقد می گردد۔ ہمہ جا مسندہا و فرشہا می کنند و لوازمِ ضیافت آمادہ می سازند۔ رقاصان بلاتعیینِ سمت گرمِ رقاصی و نقالان و قوالان بی تشخیصِ میزبان و مہمان متوجہ نغمہ پردازی۔ فقراء و مشائخ را تواجد می گیرد و اغنیاء و اربابِ تمول را خندہ، غرض بے تکلیفہا کارہا دارد و بہیچگونہ مزاحمت نیست۔ از مشتہیات و مرغوباتِ نفسانی ہرچہ آرزو کنند مہیا است لیکن فمن لیعلی و ما یعرفی روزگار۔ (کذا)

ذکر کیفیت چوک سعد اللہ خاں

ہنگامہ اش محاذیِ دروازۂ قلعہ است، و مجمعش در فضایِ پیشگاہِ جلو خانہ۔ سبحان اللہ!
کثرتے می شود کہ نظر از ملاحظۂ محسوساتِ رنگا رنگ دست و پا گم می کند و نگاہ بہ مشاہدۂ تجددِ
امثال تماشاہا و تعددِ تمثال کذا مواد تمنا در آئینہ خانۂ حیرت می نشیند۔ ہر طرف رقصِ امارد خوش رو،
قیامت آباد، و ہر سو شورِ افسانہ سنجان محشر بنیاد۔ راویانِ معتبر مثلِ اربابِ عمایم چندین جا کرسیہای
چوبین از قبیلِ منابر، نصب کردہ مناسب ہر ماہ و ہر روز مثلاً در رمضان المبارک فضایلِ صوم و در
ذی حجۃ الحرام مناسکِ حج و عمرہ، و در ماہِ محرم مقدماتِ روضۃ الشہداء، بہ ادا ہای فصیح تقریر کردہ ذہن نشینِ
عوام می کنند و این جماعہ را بہ رقّت می آرند، و مبلغے معتدبہ باین تقریب تحصیل می نمایند۔ روستا مزاجان بہ
شغفِ تمام میل باین مجامع دارند و خام طلبان بہ ذوقِ مالاکلام بہ گردش حلقہ می بندند و اکثر تا نادو پاسِ
شب این وعظ و تذکیر می کشد۔

اہلِ تنجیم و رمّالِ ابلہ فریب ہم معطل نیستند۔ قرعۂ معرکہ جداگانہ انداختہ، از روی پردۂ سرائرِ مخفیات
در ضمایرِ مغیبات بر می دارند۔ مردم از اقبال و ادبارِ خود مستفسر می شوند، و بہ مواعیدش دلخوش گردیدہ بقدرِ
استعداد می گذرانند۔ حکمت پیشگانِ عذر انگیز چندین جا در فضای چوک آبپاشی کردہ و فروشِ ملوّن گستردہ،
اصنافِ دوارا در خریطہ ہای رنگین کہ در حقیقت خاکِ راہ باشد، بر روی کارگاہِ دوکان چیدہ جوز ہای
محتشم وار لباس و چیز ہای مقطع سرپیچی می نشینند و خواصِ ادویہ و منافعِ آن را بہ تقریرِ رنگین و
ادای دلنشین بہ وجہے بیان می کنند کہ سفہا بر یکدیگر سبقت کردہ خاکِ دوکانش نمی گذارند۔ سفوف،
ایارج و شراب و معاجین، و اقراص و حبوب و ضماد ہمہ موجود۔ طالب از ہر جنس کہ استدعا نماید مطلبش
حاصل است، خصوص جائیکہ ذکرِ معاجین معالجۂ جلق و استحکامِ عضوِ تناسل و امساک و مداوای آتشک
و خیارک و سوزاک کہ مذکور می شود، ہنگامۂ عجبے است۔ انفار و پوّاج جان گرو، و جامہ گرو کردہ ضماد و
اطلیہ را خرید می کنند۔ استاد بہ زرد خوش ادای تقریر مبلغے گرفتہ بہ دستِ یکے نسخۂ اکسیر خرمی دہد و بہ دستِ دیگرے
اجزای قضیبُ الفیل، و این قرمساقہا بہ بہجتِ تمام راہِ خانۂ خود ہا می گیرند۔ از فلزاتِ کشتۂ گرما
گرم ہر چہ خواہش نمایند، چندین جا آتش مشتعل است و دودِ این فلزات بسوی فلک

متصاعد۔ سرطان و سانڈہ کہ در لیپ باجزوِ اعظم است، چندین جا بہ رشتہ ہا بستہ بہ خواہشمندان عرض می کنند۔ نقالان و باد فروشان مکانہای معین و سمتہای مخصوص دارند و بوقت حاضر شدہ تمتع می گیرند۔ از امارد و نو خطان اطراف و اکناف مملو۔ نگاہ ہمین کہ بلند شود مہرہ کشِ صفحۂ رویست و دست ہر گاہ کہ دراز گردد، دست در گردن گیسو ے۔

اسلحہ فروشان از ہر قسم سلاح، از نیام عَلَم کردہ، جوہر احتیاج کامل می کنند تا خریدارش کہ باشد؟ واقمشہ داران اجناسِ رنگین بر دست گرفتہ صفحۂ ہوا را بہ آئین شفقی می بندند تا چشمِ مشتری مایل کدام رنگ گردد۔ تنعمات و تنقلات را در زیر بغل یک دیگری فروشند۔ دست دراز کردن، لقمہ حوالۂ دہن کردن است۔ میوہ و فواکہِ ولایتی و ہندی دوش بدوش قسمت می کنند، پہلو گردانیدن، ذائقہ را بہ کام رسانیدن۔ گذرِ وُحوش وطُیُور، طایرِ حواس را بہ وحشت آباد پرواز می دہد۔ افراطِ باز و جرہ و کبوتر و بلبل و سایر طُیُور قسمے است کہ تشخیصِ آنہا پیشِ ادراک عاجز است، مگر کسیکہ منطق الطیر خواندہ باشد و بہ خدمتِ سلیمانؑ و آصف صحبت داشتہ۔ چندین دشت و بیابان ویران کردہ ہر روز اقسامِ جانور می آرند۔ مشتاقانِ وحش وطیر، بتخصیص جوانانِ نوخیز وامارد شور انگیز، اکثرے در آنجا بہ صید می آیند وصیادانِ تجربہ کار در آن مرغزار کمین می کنند۔ قفسہای رنگین ومصنوع خوشنما تر از قفسِ عنصری و پنجرۂ بشری، بر خواہشمندان عرض می کنند۔ الحاصل سایرِ ما یحتاجِ انسانی و تمتعاتِ نفسانی در آن مجمع آمادہ و مہیا است واز آنجا کہ پیشگاہِ قلعہ و عبور و مرورِ امرا و عمدہ ہا است، ہمہ روز محشرے برپا۔

چاندنی چوک

از ہمہ چوکہا رنگین است و از ہمہ گذر ہا سراپا تزئین۔ سیرگاہِ موزونان است و تماشا کدۂ نزہت طلبان۔ اقمشۂ عمدہ از ہر باب در راستہ ہا یش آمادہ و ابوابِ امتعہ از ہر جنس بر روی مشتری ہا کشادہ۔ نوادرِ روزگار از ہر گوشہ اش گرم چشمک زدن و نفایسِ اعصار از ہر کنجش در صدد دل بردن۔ راستہ اش چون پیشانیِ نیک بختان و وسعتِ آغوشِ رحمت کشادہ و نہرش چون ماء المعینِ بہشت از آبِ زلال آمادہ۔ در ضمنِ ہر دو کانے لعل و گوہر بدخشان بدخشان و در روی دستِ ہر کارگاہے سلکِ لآلی و مروارید نیسان نیسان۔ یک طرف راستہ اش جوہریان بہ استغنای

تمام و تعیینِ مالا کلام، تکیه به زبانِ دلالان، ترغیبِ مشتری می کنند و یک سمت تجار از اقمشه و سایرِ مایحتاج در فضای دکاکین چیده، به فریادِ تمام به خریدار تحریص می نمایند که گوشِ شنودن این گفتگوی می کنیم روایحِ عطریات و طیوبِ اقسام بی فضولیِ گفتگوی عطار و زمزمهٔ دلالان و وسایط پیشگان به مشامِ اربابِ خواهش پیام رسان، موجِ شوخیِ لطایفِ هر جنس بی تمهید بایع آرزوها را سلسله جنبان. به ملاحظهٔ شمشیرها که به شکلِ ابروی خمدارِ بتان نگاهِ تماشا منحرف می خورد، دست به قبضه غافل زدن برهانِ قاطعِ مصلحت و به مشاهدهٔ اقسامِ کتارها که به اسلوبِ زبانِ مار، جویای حریف است نگه دزدیدن عینکِ مشورت. کارخانهٔ چینی از اقسام و انواع به وفوریکه به ملاحظه اش شیشه خانهٔ حوصله بر سنگِ حیرت می خورد. حقه های شیشهٔ مختلف الاشکال ملون و مطلا با آئینِ مرغوب بر سرِ دکاکین چیده اند که چشمِ فلکِ حقه باز شاید نظیر آن ندیده باشد، و گلابی و پیاله های مطبوع و رنگین به اسلوبی در پیشگاهِ دکانها گذاشته اند که اگر زاهدِ صد ساله باشد بمجردِ معاینه اش هوسِ صهبا بهم رساند. اقمشه و وش بدوش و دست بدست که در حقیقت نسبت از دکاکین حکمِ ابتذال دارد و با این خوبی و لطافت که شاید در کارخانهٔ امراء بهم نرسد، و قطعِ نظر از این، در فضایِ شام جلوهٔ رنگارنگِ این الوانِ متعذر الانحصار شفق را در خون می نشاند و کیفیتی محسوسِ باصره می گردد که شاید از سیرِ چمن بهم نرسد.

در قهوه خانه ها که در عینِ فضای چوک واقع اند، مستعدانِ سخن سنج هر روز فراهم آمده، دادِ سخن و بذله سنجی می دهند. امرای عالیشان باوجودِ علوِ مرتبت سرے به تماشای این چوک می کشند. از بس که اشیای غریبه و نوادرِ نفیسه هر روز در ینجا به نظر می رسد. اگر فی المثل بضاعتِ قارونی باشد شاید که وفا نکند.

امیرزادهٔ نوجوانے هوسِ سیرِ این چوک بخاطر داشت. مادرش بعد تمهیدِ معذرت و بے استعدادی لک روپیه از متروکاتِ پدرش حواله نمود که هر چند ازین مبلغ نفایس و نوادرِ این چوک تحصیل نمی توان کرد لیکن چون طبیعتِ عزیز القدر مصروفِ این معنی است وجه محقرے را صرفِ ضروریاتِ پسندِ خاطر باید نمود.

ذکر حافظ شاه سعد الله

علوِ درجاتِ جلالت و سموِ مناقبِ ایشان از اندازهٔ تحریر و ترقیم بیرون است و شرحِ

کمالاتِ وبیانِ مرتبت ایشان از احاطۂ گزارش افزون۔ خلایق در اعترافِ مدارجِ ولایتش متفق اند و برخے بمرتبۂ قطبیتِ ایشان مُقِر۔ در معاوضۂ بعضِ ظاہر، عدالت پیشگانِ قضا بصیرت کرامت فرمودہ اند و در سیمای ہدایت انتمایش انوارِ ارشاد تعبیہ کردہ۔ اکثرے طالبانِ سلوک بہ مسکنِ معنویت موطنِ شان رفتہ اکتسابِ کمال می نمایند و بہ تصفیہ و تزکیۂ نفس مشغول اند۔ مدارِ صحبتِ ایشان مبنی بر سکوت است۔ خیلے مراقب می باشند و بہ سلسلۂ عالیۂ نقشبندیہ ربطے دارند، لہذا بہ سماع میلے نیست۔ حق تعالیٰ ہمگنان را تبرکاتِ صحبتِ فیض منقبتِ ایشان نصیب گرداند۔

ذکر شاہ غلام محمد داول پورہ

دور باشِ شکوۂ فقرِ ایشان صولتِ اغنیا را بہ رعشہ می آرد و کلماتِ عظمت سمایش دولتمندان را در لرزہ می افگند۔ ثباتِ قدمش باوجودِ کثرتِ توابع در دایرۂ توکل مستقیم و استقلالِ ضعفش باوصفِ افراطِ فقر و فاقہ ہمان در ناز و نعیم۔ جمعے از فقرا و صلحا و جوقے از محتاج و ضعفا ہموارہ در حوالیِ نعمت متوالیِ ایشان بسر می برند و از صبح تا شام حاضر می باشند و از موایدِ فتوح، زلۂ خاطر خواہے برمی دارند۔ بمقتضای عدالت و نصفت علی السویہ تقسیم می فرمایند و احد الناس را محروم نمی گذارند۔

بعد یک پاسِ شب کھچری پختہ می شود و بہ اتفاق ہمگنان تناول می فرمایند و بہ خدمۂ اندرون ہم موافقِ قسمت حصہ می رسد۔

قوالان کہ بفیض المرامِ مجاورتِ آستانِ گرامیش تمتع پذیرِ فیوضات اند و شریکِ غالبِ فتوحات، چون سایہ از شخص جدا نیستند و ہمہ روز ہنگامۂ وجد و حال گرم می دارند۔ مکانِ شگفتگی عنوانش خالی از کیفیتے نیست۔ با وضیع و شریف و اغنیا و غربا یکسان سلوک است۔ از سرکارِ بادشاہی و امرا التماسِ یومیہ بسرحدِ مبالغہ رسید لیکن مسموع نگردید۔ از بزرگانِ زمانہ اند و در فتوت و جوانمردی یگانہ۔

شاہ محمد امیر

از مشائخِ نقشبندیہ اند و متوطنِ شہر اند۔ حیثیتِ کمالات و شرحِ حالاتِ بابرکاتش مستغنی البیان

است و خامه در تحریرِ اوصافِ ولایت اتصافش حیران۔ اوقاتِ میمنت سمات مصروفِ کسب و کمال، و مزاجِ ہدایت امتزاجش مُستغرق و مُستہلکِ وجد و حال۔ غیر از وقتِ قیلولہ چشمِ معنی بینش از خواب آشنا نیست و التزامِ صومِ دہر و قیامِ لیل از مبادیِ صبح ممیز است و اوقاتِ روز و شب منقسم است بچندین قسم، برخے بہ طاعات و عبادات و بعضے اذکار و اشغال و از مشاہد مراقبات تعطیلے در امورِ معہودہ ملحوظۂ احدے نگردیدہ۔

بعدِ یک پاسِ شب بدرونِ محل تشریف بُردہ بہ تلقین و تعلیم پسرانِ ارادت بُنیان مشغول می شوند و قدرے موافقِ سنتِ نبوی استراحت کردہ، باز بہ تہیۂ نمازِ تہجد تشریف می آرند و تا یک پاسِ روز بہ سکوت می گذرانند۔ اوقاتِ شریفش خیلے معمور است و جبہۂ مبارکش لبریزِ تجلّی و نور۔

جنابش مرجعِ اہلِ توران است و آستانش مقصد و مطافِ کشمیریان۔ اعتمادالدولہ وغیرہ عمدہ ہای ہمراہش خود را در حلقۂ ارادت محسوب می کنند۔ حضرت نواب صاحب ما ہم بارہا اکتسابِ فیوضاتِ صحبتِ کثیرالبرکت کردہ اند، نذورِ معتدبہ گذرانیدہ۔ درین ایام طایرِ روح پُرفتوحش بہ سیرِ عالمِ علوی پرواز کردہ۔ پسرانش سجادہ نشین اند۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْ۔ (یا اللہ اُن کی مغفرت فرما اور اُن پر رحم کر)۔

شاہ پانصدمنی

از مردمِ توران است، و بہ عِظمِ جُثّہ و شکوہِ جُبّہ درویشِ عظیم الشان از فقرای مغلیہ جمعے با خود ہمراہ دارد و از اُمرای تورانیہ مبلغہای خطیر برای دیگجوش می گیرد۔ شہرتِ خرسواریش بسرحدِ تشہیر رسیدہ است و از فرطِ خواہش ہمین سواری را پسندیدہ۔ ہر شبے در خانہ ای مہمان است و ہر روز در مجمعی خرامان۔

درویشِ صلوات خوانے از ہمراہیانش مشہور بہ بزرگی عمامہ است و بطرزِ عجبے می بندد۔ نظر بہ غرابتِ دستارش اندرون محل می برند و این معنی را وسیلۂ تفریح می دانند۔ محتمل کہ دروزن بہ ہیبت آثار برسد۔ سبکساری گردنش موقوف بہ درازکشیدن است۔ خدا کند کہ نصیب نشود۔

ذکر میر سیّد محمّد

جلالتِ نسب وحسب از چہرہ نمایان، پیشانیش چون شعشعہ آفتاب تابان است وعظمت و شکوہِ فقر وعرفانش بہ ذروۂ عیوق و کیوان۔ صولتِ وضعش کہ مشتق از مادۂ شجاعت است زہرۂ زایران را بہ گداز می دہد وصدمۂ گفتگویش کہ مستنبط از مہابت است، جگرِ مخاطبین را خون می کند۔ جلال وجبروتش از ہیئتِ جلسۂ شریفش پیدا است وکمالِ فقر وفنایش از در و دیوارِ تجلی آثار ہویدا۔ در استقامتِ وضع عدیم البدل ودر اعلانِ کلمۃ الحق با سلاطین وامرا ضرب المثل۔ از زمانِ خُلد مکان ترکِ منصب کردہ بہ نزہت آبادِ گوشۂ فقر کوسِ شاہی می زند وبہ استغنای تمام وتعینِ مالا کلام اوقاتِ بابرکات بسر می برد۔ درین بین از سلاطین وامرای کبار اقسامِ تضرع وابتہال در مادۂ قبول سیورغال بعمل آمد لیکن بے نیازیہای منصبِ فقر بہ گوشۂ چشم ملتفت نگردیدہ واز قبولِ فتوح ونذور ہم ہمین عالم است مگر از غریبے۔

پسران وخویشانش در سلکِ اربابِ مناصب انتظام دارند وآرزو می کنند کہ بہ فرمایش او آبروی دارین حاصل کنند لیکن میسر نیست۔ محاورۂ شریفش خیلی رنگین است وگفتگویش نہایت شیرین۔ ادای کلامش مبنی بر لطایف، وسریش خوبیِ احوالِ طایفین ناشی از ظرایف۔ بہ اعترافِ کمالاتش جمہورِ سکنۂ دہلی متفق اللفظ والمعنی است وزبانِ خاص وعام بہ محامداتِ معنوی آمالش ناطق وگویا۔ واین شعرِ مولوی نظامی مصداقِ حالِ کرامت اشتمال است :

تا بہ عہدِ جوانی از برِ تو — بہ درِ کس نرفتم از درِ تو
ہمہ را بر درم فرستادی — من نمی خواستم، تو می دادی

فقیر بارہا کسبِ سعادت کردہ ودریوزۂ ہمت والتفات نمودہ۔ بیت :

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند

بندگانِ نواب صاحب یک مرتبہ احرامِ ملازمت بستہ بودند، بہ سببِ بے توجہی وبے اعتنائی و تاکیدِ کلماتِ نصایح بحظ گردیدہ مراجعت فرمودند۔

ذکر مجنون نانک شاہی

که در ضعف و نحافت، مصداقِ نامِ خود است و به خوش وضعیِ فقر شہرۂ خاص و عام۔ از جبہہ اش استدراج لائح است، و از فحوای کلماتش علاماتِ برکات فائح۔ تکیۂ دلنشینے در نہایتِ تقطیع و تزئین بر کنارِ دریا دارد، و وقتِ معینے از خلوتگاہ برآمدہ ملاقات طلبان را بار می دہد۔ اکثرے از ہنود و مسلمین به داعیۂ دیدنش سرے بآن تفرج گاہ می کشند و در نہایتِ توقیر و تکریم با او ملاقی می شوند۔ در حینِ جلوس او به مرکزِ معین، پرستاران مورچالِ طاؤسی از دو طرف به پرواز می آرند و اقسامِ گلہا و انواعِ فواکه و اصنافِ شیرینی در محاذیش می چینند۔ به ہریکے ازین اقسام بقدرِ تقسیم می دہد و به تمکینے می نشیند که حاضران را قدرتِ نطق محسوس نمی شود، و خود ہم بے ضرورت به حرف آشنا نمی شود و از اندازِ جلسه اش مُبرہن می گردد که شغلِ باطنی دارد و بے تکلف در محفلش جمعیتے و سکوتے در امزجۂ مختلفۂ حاضرین یافته می شد و ہر کس رغبت به سکوت داشت مگر قوالان که لاینقطع مُجرا می کردند و به انعامِ مستوفی محتظ می گردیدند۔ ہنودِ متمولین بسیار خدمت می کنند و مبلغِ خطیر می گذرانند و به عقیدۂ خاسدِ خود نانکِ وقت می دانند۔

عملہ و فعلۂ آن مکان در نہایتِ رفاہ بنظر می آید۔ جمعِ کثیرے به امتنانش معیشتِ دلخواہ می کنند و غیر ازین از محتاجین ہر که سرِ وقتش وارد می شود بقدرِ قسمت کامیاب می گردد۔

چون مسکنش بر لبِ آب است و کشتیہا پائینش مستعد، ہر روز عجب ہجومے می شود و طرفه تفرجے دست می دہد۔ لیلی منشانِ میانه سوار، زیادہ از شمار، در آنجا می آیند و در سایۂ اشجار سواری گذاشته تفرج می کنند و تنہا به مجنون ملاقات می نمایند و مقاصدِ مستورہ گزارش نمودہ جہتِ حصولِ ضمایر استمداد می خواہند۔ زبانِ حالش باین بیت مترنم است:

شبے مجنون به لیلی گفت کای معشوقِ بی پروا
ترا عاشق شود پیدا ولی مجنون نخواہد شد

در برسات حوالی تکیه اش خیلے کیفیتے پیدا می کند و انتعاشِ عجیبے به نزہت طلبان دست می دہد و دہمِ محرم ہم به تقریبِ شستنِ اعلام حضرت امام حسین علیه السلام طرفه انبوہے می شود و سوادش

عجب شکوہے بہم می رساند۔ در صلح کل مکانش قابلِ گذاشتن نیست و خودش لایقِ صحبت داشتن است۔

قدوۂ اصفیای معارف آگاہ شاہ عزیز اللہ

قبرِ مبارکِ ایشان در دہلی کہنہ در مکانِ مرغوبے واقع است۔ ارادتمندان بہ مقتضای صفای عمارتِ مختصر رنگین ساختہ اند و بہ تعمیرِ احاطۂ آن پرداختہ۔ نسیمِ فضائیش از ہوایِ خلد باج می گیرد و روایحِ ریاحینِ خیابانش از حدیقۂ ارم خراج۔ عشرت گاہِ منزویان است و تماشاکدۂ خلوت طلبان۔ ہیچ وقتے نیست کہ از خلقائیش کسی مشغول نباشد۔ بہ مجرّدِ رسیدن، آن مکان بیخودی تمہیدی می کند و جلوۂ از خود رفتن بہ معاینۂ آہنگش می رساند و زمانِ حیاتِ ایشان عاصیی بود کہ کلاغش بآئینِ محصلانِ شدید فرصتِ نفس کشیدن نمی داد و ہر گاہ کہ سر بے مغزِ خود از کلبۂ احزان بر می آورد بہ صدماتِ منقار مجروح و مشبک می یافت۔ در تمامِ شہر و جمیعِ مزارات ملتجی گردید۔ شفاعتِ ہیچ کسے در استعفای جرایمش مفید نیفتاد۔ اکابرِ عصر بہ آستانۂ کرامت نشانہ اش سراغِ رستگاری دادند و بہ میامنِ توجہاتِ عالیہ مستظہر گردانیدند۔ بیچارہ را رجوع بہ خانقاہِ فلک اشتباہ کردن ہمان بود و بہ کام دل رسیدن ہمان۔ خوارقِ عجیبۂ ایشان از حد و حصر زیادہ است و تاحال اِستمداد و استعانت از قبرِ مبارکش باقی است، روزِ عرس سماعِ خاصے می شود و شیخ و شاب بہ عتبہ مواجدمی آیند۔ مطاف و مقصدِ ابرار۔

ذکر سلطان شمس الدین غازی

مرقدِ مبارکش در اطرافِ درگاہِ حضرت قطب الاقطاب درین غارے واقع است۔ ہر چندیکہ از سلاطین اند لیکن بہ صحبتِ اربابِ ذوق و مواجید باریاب گشتہ بہ مدارجِ قصوائے ولایت عروج کردہ اند، چنانچہ شرحِ کمالاتش از "ریاض الاولیا" کہ تذکرہ ایست، مبرہن می گردد۔ ہوائے چمن زار روضہ اش نمونہ ایست از روضۂ رضوان، و سوادِ سرزمینِ فیض آگینش انموذجِ خلد ایست شگفتگی عنوان۔ در موسمِ برسات از ہجومِ سبزہ و ریاحینِ خودرو، رشکِ گلشنِ کشمیر است و بہ اعتدالِ ہوا و کیفیتِ فضا دلچسپ و دلپذیر۔ زایران را در ضمنِ زیارتش نزہتِ خاصے دست می دہد و در اثنای طوافش کیفیتِ رنگینے بہ مشاہدہ پیوندد۔ نوّر اللہ مضجعہٗ۔ اللّٰہم ارزقنا و اغفرنا۔ (اللہ تعالیٰ اُن کی خواب گاہ،

کو منور کرے۔ اے اللہ ہم کو رزق دے اور ہماری بخشش فرما۔

ذکر مشایخ

مقدمۃ الجیش وجد و حال شاہ کمال

درعالمِ فقر خیلے رنگین و میرزا واقع شدہ اند، و در تقطیعِ لباس و خرقہ پوشی نظیر ندارند۔ ملبوسِ ایشان از پارچہ ہای نفیسِ باریک ساختہ می شود و در غذا ہم طرفہ تکلف و صفای بکار می رود و بہ اعتبارِ تناسبِ اعضا و تعادلِ قویٰ مطبوعِ طبایع خلایق اند و بہ وجد و حال و سماع زیادہ از حد شایق، و اصطلاحاتِ صوفیہ و استعاراتِ مشایخ بہ عباراتِ رنگین و اشاراتِ دلنشین ادا می کنند، و در مجامع و عرایس اکثرے حاضر می شوند۔ از حرکاتِ تواجدِ ایشان و سکنات ہای بے تکلفانۂ ایشان نظارگیان طُرفہ حظّے برمی دارند و از مناسب خوانیہای اشعارِ فارسی و ریختہ عجب تمتّعے می برند۔ از خواندنِ شعر حلاوتے بہ سامع می رسد و بی اختیار متلذذ می گردد و در فکرِ ریختہ مدلولِ اسمِ خود واقع شدہ اند۔ صحبتِ ایشان غنیمت است و مجلسِ ایشان بکیفیت۔

شاہ غلام محمد

متصلِ طویلۂ دارا شکوہ خانقاہِ ایشان است۔ ہر سہ شنبہ مجلسِ سماع منعقد می شود و قوالانِ جمیعِ شہر و دیگر اربابِ ذوق بوقتِ مقررے حاضر می شوند و مستفید می گردند۔ آثارِ کمالاتِ روحانی از ناصیۂ مبارک لایح است، و علامات و ملکاتِ فضایلِ نفسانی از کلامِ بہارانتما بش فایح۔ بیشتر اوقات بہ سکوت می گذرد و اکثری مراقب می باشند۔ چون ذوقِ مفرطی بہ سماع دارند در خانۂ تاج خاں قوال کہ پنجم ہر ماہ مجلسے ترتیب می یابد و نامبردہ عقیدتِ خاصے دارد، مقدمش رونق افزا می شود۔ بہ اربابِ اعتقاد کہ جہتِ زیارت بخدمتش می روند طرفہ عنایت می فرمایند و بہ کلماتِ رنگینِ دلچسپ محظوظ می گردانند۔ ملازمتش بہ طالبان اہم است و صحبتش بہ مسترشدان مغتنم۔

ذکر شاہ رحمت اللہ

قدوۂ مشایخِ شہر اند و بہ وفورِ اشتہار در ہمہ عالم علَم۔ عمدہ ہا بمقتضای صفای عقیدت بیشتر بخدمتِ ایشان مربوط اند و سایر الناس بہ تقریبِ ارادت در سلسلۂ علیہ اش منوط۔ حلقۂ ذکر ہمیشہ معمور است و سماع در محفلِ کرامت منزلش دستور۔ چہار قبیلہ دارند و ہر روز بنوبت در ہر جا بیتوتہ می فرمایند۔ باوجودِ کبرِ سن قوتہای جوانانہ از اوضاعِ گرامیش محسوس می گردد و ہر چند کہ لبریزِ کیفیتِ معنوی واقع شدہ اند لیکن بہ تجرعِ دوام، میلِ خاطرش بہ میفروش می شود۔ غالباً بنا بر مصلحت باشد و ظاہراً برای حکمتے۔ در تسطیرِ سفارشِ اربابِ احتیاج، قلمِ فیض رقمش بی اختیار است و در تحریکِ سلسلۂ صدارت، انامل وجد شواملش در کار۔ وجودِ کرامت آمودش واجب التعظیم، و قدومِ میمنت لزومش لازم التکریم۔

اعظم خاں پسر فدوی خاں

برادر زادۂ خانجہاں بہادر عالمگیری۔ از امرای عظیم الشان است و بمقتضای رنگینیِ مزاج و مہارتِ راگ ممدوحِ مطربانِ ہندوستان۔ طبیعتش امارد پسند است و مزاجش بہ محبتِ سادہ رویان در بند۔ مداخلِ جاگیراتش صرفِ اخراجاتِ این فرقہ است و ماحصلِ روزگارش خرجِ یا اندازِ مقدمِ این طبقہ۔ ہر جا از امردِ رنگینے خبر می یابد برعایتِ دلخواہ در کمندِ رفاقتِ خود می اندازد و ہر طرف از سادہ روئے پیامش می رسد، بہ دامِ احسانش می کشد۔ جمعے ازین گروہ بحسنِ سعیش بہ منصبِ مناسب امتیاز یافتہ انیسِ بساط اند و برخے بہ مراعاتِ خانگیش اکتفا کردہ رنگ افروزِ محفلِ نشاط۔ در سواری بہ شانِ تمام و تجمّل مالا کلام براسپانِ بادپا سوار می شوند۔ غرض ہر جا سبزۂ رنگینے بہ نظر می آید منسوب بہ اعظم خان است و ہر کجا نوخطے جلوہ می کند از وابستہ ہای آن عظیم الشان۔ بہ پرتوِ خالِ این گلرخان، صبحِ پیری را خضاب می کند و بہ واہمۂ کم فرصتیہای زمان، فرصتِ حیات در استجلابِ حظوظِ نفسانی شتاب۔

میرزا منوکہ از امیرزادہ ہای زمانہ است و درین فن سحر کار یگانہ، اکثرے از امرا و زادہ ہا احکامِ ضروریِ این علم از و یاد می گیرند و بہ شاگردیش فخر می کنند۔ شیرازۂ این محفل است و باعثِ

انتظام[1] این بزمِ غلمان مشاکل. خانه اش بهشتِ شدّاد است و کاشانه اش آشیانِ مجمعِ پریزاد. هر نوخطِ رنگین که با این محفل ربط ندارد فردِ باطل است و هر سبزِ ملیحے که با این مجمع مربوط نیست از حلیهٔ اعتبار عاطل. مجلسش دارالعیارِ شاهدان است، و بزمش محکِ امتحانِ گلرخان. نقد قراضهٔ حسن تا بدارالضرب بزمش رجوع نکند کامل عیار نیست، چه شد که مثلِ طلای دست افشار است و سیم جمال نادر کوزهٔ مجمعش گداز نیابد چاندی نیست، چه شد اگر نقره خالص است. رباعی[2]:

یاران[3] به قمارخانه رندے چندند
با مردمِ کم عیار کم پیوندند
رندے چندند[4] و کس نداند چندند
بر نسیه و[5] نقدِ هر دو عالم خندند

ذکرِ لطیف خان

لطفِ معاشرتش دستورالعملِ عشرت طرازان است، و ضابطه های بزمش معمولِ معاشران. از امرا زاده ها است. همتش مصروفِ بزم آرائی است و جهدش مبذولِ نغمه سرائی. مهارتِ راگ بمرتبه ایکه[6] نعمت خان اکثر به خانه اش می آید و طرزِ نغمه را مستحسن می دارد و مزهٔ خواندنش بدرجه ایکه عمده ها تلاشِ بار یابیِ محفلش دارند و محظوظ می شوند. عطائی بے نظیر است و معاشرِ رنگین تقریر. علی الدوام یکه[7] رنگِ خم[8]، سرشارِ نشهٔ سیه مستی است و بسانِ ساغر در خدمتِ مینا لاینقطع سرگرمِ صهبا پرستی، اشعارِ رنگین در ضمنِ صحبتها می خواند. نقلهای شیرین را دراحیانِ نزهتِ بزم، نُقلِ مجلس می گرداند. دلجوئیهای یاران بمرتبه ایست که هر که یک مرتبه به صحبتش رسید خود را آشنایِ دیرین خیال کرد. و رعایتِ خاطرِ احباب بمثابه ایکه هر که یک دفعه مربوط گردید تا مدت العمر حقِ التفاتِ او بذمه اش ماند. تواضعش با همه کس برنگِ تواضعِ مینا به جام. شیرین[9] خوئیش با همه طبایع گیرا، نشه به مشام. حقه های با تکلف با ظروفِ تجرّع بیشِ هر کدام علیحده می گذارند و گلابیهای با سامانِ تنقل بی شایبهٔ مشارکت بمحاذی هر یکے جداگانه می چینند. یارانِ نغمه سنج بنوبت دادِ خوش ادائی می دهند و حریفانِ خوش نوا بمراتب ترنم سرائی می کنند و درین ضمن لطیفه هم درمیان می آید و بذله و بدیهه نیز چهره می کشاید.

از دو گھڑی روز تا یکپاس شب اجتماعِ این محفل است. ہمینکہ وقتِ معہود رسید مشار الیہ ملتفتِ استراحت است و تفرقہ در آن جماعت. بیشتر نور بائی و دیگر طوایف و خوانندہ ہا و نوازندہ ہا و رقاص شیرازۂ مجلسش بودند، الحال کہ بضاعتہا صرفِ پا اندازِ شاہی گردیدہ آن ہمہ ہجوم نیست لیکن مردمِ مخصوص جمع می شوند و یکپاس شب ہمیشہ بہ تعیش می گذرانند. این شعر اکثر بہ زبانش می گذرد، بآئینِ یادگارے قلمی گردید. فرد:

در حریمِ بزمِ مستان دورِ صبح و شام نیست
گردشِ جام است اینجا، گردشِ ایام نیست

ذکر کیفیت بسنت

در ہر ماہیکہ بسنت واقع شود، غرۂ آن ماہ در قدمگاہِ جنابِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم طرفہ مجمعے می شود و عجب ہنگامہ. از صبحِ آن روز جمیع سکنۂ شہر بہ تقطیع و تزئین پرداختہ، در راستہ ہای آن بہارستانِ فیض بہ رنگینی خیابان دو طرفہ فروشِ ملون گستردہ و بہ آرایشِ اماکن جلوہ گرمی شوند و در حوالی و صحنِ آن سعادتکدہ بر یکدیگر سبقت جستہ بساطِ تفرج و انبساط می گسترند و چشم براہِ قوالان و مجرائیان و زایران می باشند و انتظار می کشند کہ درین صحن قوالان و نغمہ سرایان بہ تجملِ تمام و تزئینِ مالا کلام انسامِ گلدستہ ہا ترتیب دادہ و ریاحینِ متنوعہ را در کوزہ ہا گذاشتہ، جہتِ نیازِ روحِ مقدس سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات، بہ کمالِ خضوع و خشوع، در ہر قدم زمزمہ سنجان و در ہر خطوتین ترانہ طرازان، بہ تأنی ہر چہ تمامتر رہنوَرد می شوند و ہمراہِ این جماعت زایرین شیشہ ہای رنگینِ گلاب و عرقِ بید مشک و عرقِ بہار و دیگر عطریات لبریز ساختہ تحفۂ روی دست می گردانند و بر سر و روی متوجہانِ آن کعبۂ تحقیق گلابپاشی بعمل می آرند. جلوۂ شیشہ ہای چینی نژاد در دستِ پری پیکرانِ نازنین شیشہ خانۂ حوصلۂ تماشائیان را بہ سنگ می زند و عقلِ مصلحت بین را فرسنگ بفرسنگ می برد۔

گردِ راہِ آن راستہ ہا از کثرتِ طیوب عبیر خیز است، و ہوای در و دیوارِ آن مکانِ فایض الانوار از وفورِ روایح عطر انگیز. جنون بے اختیاری بملاحظۂ این حالت مستعدِ نالہ و فریاد است و اضطرابِ طبیعت بمشاہدہ این جلوہ گران ہم پلۂ گردباد. مطربانِ رنگین و نوخیز بہ جلوہ ہای عجیب و ادا ہای غریب در فضای آن شفاعت گاہ، صفہای جداگانہ بستہ باساز و نوا۔

مراسم مجرا بہ تقدیم می رسانند و قوالانِ معمر طرفِ دیگر شیرازہ بندِ مجموعۂ نیاز گردیدہ جبہۂ خضوع بہ خاکِ آن آستان می سایند. اربابِ طرب از ہر قسم و در ہر گوشہ و کنار بہ اظہارِ صناعت کہ در حقیقت طاعت می دانند، بے تاکیدِ احدے مشغولِ رقص و سرود اند و زوّارِ ثقاوت دِثار[1] لاینقطع در ایصالِ[2] اتحاف و ہدایایِ درودِ نامعدود. از طلوعِ صبح تا نمازِ عصر، نواسنجان بہ نوبت مساعیِ حمیدہ در تقدیم مجرا بکار بردہ بہ خانہ مُعاودت می نمایند و گلہای قبول و تمنّا بہ دامنِ آرزو می برند.

روزِ دویم بہمین ضابطہ نغمہ طرازان با ساز و نوا بہ زیارتِ حضرتِ قطب الاقطاب می روند و[3] وظائفِ بندگی مودّی[4] ساختہ، در حینِ مراجعت بہ طوافِ حضرت چراغ دہلی شمعِ اُمید روشن می کنند و روزِ سیوم بجنابِ حضرت سلطان المشائخ کہ بہ سببِ قربِ شہر مرجعِ جمہورِ خلایق است و بہ سببِ فرطِ عقیدت، طوائفِ انام خیلے بہ طوافش تسابق، مجلس خاصے منعقد می گردد و بوجہِ احسن بزمِ سماع ترتیب می یابد. صوفیہ در وجد و حال گوی مسابقت از اقران و امثال می رُبایند و مشائخ و فقرا تمتّعِ خاطر خواہ حاصل می نمایند.

تاریخِ چہارم نظر برآنکہ مرقدِ حضرت شاہ حسن رسول نما در عینِ شہر واقع است و طوائفِ اربابِ نغمات را بآن رجوعِ تمام است، طرفہ مجمعے می شود از کثرتِ اشخاص عبور و مرورِ زایران متعذر می گردد و حوالیِ آن مکانِ فیض آگین بہ سببِ ہجومِ اہلِ غنا و کثرتِ نقالان، باآنہمہ وسعتے کہ دارد، تنگتر از دیدۂ مور می نماید و روزِ پنجم سوادِ پیشگاہِ فلک اشتباہِ حضرت شاہ ترکمان بہ سببِ انعقادِ اربابِ نشاط و حال و اجتماعِ اصحابِ حسن و جمال رشکِ انجم و پروین و محسودِ فضای خلدِ برین می گردد. چون اکثری قوالانِ عمدہ در جوارِ آن کرامت آثار ساکن اند، بہ ادای حقوقِ جوار، بیشتر از جاہای دیگر نازکی و رنگینیہا بعرض می آرند و سامعان را ممنون می گردانند.

روزِ ششم بطریقِ معہود بہ خانۂ پادشاہ و اُمرا رجوع نمودہ بہ استجلابِ منافع و حطامِ دنیوی مشغول می شوند و شبِ ہفتمِ این ماہ، اربابِ رقص بہیئتِ مجموعی بر قبرِ عزیزے کہ در احدی پورہ مدفون است، حاضر گشتہ قبرش را بہ شرابِ ناب می شویند و ہمہ شب بے اہتمامِ مقتضے مرتبہ بمرتبہ بہ رقص و سرود پرداختہ، اصدارِ این حرکات را ذریعۂ ترویجِ روحش می دانند، قوالان ہم جستہ جستہ فراہم می آیند. مجلسِ رنگینے می شود. مردمِ حسین در آنجا وارد می شوند. طرفہ طرفہ خلوتے دست بہم می دہد و عجب

صحبتے میسر می آید. غرض باین تقریب تا شش روز تماشائیانِ عشرت پرست ونظارگیانِ سبک سیرِ چابک دست، دادِ انبساط می دہند وذخیرۂ احتظاط برای یک سال در یک ہفتہ می اندوزند. خوشا حالِ ایشان.

ذکر یازدہم میرن

نامبردہ ہرچندیکہ بہ وفورِ انکسار ووسعتِ اخلاق وکثرتِ تواضع ورعایتِ مہمانداریہا وترتیبِ بزم آرائیہا محسودِ اقرانِ خود است لیکن بعلاقۂ داروغگیِ اربابِ رقص ونشاط وتقریبِ مرجعیتِ اہلِ طرب فی الجملہ مطعون است. چون وزیر الممالک بہ تجرّع میلے دارند وبا اہلِ حسن وجمال واصحابِ غنج ودلال ربطے، از آنجاکہ توجہِ خاطرِ این عزیز بہ تقدیمِ حسنِ خدمات معزز ومحترم است ودر تلاشِ مردمِ حسین طرفہ دستے دارد وہر روز پری پیکرے تازہ بہ افسون تسخیر می کند، از دیگر مصاحبانش مکرم. خانہ اش از ہجومِ جلوۂ گلرخان گلشن آباد است وکاشانہ اش از ورودِ مہ جبینان آشیانۂ پریزاد. ہرجاکہ گل رخساریست مایلِ صحبتِ اوست، وہر کس کہ نشۂ حسنے دارد شیفتۂ بزم سراپا کیفیتِ او. امارد رنگین از کلاونت بچہ ہا وغیرہ درحلقۂ بزمش خیل درخیل، ونوخطانِ دلچسپ از ہنود ومسلمین در دائرۂ مجلسش جوق جوق.

چون ہر ماہے یازدہم می کند اربابِ رقص، بے اینکہ تکلیف نماید، از صبح در محفلِ او حاضر گردیدہ ومنّت بر دل ودیدہ گذاشتہ، بہ رقص وسرود اشتغال می نمایند وہمین قسم قوالان ونقالان بے شائبۂ توقع بہ ادای مجرا می پردازند. چون خیمہ ہای متعدّد ایستادہ می کنند وفرشِ رنگین گستردہ می شود، وبرای اہلِ شہر صلای عام است، مردم خوب خوب وچیدہ چیدہ در آن مجمع مجتمع می شوند وآن ہمہ ہجومِ اہلِ حسن می شود کہ نگاہ از کثرتِ اشخاصِ حسین وافراطِ مردمِ دلنشین دست وپا گم می کند وچون نادیدگان خود را بہ عیبِ گرسنہ چشمی می نماید. اسبابِ طرب برای ہر کس مفت است وسوادِ تماشا جہتِ ہر کدام رایگان. اگر مبلغِ خطیرے درخانہ بخرج آرند این صحبت وتماشا امکان ندارد واین کیفیت میسر نمی آید.

ہمہ شب از وفورِ شمع وچراغ مجمعش نورٌ علیٰ نور است وفضائیش ہمہ وادیِ طور. در صحنِ آن

بزمگاهِ تجلّی دتسنگاه، اربابِ حرفه اقسامِ دکاکین از اطعمه و اشربۂ مرغوب و تنقلاتِ دلچسپ چیده ماکولاتِ ضروری به نظارگیان عرض می کنند. چون محفل از استطاعت درستی و توسعۂ خاطر خواهی دارد در تقدیم مراسمِ مهمانداری قصور نمی کنند. و مردمِ ممتاز و مخصوص را در اماکن متعدّده که هر یکے بر نگینیِ فرش و خوش هوائی رشکِ دیگریست، تکلیف نموده به طعام و فواکه و روایح تواضع می نمایند و نشه سنجان را بجهت تردماغیِ صحبت و ترطیبِ مشام به صهبا کشی هم مختار می گردانند، و عطریات بو فور پیشِ هر کسے می گذرانند غرض در مهمانداری بے بدل است و در بزم آرائی ضرب المثل. خانه اش همچو خانۂ امراء جلوه گاهِ پری رخانِ جهان.

ذکرِ دوازدهم ربیع الاوّل

درسرایِ اعراب که از قلعۂ پادشاهی بمسافت سه کروه واقع شده و بسببِ توطنِ اهلِ عرب که همه مؤظفِ پادشاهی اند، آب و رنگِ دیگر یافته، در ماهِ ربیع الاوّل خصوص دوازدهم، طرفه مجمعے می شود و عجب کیفیتے دست می دهد. قریب دو هزار کس از اعراب در مسجدیکه در وسطِ آن سرا واقع شده و حوضِ وسیعے و فضایِ دلکشائے دارد و تاسیسِ مکرّم خان مرحوم است، مجتمع گردیده، تمام شب زمزمه سنجِ مولود می شوند و قصایدِ عربی که در نعتِ آنحضرت صلی اللہ علیه وسلّم شعرای عرب موزون کرده اند، با آهنگهای حزین و نشیدهای دلنشین می خوانند و محققینِ صوفیه را بمصداقِ این شعر:

کسانیکه یزدان پرستی کنند
به آوازِ دولاب مستی کنند

به وجد و حال می آرند. از هر طرف زمزمۂ صلوات و از هر سمت صدای تسبیح و تهلیل، به مسامع می رسد. تمام شب باین هیئت احیا می کنند و همینکه آثارِ صبح ظاهر شد به ختمِ قرآنِ مجید و فرقانِ حمید مشغول می شوند. چون همگی حفّاظ اند و از قواعدِ تجوید آشنا، سامعه را طرفه احتظاظے بهم می رسد و عجب نمازِ سراپا حضوری میسر می آید.

اهلِ شهر خصوصاً صلحا و اتقیا بمقتضای مناسبتِ نظری باین صومعه رسیده به اکتسابِ مثوباتِ اُخروی و احرازِ مقاصدِ معنوی کامیاب مدّعا می شوند و استیفای لذتِ ذایقه هم می کنند چون اهلِ عرب

در تعظیم و تکریم مہمان ضرب المثل اند، مقدمِ این اعزه را بہ ترتیب متلقی ساختہ، بہ ماحضر خرمای تر کہ در آن سرا خوب بہم می رسد، استقبال می کنند و شب ضیافت مستوفی از الوانِ طعام سرانجام می دہند و پیالہ ہای کلانِ قہوہ خوری کہ گاہے شیرینی ہم داخل می کنند، علی الاتصال بہ مردم تکلیف می نمایند۔ چون تہوّع آور است مہمان در ردّ و قبول سخت اذیت می کشد۔ فقیر ہم بہ رفاقتِ خان صاحب، سردفترِ اشفاق کیشان، سید حشمت خان، وارد گردیدہ بود۔ معنی این شعر را درین محل صادق یافتہ بود:

روزے بخانۂ عربی میہمان شدم
چندان خورند قہوہ کہ من قہوہ دان شدم

غرض تفاوتِ منشانِ معنی را ہم قال و ہم تماشا در آنجا دست می دہد۔ و برخے بجہتِ دیدنِ ملیحانِ عرب ہم سرے می کشند، گو لباس مقطع یا موافقِ ضابطہ نباشد و حسنِ گرمے و ادای دلچسپے بنظر نیاید و برای مخلصی متمسک باین شعر می شوند:

محقّق ہمان بیند اندر ابل
کہ در خوبرویانِ چین و چگل

صبح کہ عنانِ معاودت می گردانند، بملاحظۂ فضا و کسبِ ہوا عشرتے، و بمشاہدۂ قبورِ متقدمین و عماراتِ عالیۂ مندرسہ عبرتے حاصل می نمایند:

این گمانخانہ اقامت کدۂ الفت نیست
عبرتے گیر ز کیفیتِ بام و درِ خویش (کذا)

اگرچہ دہ از دہم ربیع الاول عرسِ حضرت سرورِ کاینات علیہ اکمل التحیات در تمام دہلی بسیار بہ آب و تاب می شود، و مجلسِ ترتیبِ چراغان بندی بآئین مرغوب بعمل می آید و سماع خیلے بکیفیت منعقد می گردد لیکن اسلوبِ بزم آرائی خان زمان بہادر کہ از امرای عمدۂ محمد شاہی است و بہ وفورِ حیثیتہا سلسلہ محامدش نامتناہی طرزِ خاصے دارد۔ در دیوانخانۂ عظیم الشان کہ پیشگاہ صفہ اش در وسعت چون پیشانی نیکبختان کشادہ است و در ضمنِ صحنش بہ ما الحیات آمادہ، این بزم دلنشین صورت تزئین می یابد و بہ قالینہای رنگین باج از فضای گلشن می گیرد و در وسطِ این مسکنِ سعادت موطن، صندوقِ آثارِ

شریف جلوه پیرا گردیده. زایران در سمتهای اربعه متمکّن می شوند و به استعمالِ صلوات حلاوتے به کامِ
اُمیدمی رسانند.

بعد ازینکه افتتاحِ آن حقّهٔ سر بسته که رشکِ حقّهٔ فلکِ شعبده باز است، درمیان می آید
مردم ہر سمت بنوبت به شرفِ تقرّبِ آن بساطِ کرامت مناط و به دستاویزِ صلواتِ با برکات و تحیّاتِ
زاکیات، باصرهٔ راگلچینِ انوارِ سعادت می گردانند، و بملاحظهٔ آن تبرّکات، رستگاری و نجات تحصیل
می نمایند.

تا شام وظایفِ زیارت وشرایطِ استحصالِ سعادت بعمل می آرند و بعد نمازِ مغرب، آن حقّهٔ
شفاعت شقه را مضبوط ساخته متوجّهِ سماع می شوند. قوّالانِ خوش لہجه ونغمه طرازانِ رنگین زمزمه که منتظرِ
ایمامی باشند بمجرّد توجهِ اربابِ محفل زمزمه سنج گردیده صوفیهٔ صافیه را به وجدِ بسمل می آرند. از ہر طرف
شور و شغب بلند می گردد و در ہر سمت نفیر و اُفغان از اہلِ حال سر می زند. به تعظیمِ تواجد منشان، اربابِ
مجلس به قیام پرداخته ہر طرفے سیر می کنند، و از ہر حلقه تمتّعِ فیضے می گیرند. از فرطِ ہجوم وکثرتِ خلایق انتظامِ
محفل برہم می خورد و بقسمے کیفیّت در جمیع طبایع سرایت می کند که مطلق العنان می شوند. تماشای
غریب و تفرّجِ عجیب بملاحظهٔ مصنوعاتِ الٰہی نصیبِ نظارگیان می گردد:

ہرچه دیدیم از تو خالی نیست
سبزه شوخ است و گل صفا دارد

ذکرِ کیفیتِ کسل پوره

کسل سنگھ از عمدهٔ ہزاریانِ پادشاہی است. به اعتبارِ ثروت و دولت در امثال و
اقرانِ خود متفاخر و مباہی. پورهٔ در نہایتِ تقطیع وتکلّف احداث کرده و از ہر قسم طوایف و فواحشِ
بازاری که عبارت از مالزادیہا باشد، آماده نموده و اربابِ مناہی ومسکرات را به حمایتِ خود جا داده.
باوجودِ کثرتِ جمعیّت، محتسب در حوالیش راه ندارد و قدرتِ احتساب در خود نمی یابد. در ہر راستایش
زنہا به لباسِ رنگارنگ خود را به مردم عرض می کنند و در خمِ ہر کوچه بے وساطتِ میانجی اشخاص را تکلیف
می نمایند. ہوایش شہوت آمیز است و فضایش باه انگیز. بتخصیص در حوالیِ شام طرفه مجمعے می شود و

عجب ہنگامہ. در ہر مکانے رقص است و در ہر جای سرود. اربابِ فسق بی ممانعت و مزاحمت سرے در آن کارخانہ کشیدہ[1] بہ گلچینیِ خیارک و سوزاک دامنِ شہوت را لبریز می کنند و چندے بہ خمیازۂ حسرت گذرایندہ مشغول می شوند. غرض طرفہ[2] کارگاہے و عجب تماشاگاہے است[3].

ذکر کیفیتِ ناگل

مُتّصلِ سرای خواجہ بسنت اسد خانی، احاطہ در نہایتِ صفا و جلا ترتیب یافتہ و صاحب کمالے کہ موسوم[3] بہ ناگل باشد، مدفون گردیدہ. بیست و ہفتمِ ہر ماہ[4]، نسوانِ[5] تعشّق بنیانِ دہلی، بہ کمالِ تقطیع و تزئین مزیّن و محلّی[6] گردیدہ جوق جوق بہ تقریبِ زیارت کہ در حقیقت مدّعای دیگر است، سرگرمِ تفرّج می شوند و بہ اشخاصیکہ مربوط اند، مجتمع گردیدہ، دادِ دلخوشی می دہند. بیشتر اہلِ تجرید و غریب پیشگان بامیدِ قبول و ایجابِ[7] آن جماعہ، برنگِ گلہا[8]چمنِ خود را رعنا زیبا ساختہ، بہ جلوہ گاہ عرض می آرند. مصرعہ:

تا دوست کرا خواہد[9] و میلش بکہ باشد

و از خواصِ آن مکان نقل می کنند اگر غریب[10] واردِ آن نزہت کدہ گردد، فوراً بہ جُفت می رسد. از کثرتِ تماشائی، سوادِ آن تماشاگاہ کہ وسعت آباد است، تنگتر از دیدۂ مور می گردد. مردم از صبح عازمِ آن مکان گردیدہ، طرفِ شام معاودت می نمایند و در ضمنِ بازگشت سیرِ حدائق و بساتین کہ بر سرِ شارع واقع اند[11]، می فرمایند. غرض دلخوشی کارہا دارد و چیزہا اختراع می کنند. تعالیٰ شانہٗ نصیبِ جمیع[12] دوستان[13] و احباب گرداند[14].

ذکر ریتی مہابت خاں

در آن ریگستان کہ عرضِ کیفیتِ اُو طولے دارد، جوانانِ رنگین و معرکہ گیرانِ سراپا تزئین، بہ تقریبِ گرفتنِ کشتی و اظہارِ قوّت و پہلوانی فوج فوج فراہم آمدہ، ہر کدام بہ ہر یکے کہ مناسبِ قوت و صنعت داشتہ باشد، کشتی می گیرند و حرکاتِ عجیب و غریب کہ موجبِ تفننِ نظارگیان باشد، بوقوع آوردہ اربابِ تماشا را محظوظ[15] می گردانند. در ہر گوشہ و کنار صحبتے و در ہر سمت[16] اجتماعے و اختلاطے صورت می گیرد[17] و شعفے بہ دلہا سرایت می کند. بعدِ فراغِ این حرکات شیرینیہا تقسیم کردہ ہر یکے بہ سمتے روانہ[18] می شود و باز بہ روز

موعود که یکشنبه باشد، حاضر آمده[1]، معرکه آرا می گردد[2]. سیر این مکان هم خالی از لطفے نیست. اکثر مردمِ حسین وارد می شوند و نظارگیان به تماشایش گلچینِ انبساط می گردند.

ذکر سازانِ محافل صاحبِ کمال و معنی طرازانِ مجامع شیرین مقالی مرزا جانجاناں

نزاکتِ مزاجِ بهار امتزاجش که پروردهٔ آب و هوای گلشنِ معنوی است، از وسمه کاریِ توصیف مستغنی است. صبا باُمیدِ اینکه گاہے در کارگاهِ[3] مدایحش تار و پودِ اوراقِ گل بکار آید، سرگرم چمن آرائی است و نامیه درین اندیشه که قلمِ نرگس روزے به تقریبِ نگارشِ مناقبش عَلَمِ افتخار برافرازد مستعدِ گلشن پیرائی. تارِ[4] مسطرِ کلامش اگر از رگِ گُل ترتیب دهند برجاست و مسوداتِ افکارش بر پردهٔ چشمِ بلبل تحریر نمایند، رسا صفای روزمرّه و نجابتِ گفتگویش بمشابهٔ نکهتِ گل مشام آرای سامعان است و عذوبتِ کلامش چون نسیمِ[5] بهار شور انگیزِ جنون طینتان[6]. ادایِ سخن شوخیِ دارد که تا فهمِ مخاطب پی به مُعَنیش برد برنگِ تجددِ امثال سر از عالمِ دیگر برمی آرد، و اندازِ تکلم عکسے[7] می ریزد که تا مستمع هوش به فهمش گمارد بے اختیار شور از نهادش سر می زند. کلامِ تمکینش نُقلِ گزکِ محفلِ مستان است و نشئهٔ فکرش صهبای معنی پرستان. چاشنیِ دَردِش[8] طبیعی است و سوزِ عشقش فطری.

بعد از تحصیلِ علوم به تحریکِ جاذبهٔ شوقِ محبتِ الٰهی به انقطاعِ علایق پرداخته، قدم به جادهٔ فقر گذاشته و درویشی را با میرزائی جمع ساخته. عالمے شیفتهٔ صحبتِ گرامی است تا کرا دست دهد و جهانے مشتاقِ هم صحبتی تا طالعِ کدام کس مساعدت نماید. خواندنِ شعرش مزه دارد که اگر جانها را در جنبِ صلهٔ اُو به تواضع بگذرانند، مفتِ همت است، و لطفِ سخنش ناخنے به دلها می زند که نقدِ رُوانها در کففِ تنگش آن صرفهٔ[9] فطرت. اگرچه تقدسِ ذات این نکته سنجِ معنی از آن رفیع تر است که در سلکِ موزونان مذکور گردد لیکن چون زبانش به فکرِ شعر گلفشانی دارد، لهذا قلمِ گستاخی رقم سرے درین وادی کشید. اُمرای عالیشان به تمنّای ملازمت تدبیرها بکار می برند و صحبتش میسر نمی آید. روزِ پنجشنبه

در مسجدِ جہان نما، اکثرے از مترصدانِ سعادتِ حضور در اینجا کامیابِ مقصد می شوند۔ در دہلی کہنہ اقامتِ شریف است لیکن چون طبیعتِ رنگین بہ تنزہات مایل است و تبدیلِ مکان ہمیشہ منظورِ نظر، بطریقِ ندرت صحبتِ والا کسے را دست می دہد۔ از انجا کہ با ارادت کیشان صمیمِ گوشۂ خاطر نیست، بمقتضای نوازش، چون معنیِ بیگانہ، بیک ناگاہ ورود فرمودہ، کلبۂ محقرِ منتظران را نورانی می فرمایند؛ اگرچہ اشفاقِ عمیم الیشان بنسبت بہر وضیع و شریف یکسان است و بمقتضای عنایت توجہِ مخصوص بہ حالِ ارادت اشتمال است، فقیر اکثرے استفادۂ فیوضات نمودہ۔ یکبار غریب خانہ ہم بہ نزولِ مقدمِ ضیا توام، بیت الشرفِ تجلیات گردیدہ۔

معنی یاب خان

از چیدہ ہای پادشاہی است۔ رنگینیِ طبعش بمثابہ الیست کہ اگر بہار دریوزہ گری نماید می تواند گلشنِ امکان را زیادہ ازین رنگین کند و شوخیِ سخنش بمرتبہ ایکہ اگر نکہتِ گل نکتہ آموزِ سبک روحی شود، بیشتر از بیشتر مشام آرا تواند گشت۔ در تسخیرِ غزالِ معنی یدِ بیضا دارد و در ادای لطفِ سخن اندیشۂ رسا۔ غزل بہ سامانِ تمام می گوید و ادا ہای طرفہ بکار می برد کہ سامع بہ وجد می آید۔ سوم ماہِ صفر کہ عرسِ میرزا بیدل مرحوم است، جمیع شعرای دہلی بر مزارِ ایشان مجتمع می شوند و دیوانِ میرزا را درمیان گذاشتہ افتتاحِ شعر خوانی از آنجا می کنند و بعد ازین بتدریج مسوداتِ اشعارِ خود را بہ عرضہ آوردہ، از حضارِ مجلس متوقعِ تحسین می شوند۔ اول کسیکہ شروع بہ غزل خوانی می کند ہمین عزیز است و در حقیقت تقدیمش مستحسنِ اربابِ معنی۔ شعرش از ابتدا تا انتہا ناخن زنِ دلہا است و از اندیشۂ تعرضِ نکتہ گیران مبرا۔ مطلعے بآئینِ یادگارے درین تذکرہ ثبت می شود و آن اینست :

بہ گلشن چشمِ شہلایت بجوئی آشام می گردد
دکانِ حسنِ خوبان تختہ چون بادام می گردد

حزین

مہمانِ دیارِ ہندوستانِ بہشت نشان است و بہ علوِ طبیعت و تقدسِ فطرت، ممتاز

سخنورانِ زمان. اصلش از ولایتِ ایران است. بمقتضای وارستگیها و آوارگیها در عالمِ سیاحت به لباسِ اربابِ فقر سرے به دهلی کشیده. مقدمش همه جا محترم است، و قدمِ موزونی لزومش در همه محافل مغتنم. بر جادهٔ استقامت و انزوا مقیم است و به کمالِ استغنا در مهمانسرای توکل مقیم. اربابِ استعداد، به سرانجامِ مایحتاج تحصیلِ سعادت می کنند و اغنیای مغنیه به تقدیمِ حسنِ خدمت ذخیرهٔ منت بذمه خود می گیرند. معاششش در نهایتِ پاکیزگی و رنگینی است و کاشانه اش که بیت الشرفِ اخلاص منشان است، در کمالِ موزونی و کیفیت آفرینی.

در احیانِ سه شهر صحنِ آن مکان به صفای رُفت و رُوب و آبپاشی چون پیشگاه آئینه جلوه پیرای نظرها می گردد. چوکی مفروش می شود. نکته سنجان و موزونانِ مقرر که جزوِ لایتجزای این صحبت اند، در خدمتِ شریفش حاضر شده عندلیب آسا به زمزمهٔ غزلخوانی تر زبان می شوند و از بهارِ صحبتش گلهای استفاده دامن دامن می برند. طبیعتِ رنگینش در نهایتِ شوخی و رسائی است و حرکاتِ لطیفش در کمالِ رعنائی و خوش ادائی. شعرش سرمشقِ اربابِ کمال است، و سخنش هنگامه فروزِ بزمِ وجد و حال. شمهٔ از نتایجِ افکارِ چمن بهارش به ضیافتِ سامعهٔ منتظران، گل افشانِ جریدهٔ شوق می گردد و آن اینست:

شعلهٔ شمع مسلسل ز دل آید بیرون
آهِ دل سوختگان متصل آید بیرون
این گهر نیست که نشمرده به خاک افشانم
اشکِ گلرنگ بصد خونِ دل آید بیرون

سراج الدّین علی خان آرزو

به تحریرِ کلامِ بهارانتسامش اوراقِ گل منّت پذیر و از نوایِ شعرِ او بلبلِ بهار چاشنی گیر. رنگینیِ گفتگویش سامعه را نرگسدان می کند و بهارِ روزمره اش فضای بزم را چمنستان. مسودهٔ شعرش پهلو به کاغذِ زر می زند و نازکیهایِ خیالش خون از رگِ اندیشه می چکاند. سفینه اش هیکلِ بازویِ عشّاق است، و جریده اش حمایلِ اربابِ وفاق. فروغِ انجمنِ موزونان است و چشم و چراغِ محفلِ

نکته سنجان. جمیع سخنورانِ دہلی شیفتهٔ صحبت اند، و تمام عمده ہای دار الخلافه آرزومندِ مواصلات. چون درضمنِ کمالاتش شیوهٔ منادمت مضمر است، با اربابِ دول صحبتش[1] گیرا است، و در جمیع مجامعِ رنگین[2] برنگِ ہلال انگشت نما. در بزمے که ورودِ مقدمش می شود، نوای تہنیت بلند می گردد، و به محفلے که رنگ افروز گشت صدای مرحبا به ہوای بپیچد. حصولِ صحبتش به مشتاقان اتفاقی است.

روزِ عرسِ میرزا بیدل مرحوم به نسبتِ شاگردیش بزم آرا می گردد[3] و علمے را از صافی[4] خانهٔ افکار، زلّه چینِ منّت می گرداند. مطلعے به تزئینِ این گلدستهٔ یاد آوری، جلوهٔ تحریر می یابد:

زبس برونند باخود در لحد ہم رنجِ مخموری
سبزدِ لوحِ مزارِ میکشان از بیشمِ انگوری

مرزا[5] افضل ثابت

نشّهٔ کلامش دماغ آرای اربابِ وجد و حال و نتیجهٔ فکرش سرمشقِ اہلِ کمال. افکارِ چمن طرازش برنگِ نسیمِ بہار شور افزای دیوانگان است، وگلہای خیالش ہنگامه پیرای جنون طینتان. برعایتِ انواع و اقسامِ دقایقِ سخن آشنا، و به تمہیدِ متانتِ خیال از اہلِ معاصرِ خود مستثنیٰ. جمیع نکته سنجان به اعترافِ استادیش تر زبان اند و به بہارِ کمالاتِ معنویت آمالش گل افشان. به مقتضای غنای ذاتی و نجابتِ فطرت رجوعے به اہلِ دنیا نیست، و به رسائی نشّهٔ فقر بازگشتے به اغنیا، نه، به کلبهٔ بی نیازی مسند نشینِ توکّل است و به ذروهٔ بے احتیاجی سامان طرازِ عرضِ تجمل. شکوهِ ہمّتش پای استقامت به دامنِ درویشی پیچیده و خاطرِ استغنا مظاہرش خود را از رسومِ ابتذال کشیده. غیر از فکرِ شعر و تالیفِ کتبِ صوفیه التفاتے به امورِ دیگر نیست.

نسخهٔ مفیدے در علمِ تصوّف از ہمه کتابہا انتخاب نموده. چون عمرِ شریفش به اتمامِ آن وفا نکرده، اوقاتِ برخے از تلامذه اش در تتمیمِ آن مصروف است. اربابِ کمال ہمواره در خدمتش حاضر گشته تمتّعِ وافی بر می داشتند و این معنی را وسیلهٔ سعادت می انگاشتند. دیوانِ مردّف ترتیب داده و منّت بر اہلِ روزگار گذاشته. مطلعِ دیوانش چہره افروزِ بیاض است و نسیمِ کلامِ شگفتگی پیامش نزہت طرازِ این ریاض:

گشند چو صبحِ وصالِ تو شمعِ جانِ مرا
ببر به مشهدِ پروانه استخوانِ مرا
نگین ز صفحه چو بر خاست نام چهره کشود
جدا شدن ز تو پیدا کند نشانِ مرا

ابراهیم علی خان راقمؔ

از لبش گوشِ خرد گلچین است، سخنش، نامِ خدا، رنگین است. نسبتِ نسبِ دودمانش به حاجی شفیع خان عالمگیری می رسد و سخنش چون عالمگیر است، خراج از اہلِ سخن می گیرد. فکرش چون طراز یک عالم بہار است و سخنش به مقتضای رنگینیها گوہر نثار. بدیہه گوئیہایش بر تاتلِ شعرا تفوق می کند و بذله سنجیہایش گوی مسابقت از اقران می رباید. باوصفِ کم بضاعتیہا اسبابِ معاشِ خانه اش از ہجومِ مستعدان رشکِ گلشن است و شکوۂ روزگار که دلہا خون کردۂ اوست، اصلا به زبانش نیست. ہموارہ تر زبانِ شکرِ منعمِ حقیقی بودہ. با دوستان، سرخوشِ ہنگامۂ اختلاط است و شیرازہ بندِ مجموعۂ ارتباط. نمونۂ از بہارِ طبعش به مشتاقان چشمکے می زند و به تقریب یادآوریہا بزمِ بیکسی را به خیالِ آن رنگین خیال می آراید:

بیکسی گذشت، کسے می خواہم نفسے ہم نفسے می خواہم
نالۂ دل چقدر زہرہ درست آہ! فریاد رسے می خواہم

میر شمس الدین مفتونؔ

نکہتِ فکرش باوصفِ سادگیہا دماغ آرای بزمِ یقین است و بی تکلفیہای گفتگویش سر شکنِ اربابِ تعیین. بقدرِ معاش از زمانه قانع است و باندازۂ احتیاج از اہلِ روزگار مختلط. مشقِ سخنش بطورِ قدما است و ربطِ کلامش به طرزِ قدیم آشنا. شعرے دستاویزِ یادآوری رقم زدۂ کلکِ انتخاب می گردد و آن اینست:

درجہان کار به تعجیل نگیرد صورت به چہل روز سرشتند گلِ آدم را

مرزا عبدالخالق وراسته

باوجودِ منصبِ مناسب و مداخلِ معتد به، وارستگیهای درویشانه از مزاجِ بهار امتزاجش محسوس می گردد. خانه در نهایتِ تقطیع و تزئین بنا کرده و باوصفِ مرتبتِ (کذا) مکان، رعایتِ جمیع مراتب کرده. چنانچه تفصیلش ازین رباعی که ریختۂ کلکِ رنگینِ اوست، تراوش می کند:

این خانه که چون خُلد بهار آئین است
مانندِ مکانِ دیده نور آگین است
فوّاره و حوض و نهر و گل در نظر است
این تازه رباعی چقدر رنگین است

ودر وسطِ این کاشانه، آئینۂ کلانے نصب کرده ودر اطرافش این رباعی بقلم چنین رقم نموده:

این آینۂ خَلَف نسبِ نور نژاد
چون مهر به رویِ صبح آغوش کشاد
جا کرد چو در چشم و دلش صورتِ دوست
حیرت زده شد پشت به دیوار استاد

از فرشهای ملون و پرده های رنگین و ظروفهای شیشه که به ترتیب در طاقها چیده تماشا خانۂ اربابِ نظر است. همیشه شعرای رنگین خیال برنگِ پریزادانِ معنی در آن شیشه خانه ورود نموده، با گفتگوهای بامزه زنگ از دلها بر می دارند و از تواضعات رسمی که قهوه و حقه و معجون و عطریات باشد، متمتع می شوند. سفاینِ متعدد از افکار قدما و نازک خیالانِ حال پیشِ او گذاشته به شعرخوانی مشغول می شوند و دادِ معاشرت می دهند.

با فقیر عجب التفاتے وطرفہ اختلاطے داشت. هرگاه که وارد می شدم بوجد می آمد و صحبتهای مستوفی نگاه می داشت و زمینهای اختراعی خود درمیان آورده به فقیر تکلیف می کرد. مطلعے از مخترعاتِ بهارِ طبعش رنگ افروزِ چمنستانِ یادآوری می گردد و آن اینست:

رقیب آخر نماید بر شما هم جور و بر ما هم   شمای گلرخان بندید بر قتلش کمر با هم

گرامی

از شعرای کشمیرِ جنّت نظیر است، و با وصفِ مولویت از مایدۂ سخنوری چاشنی گیر۔ سفینۂ اشعارِ خود ہمہ وقت در بغل نگاہ داشتہ، بہ حضورِ سخن فہمان بہ شدّ و مدّ تمام بہ آہنگِ طرب پیشگانِ کشمیر می خواند و بہ اعتقادِ خودش ہمہ دیوانِ خود را منتخب می داند و بہ دعوای تازہ گوئیہا قسمے رگِ گردن بلند می کند کہ مشاعرہ را بہ سرحدِ مناظرہ می رساند۔ نظر با کابرِ بیت او اکثرے از موزونان بہ فضای امن آبادِ سکوت می خرامند و بہ تحسینِ تکلّف تضمینِ خود رامی وزدند۔ مطلعے کہ خوش آیندۂ نقیر بود درین بیاض ثبت گشت:

در چمن تا نہادہ ایں پا را
رنگ بر رو نماند گلہا را

مرزا ابوالحسن آگاہ

از رفقای عظیم اللہ خان است، و با جمیع شعرا بمقتضای رنگینیِ طبیعت مختلط و ہم زبان۔ روزِ عرس، قاریِ دیوانِ میرزا بیدل است و ہموارہ در فکرِ سخن مشتغل۔ از آنجا کہ جوانِ رنگین و لجیپ بدل نزدیک است و با ہمۂ این فرقہ بمقتضایِ مناسبتِ طبیعی جوششِ خاصے دارد و مربوطِ اختلاطہاست، خالی از انبساطِ طبیعت نیست و عاری از پیرایۂ رنگینی نہ۔ برخے از سخنانش ادائے دارد۔ مطلعے کہ بہ گوش خوردہ بود چہرہ آرای صفحۂ تسوید است:

غم و دردِ تو از آن روز کہ مہمانِ من است
دل نمک سود کباب است کہ بر خوانِ من است

حلیما

از عرب زادہ ہاست و طورِ کلامش بہ طورِ اسحق اطعمہ آشنا۔ خیالش از مایدۂ نان و فرنی با آب و تاب است و مطبخِ طبعش مہیا از سامانِ آش و کباب۔ از چاشنیِ سخنش گرسنہ چشمان را

تسکینے بہم می رسد و بہ حلاوتِ گفتگوی طعامہای اقسامش تہی دستان رازلہّ فراہم می رسد. تلاشہای نمکین دارد و فکرہای شیرین. از خوانِ کلامِ ہر سخنور ریزہ چین است و از مایدۂ نعمای اقسامِ سخنوری بہرہ آگین. قریب پنجاہ ہزار بیت از متقدمین و متاخرین بیاد دارد، و در محفل بہ طنطنۂ طنینِ خود سامعہ را کرمی کند. مطلعے از افکارش بہ نمکچشیِ منتظران تواضع کردہ می شود:

چون مگس بر خوانِ ہر کس می رود
بی تکلف سخت مبرم پیشہ است

★
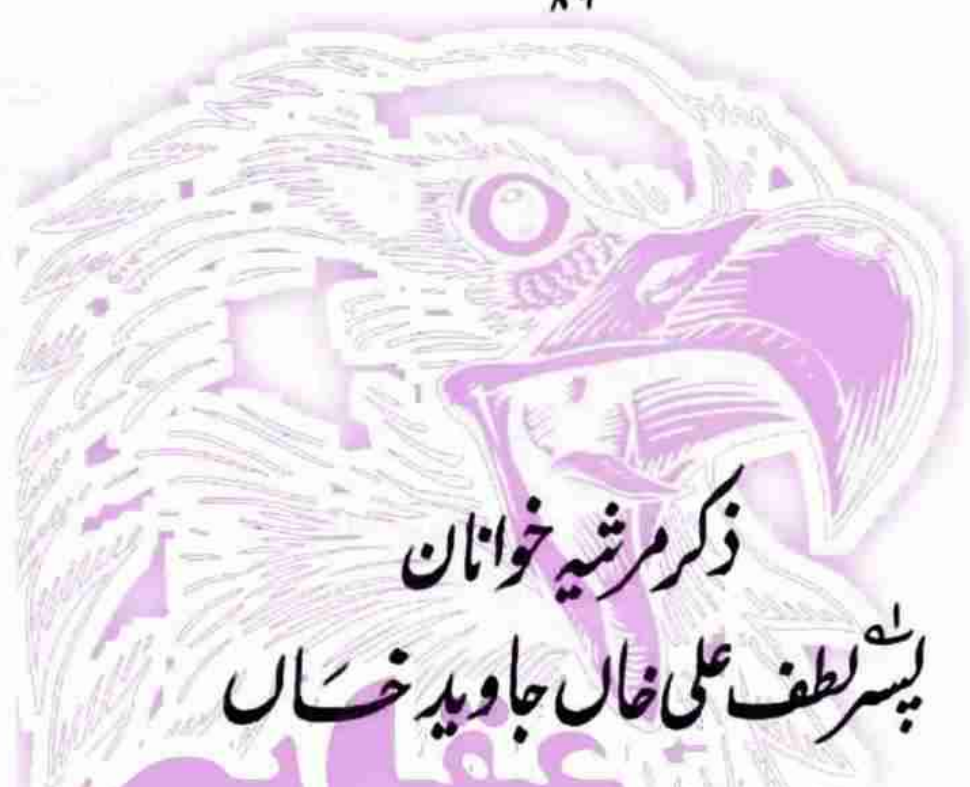
ذکر مرثیہ خوانان

پسر[1] لطف علی خاں جاوید خاں

ازجسامتِ ترکیبش و از ضخامتِ ہیئتش[2] کمالِ معنوی معلوم[3] کردہ نمی شود و خیلے بدتراش وبداندام بنظر می آید لیکن در مرثیہ و منقبت گفتن شان و شکوہے دارد کہ محتشم وقت باید گفت و مولنا[4] حسن کاشی اعتبار باید نمود۔ منقبت در ریختہ بہ طمطراقِ تمام و سازوسامانِ مالاکلام می گوید وبنای مرثیہ بہ عجبش[5] سوز و گداز می گذارد۔ معدنِ اندوہ است و کانِ الم۔ مخزنِ مصیبت است و گنجینۂ غم۔ میر اہتمامِ عاشور خانۂ جاوید خان است و بہ مراعاتِ زایران و تعزیہ داران می پردازد۔ حرکاتش بر حسنِ معنی دلیل است گو حسنِ صورت نباشد۔

مسکین و حزیں و غمگین

ہرسہ برادر اند و در مرثیہ گفتن مہارتِ تمام دارند و در[6] ہمہ شہر کلامِ آنہا شہرت دارد، و در واقع ہرسہ کس بسیار خوب مرثیہ می گویند و الفاظِ الم آور و مضامینِ حسرت آگین ایجاد می کنند۔ نواسنجانِ مرثیہ را بہ خدمتِ اینہا طرفہ رجوعیست۔ مسودۂ اشعارِ ایشان[7] بہ تلاش بدست می آرند و در امثال و اقران افتخار می کنند۔ طرزہای عجیب و تلاشہای غریب در فکرِ این عزیزان بنظر می آید۔ بہ چون حقِ تعزیہ را در کلامِ خود ادا می کنند و خلوص و محبتِ طیبین و طاہرین بر ہمگنان ظاہر است، صلۂ معتدبہ[8] کہ بہ معاش وفا کند[9]، از مکانہای معین معین دارند و فکرے غیر از فکرِ منقبت بہ خاطر نمی

رسانند. الحق از استماعِ مرثیه هایشان به اربابِ تعازی می رسد که از روضة الشهدا متصور نیست وازوقایعِ مقتل ممکن نه. قدر دانانِ مراتبِ الم وچاشنی گیرانِ مایدهٔ غم امتیاز می کنند.

مانده ایم نسیم ونشناسیم صبا
هرکه آرد خبرِ دوست دل از ما ببرد

میر عبدالله

از تعزیه دارانِ جناب حضرت اباعبدالله الحسین علیه السلام است و مرثیه های ندیم وحزین را قسمی به آهنگهای حزین می خواند که بے اختیار شور از نهادِ سامعان بر می خیزد واز کثرتِ نوحه وفریاد گوشِ فلک کر می گردد. نشیدِ رقت تمهیدش در تجدیدِ شیونِ دخلے تمام دارد وصدای جان گزایش در متالم نمودن اثرِ مالا کلام. مصرعه اش تمام نشده است که فقرهٔ مستزادِ گریهٔ خلایق موزون است وبیتش به اختتام نرسیده که بندِ ترجیعِ نوحه، باوجودِ تکرار همان تازه مضمون ـ استادانِ موسیقی متفق اللفظ اند که باین خوبی مرثیه خوانی قدم به عالمِ ایجاد نگذاشته وباین موادِ نشید وباین سامانِ آهنگ سرے از کارخانهٔ تکوین بیرون نکشیده.

در ماهِ محرم مقدمش همه جا واجب الاحترام است. نوبت بنوبت در تعزیه خانه های مردمِ عمده وارد می شود وبه تقدیمِ مراسمِ عزا می پردازد وخلایق در اماکنِ موعوده بر یکدیگر سبقت جسته هجوم می نمایند وبه استماعِ افغانش ذخیرهٔ مثوباتِ اخروی بر می دارند. برای خود از کثرتِ اعوان و انصار انبوهے دارد واز مرافقتِ جوانانِ شکیلِ صاحبِ جمال شکوهے. سوای عاشوره هم خانه اش مورِد امارد است، واکثرے برای تحصیل وتحقیقِ مراتبِ مرثیه خوانی آمد ورفت دارند وکلاونت و قوال هم وارد و واقع می شوند. نظر به کمالِ خود خالی از تعین نیست وبیشتر زبان به تعریفِ خودش ناطق است. برخے باین وضعش مطعون می دارند لیکن در کارِ خود یکه واستاد است.

شیخ سلطان

باوجودیکه اصلش از پورب است لیکن در ادای تلفظ مثل فصحای هندوستان است ومرثیه

را خیلے بآب و تاب می خواند۔ صدا ایش خارا گداز است و نشیدش قیامت طراز۔ ہر چند یکہ بہ فنونِ مراتبِ موسیقی آشنا نیست، لیکن در سادگی پُر کار بہا دارد۔ باوجودِ طرحِ ابتذال ناخن بہ دلہا می زند۔ صدای او و گریۂ خلائق باہم عہد بستہ اند کہ از ہم جدا نباشند۔ بہر عاشور خانۂ کہ وارد می شود مردم را محزون میکند و صورتِ ماتم می کشد۔ حق تعالی جزای خیر دہاد۔

میر ابو تراب

طرزِ مرثیہ خواندنش درد آمیز است و اسلوبِ ادایش رقت انگیز۔ چون در فنِ موسیقی مہارت دارد بسیار بمزہ می خواند و اربابِ تعزیہ را بہ اضطراب می آرد۔ قدومش در ہمہ اماکنِ متبرکہ واجب التعظیم است و ورودش لازم التکریم۔

مرزا ابراہیم

حزینہائی صوتش جان را می گدازد و نالہ ہای درد آلودش زہرۂ سامعان را آب می کند۔ موادِ رقت و سامانِ درد از طرزِ مرثیہ خواندنش بہ جوش می آید و طبایع از فرطِ اضطراب مرتعش و بیہوش می گردد و تفارش در عزا خانہ ہا باید دید و اعتبارش در کاشانہ ہای مصیبت نشانہ۔

میر درویش حسین

از تعزیہ دارانِ جنابِ خامسِ آلِ عبا است، و در تقدیمِ مراسمِ شیون بی ہمتا۔ آہنگہای برجستۂ انتخابش پیشِ ہمہ کس مسلم الثبوت است و ایراد را دخلے نیست۔ میر عبداللہ باین ہمہ کمال و تعین زبان را بہ تعریفش گلفشاں می کند و بعد از خود حساب می نماید و در استنباطِ آہنگ با میرِ مذبور ہمعنان است و در مقامِ صوت و صدا باہم دست و گریبان۔ باستماعِ مرثیہ اش خلائق خیلے بہ رقت می آیند و شور و شغب از حد بلند می شود۔ از ملتزمانِ جاوید خان است و مشمولِ عنایتِ آن ذی شان

جانی حجّام

صدای مرثیۂ درد آلودش نشتر بہ دلہا می زند و نوای حزینِ ماتم اندودش رگِ قیفالِ

سامعان می کشاید. طرزِ خواندنش ناخن زنِ خاطرہا است و اسلوبِ نشیدش خونریزِ دلہا.
پُر زوریہای اثرِ صوتِ حزینش بر سینۂ تعزیہ کیشان الف می کند، و سخت گیریہای صدای اندوہ گینش
حوصلۂ شیون پیشگان راحجامت می کند. ہر کہ یک مرتبہ بہ استماعِ مرثیہ اش پرداخت تا بقیۃ العمر
محتاج بہ فصد نیست و بہ جوششِ خون آشنا نہ.

سابقاً معشوقِ امیرے بود و طُرفہ حسن و جمالے داشت و طرفہ جاہ و جلالے. وستگاہ لکھ
رو پیہ بہم رسانیدہ بود. چون سرے بہ نامی و نوش دارد ہمہ درباخت. حالا فلک در انتقام است
لیکن چون خوش صحبت است و رنگینیہا دارد اُمرا زادہ ہا مراعات می کنند و ہمیشہ در محافلِ تجرّع
و رقص تکلیف می نمایند. خیال و جنگلہ راخوب می خواند و بہ خوشی اوقات می گذراند.

صاحب طبعِ مستقیم محمّد ندیم

درموزون کردنِ الفاظِ رقّت ناک و استعاراتِ غم اندود سینہ چاک طرفہ دستے دارد
و در مرثیہ ہا تضمین غریبے می کند. خصوصاً در تضمینِ مسدّسِ وحشی کہ:

دوستان شرحِ پریشانیِ من گوش کنید
قصۂ بے سروسامانیِ من گوش کنید

یدِ بیضا دارد. از ہر لفظِ مرثیہ اش درد می بارد و ہر کلمہ اش خون از دیدہ می چکاند. مضامینے
در ریختہ می آرد کہ فارسانِ مضمارِ فارسی زبان گیر می شوند. شعرش چون ناشی از درد و اندوہ است
بہ مجرّد شنیدن طبایع را مقارنِ غم و الم می گرداند و بے اینکہ بہ آہنگے درست نمایند بہ رقّت می
آرد. در سخنش تأثیر عجیبے است و در کلامش تصرّف طرفہ.

★

ذکر ارباب طرب
نعمت خان بین نواز

درهندوستان وجودش از نعمتهای عظمی است[1] و در[2] اختراعِ نغمات و ایجادِ شعبات یدِ طولیٰ دارد و با نایکانِ پیشین پہلو می زند و موجدِ خیالهای رنگین است. درچندین زبان تصانیف دارد. بالفعل تیر[3] جمیع مغنیانِ[4] دہلی است و بمقتضای حمیتِ ذاتی غیراز پادشاه به ہیچکس سرفرونمی آرد. درعهدِ محمد معزالدین طرفه سازو برگے داشت. در[6] عرسهای بزرگان حاضرمی شود وخودہم یازدہم می کند. روٴسا، واعیانِ شہر ہرماہے درروزِ یازدہم به خانه اش ہجوم می کنند. بمثابهٔ کثرت می شود که جاہم نمی رسد. لہٰذا از صبح مردم سبقت می کنند واین صحبت تاسفیدهٔ صبح می کشد وختم راگہا بربہجاس می شود.

درنواختنِ بین مہارتے دارد که شاید درعرصهٔ وجود بہتر ازین خلق نشده باشد.

مطربِ این بزم از بس راهِ دلہا می زند
دست برطنبور وناخن بردلِ ما می زند

زہے بینِ نازنینے که تا[8] بردوشش نشست ہوش از دماغ چون صدا از تار برجست. کدوہاے بینش درنظرِ باریک بین چون سبوہای[9] باده مستی خیزو تارہایش بمثابهٔ رگ گردنِ جانِ[10] مستان را[11] شورانگیز. مضرابِ ناخنش تا[12] به ساز آشنا شود ناله ہا چون صدای تار از دلہا جسته اندو شعلهٔ صدا تا از حنجره بلند شود قالبہا بسانِ کدو تہی گردیده. شورِ تحسینہا به ہوامی پیچد ونغمهٔ دیگر طرح می گردد و آہنگِ آفرین به فلک می رسد[13] وغلغله دربزمِ ناہید می افگند. آشنایانِ عالمِ آب

رادر مجمعِ امکان کدوے به ازین بنظر نرسیده و مشتاقانِ نغمه را آہنگے به از آہنگِ نعمت خان به گوش نخورده۔

عالم آب است می گویم به آوازِ بلند
آشنای باده را باید کدو برداشتن

برادرش در تمہیدِ آلات طرفه دستے دارد و تا چہار چہار ساعت به چندین رنگ به نغماتِ مختلف و آہنگہای شتی[۱] مترنم می شود و به قوتِ استعداد، اعاده به اصلِ آہنگ می نماید۔ ہوش در تصنعِ او، از کلهٔ مغنیان می پرد، و[۲] این قسم صنعت و قدرت مقدورِ ہیچکس نیست، خواندنش بکیفیت است۔

برادرزاده اش در نواختنِ سه تار عجب مہارتے دارد و طرزے تازه ایجاد کرده ۔ تلاشہائیکه از سازہای عمده به ظہور می آید از سه تار به تقدیم می رساند۔ از اعجوبهٔ روزگار است۔ مکرر اتفاقِ ملاقاتہا شد و صحبتہای مستوفی دست بہم داد[۳]۔ مشارٌ الیه بسیار رعایتِ خاطر منظور می داشت و بعد از انتشار[۴] (کذا) کثرت ہم تا صبح بیک و تیره سرگرمِ ترنم می بود و فرمایشہا[۵] را قبول می کرد و به انشراحِ خاطر مترنم می گردید۔

تاج خان

از قوالان است ۔ نیرنگیِ[۶] نغماتش از عالمِ بیخودی پیغام می داد و لسانِ نی کوچه دارے راه از خود می کشاد، رنگینیِ نغمه اش از آہنگِ بلبل رنگین تر و نوایش از ورقِ گل نازک تر۔ سامعه در وجد بے اختیار بود و فضولیہای شوق مستدعیِ تکرار۔ آہنگش چون خامهٔ بہزاد ہزار نیرنگ در بغل و الفاظِ صوتش[۷] باوجودِ تفصیلِ چندین شعبات ہمان فقرهٔ مجمل۔ طبیعت قسمے احتظاظ حاصل می کرد که غیر از نغمه اش به[۸] ہیچ چیز ملتفت نمی گردید و به ماکولات و مشروبات نمی پرداخت۔ عمداً چندین مرتبه به امتحان رسید۔ چون مذاقش به چاشنیِ فقر و درد آشنا بود اکثرے در عینِ ترنم گریه می کرد۔ غرضکه دمش گیرا بود و اثرش در دلہا رسا۔

ہفتم ہر ماه به خانه اش مجمع می[۹] بود و اکثرے از فقرا و مشایخ که قدردانِ سماع بودند،

تشریف می آوردند و جمیع قوالانِ معتبر حاضر می شدند و بنوبت نغمه آزمائی می کردند. به اعتقادِ فقیر بر جمیع حاضرین ترجیح داشت. پسر النش جانی و غلام رسول از شرب این بادۂ روحانی حظِ وافر دارند و خلف الصدقِ پدر اند و باہمدیگر اتحاد بہ مرتبۂ تمام دارند که اصلا فرقے محسوسِ خیال نمی شود. چون با اینہا ربطے بود اکثرے از صحبتہا احتظاظ بر داشت.

باقر طنبورچی

تارِ طنبورش رگِ جان است که تا به تحریک آید دلہا را رعشہ می گیرد نغمہ اش سوہان کہ دلہای گران جانان بمجردِ استماع خراشیدہ می شود. حزینی صدای سازش اکثرے سامعان را بہ رقت می آرد و خودش را به وجد. کاسۂ طنبورش از ساغرِ بادہ در چشمِ مستان خوشنما و گردنِ سازش در نظرہا رنگین تر از گردنِ مینا. تلاشہای برجستہ اش را صداہای آفرین مہیا و اداہای پرداختۂ بے ساختہ را پیامِ تحسین در ہوا می رسد. خرِ طنبورش را اگر بر خرِ عیسیٰ ترجیح دہند، می سزد و نغمہ اش را اگر شعبۂ لحنِ داؤدی تصور نمایند می زیبد. در سرکارِ پادشاہی منتظم است و در امثال و اقرانِ خود محترم.

حسن خان ربابی

قامتش درین فن بسانِ چنگ خمیدہ و در پختگیِ عمر صبحِ پیریہا از جیبِ عمرش دمیدہ. از غایتِ ضعف سرش چون تارِ رباب رعشہ ناک و ہموارہ در غمِ معیشت معین سینہ اش چاک. بیچارہ در چنگِ فلاکت گرفتار است مگر ربّ الارباب بہ دادِ او رسد. در مستعدانِ این فنِ رباب نوازی مسلم الثبوت است و کمال مہارت دارد. از مشاہیر دہلی است.

غلام محمد سارنگی نواز

تر زبانیِ سازش سامعہ نواز است و حزینیِ آہنگِ دلخراشش خارا گداز. کمانچہ اش در ہر کشش تیرہای متواتر بہ جانہا می رساند و مضرابش متصل ناخن بہ دلہا می زند. مشقش در نہایت پختگی و صافی است و نوای سازش مستمعان را احتظاظِ وافی. اربابِ این فن مستثنیٰ می دانند و بہ توقیرش می پردازند

بیشتر با مشایخ مربوط است و به خیالِ خود نشۂ فقر دارد. صحبتش با ہمہ اشخاص گیرا است و تعریفش ہمہ جا پذیرا۔

رحیم سین و تان سین

از نبایر تان سین اند. رسائی استعدادِ ایشان بر صحتِ نسب گواہی می دہد، در واقع مخدوم زادۂ جمیع مغنّیان اند. رسائی حنجرہ ہای ایشانؔ غلغلہ در بزمِ ناہید می افگند و قدرتِ نغماتِ شانؔ گرہ بر روی ہوا می زند. صدا بمرتبہ اشؔ تابعِ گلو کہ ہر قدر بہ مدّ و شدّ پردازند، زور ش کمی آن ندارد و آہنگ بآئینہ موافق کہ ہر چند بہ ترفّعِ صوت پردازند خارج آہنگے صورت نبندد. در عالمِ کبت اعجوبۂ روزگار اند و در عرصۂ دھرپد مبارزِ سپہ سالار. آمد آمد نشیدش تعلیم خرام بہ سیلِ بہاران می کند و معاودتِ آہنگش بہ مرکزِ اصول یاد از تلاطمِ امواجِ دریا می دہد. یک مرتبہ بحسبِ اتفاق اینہا و حسین خانؔ ڈھولک نواز کہ نادر العصر بود و حسن خان ربابی و گھانسی رام پکھاوجی کہ بنیظیرِ وقتِ خود اند، بہ ہیئتِ مجموعی مجتمع بودند و ہنگام ابر ہم بود. طرفہ صحبت روداد و در جنبِ نغماتِ ایشان اصلا شورِ رعد مسموع نمی شد و در عمارتیکہ طرحِ صحبت بود، چینین بہ تخیل می رسید کہ صدای اینہا سقف را شگافتہ بر می جہد. مدّتے مزۂ این صحبت متمکّنِ خاطر بود:

یاد ایامیکہ عیشِ رایگانے داشتم

قاسم و علی

از تلامذۂ نعمت خان اند و اکتساب این نعمت از ایشان کردہ، زلّۂ وافی برداشتہ اند. آثارِ حسنِ رشادت از جبینِ اینہا لایح و نکہتِ قبول از شمایم صوتشانؔ فایح. کبت بہ رنگینیِ تمام می خوانند و سامعان را ممنون می سازند. در پیشگاہِ ظلِّ سبحانی در امثالِ خود امتیاز دارند و امرا بیشتر توقیر می کنند. چون عنفوانِ جوانی استؔ و نغمہ و صوت در کمالِ مناسبت مقبولِ جمہور اند و بر دلہا اثرِ نغمۂ اینہا مترتّبؔ می شود. یک مرتبہ اتفاقِ شنیدن شد. اشتیاقہا مایل است لیکن بی استعدادیہا حائلؔ۔

معین الدّین قوال

اُستادِ زمانه است و در فنونِ قوالی یگانه. تنزعِ نغماتش چون گلهای گلشنِ کشمیر خارج از دایرهٔ شمار و تموّجِ سیلِ آهنگش چون دورِ تسلسلِ روزگار متعذّرالانحصار. آهنگش برنگِ خامهٔ بهزاد نغمه را بر صفحهٔ هوا تصویر می کشد. غزالِ برجستهٔ صدا را به دامِ نفَس در تسخیر می آرد. تردیدِ غنا وابستهٔ گلوی اوست و تجدیدِ نوا شیفتهٔ آرزوی او. قصه مختصر، صافی به ازین سامعه را در عالمِ امکان نیست. خدا گوشِ شنوا نصیب گرداند.

برهانی قوال

مطلق عنانِ نیهای تصرفش در عالمِ موسیقی شنیدنی است و آهنگِ نغماتش برای ضیافتِ سامعهٔ دوستان تمنا کردنی. مشقش از پختگی آن طرف ناز رسیده و در همین فن صبحِ پیری از مطلعِ عمرش دمیده. باشاه کمال که سر دفترِ اربابِ وجد و حال اند، طرفه ربطے است. روزِ سه شنبه مجلسے انعقاد دستاویزِ عجیبے جهتِ تواجد به دستِ متصوفه می آید.

یک مرتبه این صحبت دست بهم داده بود و در محفل همین چهندابه ٹهاڑی وارد شده بود که در جنبِ صولتِ صدایش آوازهٔ کرنای انفعال می کشید و به شدتِ آهنگِ خارج آهنگش مُوبر اعضایِ حاضران قیام می نمود و اربابِ حال متواجد بودند و موقوف نمی کردند.

برهانی امیرخانی

آهنگش باعتدال است و صدایش متوسط. به مذاقِ امیرخان ترنمے دارد و در ادای نغمات خیلے تمکین به کار می برد و سامعان را منتظر می دارد.

رحیم خان جهانی

از منتسبانِ سرکارِ امیرخان است. خیال را بمزه می خواند و تلاشها به کار می برد. شنیدنی

است ۔

شجاعت خان

نسبتش بہ کلاونتہای عمدۂ اعلیٰ حضرت می رسد ۔ در کبت دعوی دارد لیکن اثر وی[۵] در دلہا نیست ۔ وضعش متصدیانہ است و دستار را بہ ترتیب و تقطیع می بندد و التزام سرپیچ دارد ۔ چشمش ہمیشہ بہ سرمہ آشنا است لیکن ما بے[۲] بصران او را منظور نمی دانیم[۳] ۔

ابراہیم خان کلاونت

یک مرتبہ در مجمعے اتفاقِ شنیدن شد ۔ سامعہ آنقدر محظوظ نگردید کہ اعادۂ صحبت بخاطر بگذرد ۔ مثلِ تمیز بود لیکن برخے ہندوستان زاہا معترف[۴] بودند ۔

در وقتے از مشاہیر دہلی بودند ۔ الحال چون دہلی کہنہ اعتبارے نداشتند ۔ قدما را بہ صحبتِ اینہا شغف بود لیکن جوانانِ این عصر اعتنا بہ کمال آنہا نمی کردند ۔ احترامشان[۵] در اماثل و اقران بہمان وتیرہ بود ۔

بولے خان کلاونت

از ملازمانِ پادشاہی است و در جرگۂ ناظرانِ شاہی اعتبار دارد و خواندنش قدما پسند است ۔

گھانسی رام پکھاوجی

در فنِ خود مہارتِ مالا کلام دارد ۔ اگر سازش را بجای چرم از گلبرگ ترتیب دہند ، بجا است کہ حرکاتِ دستش چون برگِ گل بر روی ہوا خرام دارد ۔ گردشِ انامِلہا در کمال نازکی چون طپشِ نبضِ سقیم[۶]

در نہایتِ آرمیدگی است و جنبشِ اصابع از فرطِ ملایمی بہ رنگ اندیشۂ ذوی العقول در عینِ ہمواری و سنجیدگی۔

حسین خان ڈھولک نواز

نادرۂ روزگار و اُعجوبۂ اعصار است۔ رتبۂ نواختنِ ڈھولک را بہ درجۂ اقصیٰ رسانیدہ کہ زیادہ ازین متصور نیست۔ اہلِ ہند متفق اند کہ بہ ازین ڈھولک نواز از سرزمینِ دہلی نشو و نما نکردہ۔ در مجمعے بآئینِ تفاخر نقل می کرد کہ اگر تا شش ماہ در یک مجمع صحبتہا امتداد کشد، می توان ڈھولک را در ہر راگ بہ طریقِ شتّیٰ نواخت کہ شائبۂ ابتذال در آن نباشد و حاضرین تصدیقِ این معنی می کردند۔ در واقع یدِ بیضا داشت۔ اگر قرصِ آفتاب و ماہتاب را بجای چنبرہ اش استعمال نمایند می سزد و اگر انامل او را کہ در سرعتِ سیر، گرد از شوخیِ نگاہ می بُرد، بہ جواہرِ گرانمایہ ترصیع نمایند می سزد۔ بی اندیشہ بہ تشخیص می پرداخت کہ تبدیلِ گت می کرد و با نامل رجوع تفہیم می کرد و رنگ دیگر بر رویِ کار می آورد۔ زبانہا صرفِ تحسین بود و بیانہا وقفِ آفرین۔

تہنا کہ از جملۂ تلامذۂ اوست بہ لیاقتِ خلفیت امتیاز دارد و از طرزِ مُبتذل تر کتاز است۔ ہر چند کہ باو نمی رسد، چون بہتر از و در دہلی نیست نعم البدل می انگارند۔

شہباز دھمدھمی نواز

پدرش در سرکارِ اعظم خان نوکر بود و ہمین ساز را می نواخت۔ بالفعل در تمام دہلی نظیرش نیست۔ صنایعے بکار می بَرد کہ از پکھاوج و ڈھولک امکان ندارد و بہ تبعیّتِ خوانندہ ہر راگے کہ دِقتش باشد در سازِ خود می نوازد، چنانکہ آہنگش مفہومِ مستمعان می شود۔ اگرچہ بیشتر طبیعت در قبولِ این امر انکارِ محض داشت لیکن بعد از حصولِ صحبت، صحّت روایت بہ تصدیق انجامید۔

نقد نامِ درویش سبوچہ نواز شاہ نواز

اعمیٰ مادرزاد است۔ در نواختنِ سبوچہ قسمے تصرفات بکار می برد کہ از ناصیۂ پکھاوجی و

ڈھولک نواز عرقِ خجالت می چکد، و شیشۂ حوصلہ از چابکدستیہایش تن بہ شکستن می دہد معاشران بہ توقیر تمام سواری بہ تکیہ اش فرستادہ می طلبند و صحبتہا می دارند و سازے اختراع کردہ کہ جامع چندین ساز است۔ ہم صدای ڈھولک دارد و ہم پکھاوج و در ضمنش صدای طنبور بر می آید ہر چندیکہ بصر ندارد لیکن بصیرت دارد۔

نابینای دیگر بنظر آمد کہ شکم را موافقِ قانون و اصولِ ڈھولک و پکھاوج می نواخت و تلاشہای نازک بہ ظہور می رسانید۔ اکثرے از طوایف بہ دستیاریِ سازِ شکمش رقص می کردند و فتورے در ارکانِ اصول راہ نمی یافت۔ شکمش از کثرتِ ضرب چون بختش سیاہ شدہ بود۔

تقی

از عمدہ ہای بھگت بازان است و سر خیلِ جمیع شعبدہ طرازانِ ہندوستان۔ از منظورانِ جنابِ سلطانی است و باریابِ سرای خلوتخانۂ خاقانی۔ امرای عظیم الشان بہ کمالِ توقیر دعوت می کنند و خواہانِ صحبتش می باشند۔ سامانِ بھگت از اقمشہ و اسلحہ، مناسبِ رسمِ ہر دیار و ہر فرقہ، در کارخانہ اش موجود و مہیا و اسبابِ ہزار رنگ تماشا بفراخورِ صنعت او در کیسۂ استعدادش آمادہ و پیدا۔ امارد متعدد چون گلہای رنگارنگ در گلشنِ کارگاہش حاضر و سبزانِ عنبر بلیحی برنگِ ریاحینِ نورس در چمن زارِ اکھاڑہ اش مستعد۔ یک طرف فرقۂ نوخطان بہ صیدِ دل نظارگیان دامِ گرفتاری در زیرِ سبزہ پنہان می کنند و بیک سمت جرگۂ خوش نگاہان بہ تیرِ غمزۂ دلدوز، تماشائیان را نخچیر می فرمایند۔ صبیحانش یکسر خمیر مایۂ سفیدۂ صبحِ فطرت و ملیحانش یکقلم نمکِ مایدۂ نعمت خانۂ قدرت۔ خانہ اش جلوہ گاہِ پریخانہ است، و کاشانہ اش رشکِ آئینہ خانہ: پیچ و تابِ میانِ نازک کمران، برگِ گل را بتاب می آرد و سلسلۂ زلفِ مشک مُویان نبضِ سنبل را در اضطراب۔ سہی قدان از خرامِ نازنین و انداز تسخیرِ دلہا و سیہ چشمان بایمای چشمِ سخنگو چون پیامِ جانہا۔ ہر جا امردے از حلۂ مردمی عاطل می شود چشمِ آرزو یش روشن است، و ہر کجا طفلے ملایم واقع شود، خانۂ تمنایش رشکِ گلشن۔ قبلۂ حیزانِ ہر صنف است کہ نسبتِ کمال را بدو منتہی می گردانند و ربِ النوعِ مخنثانِ ہر نوع است کہ بہ اضافتِ بیعت اُو کلاہِ تفاخر می افرازند۔ سخن مختصر، رئیس المخنثین

است و انیس القوادین۔

عطائیِ عدیم المثال شاہ دانیال المعروف بہ سرخی

طوطیِ ناطقہ اش باوجودِ نواسنجی بسانِ بلبلِ ہزار داستان بہ چندین زبان آشنا است و در نقالی و لطیفہ گوئی بہ اسلوب ندما در عالمِ مصاحبت بے ہمتا۔ از کثرتِ مشق و فرطِ اختلاط بہ اربابِ موسیقی، در کبت و خیال وغیرہ اقسامِ این فن مہارتِ خاصی دارد۔ چنانچہ ماہرانِ این پیشہ توقیرش می کنند و چون درین حالت خود را بہ فقیری منسوب می کند و آبا و اجدادِ خود را مشایخ می گیرد، رعایتِ حرمتش واجب می دانند۔ خواندنش خیلے بہ پختگی و رنگینی است۔ درحقیقت بابِ مجلسِ اکابر است، و در نشیدہای قدما نشید صوفی فریب ماہر۔ باہزار عالم یک نمونہ دارد و باین تقریب ساز و برگ معیشت فراہم می آرد۔

در جمیع محافل دخیل است و در ہمہ مجامع دلیل، با امرازادہ ہای شہر مربوط است و چون مردِ متحمل و خوشگو است عقدِ صحبتش در ہمہ جا منوط۔ ہر جا کہ وارد شد و طرفے از جلبِ منفعت متصور گردید از مغتنمان است و شہیدِ طعامہای الوان۔ در جنبِ اشتہائیِ صافش جوع البقر انفعال می کشد و بملاحظۂ خوردنش طبایعِ از کیا مغثی می گردد۔ در اکلِ طعام طرفہ ملکتے دارد و در خواہشِ حقہ عجب اضطرابے۔ خوابیدنش خالی از دہشتے نیست و صبح برخاستن و تنحنح در متوضی کردن ہم بے وحشتے نہ۔ با اینہمہ نظر بہ رنگینی و صحبت داریش مراعاتہا بہ عمل می آید و طبیعتہا مجوزِ مفارقت نمی گردد۔ قابلِ مجلس است و لایقِ محفل۔

ذکر خواصی و انوٹھا

از نقالانِ معتبرِ دہلی اند و در سرکارِ بادشاہی منسلک و منتظم۔ در انشائی مضامینِ رنگینِ نشاط آور مستثنی اند و در گذارشِ نقولِ تازہ ایجاد بے ہمتا۔ خواندنِ خیالی و رقص ہم عالمے دارد۔ در محفلیکہ اجتماعِ طوایف باشد نشۂ رنگینیِ اینہا دوبالا است و دماغِ تقریر شان اوج گرا۔ سبزہ و مزہ ہم از نونہالانِ ہمین چمن اند و نوباوگانِ ہمین گلشن۔ در رقصہا قیامت طراز

و دراداہا سراپا اعجاز۔ در شوخی و شنگی بابِ اختلاط، و برای منادمت قابلِ ارتباط۔ کاکلہای رسائیشان چون عمرِ درازِ خوشنما تر و دنبالۂ چشمِ سیاہشان از نگاہ ہم رساتر۔ قدہایشان موزون و گفت گوہایشان ہمہ خوش مضمون۔

به هر طرف که نگه می کنم تماشائیست
خدا کند که فلک فرصتے دہد مارا

ذکر بازی نقال

قلم را از پرِ طوطی ایجاد باید کرد تا تعریفِ سبزۂ خطش، که یکقلم خطِ نسخ بر صفحۂ ریاحین می کشد شروع نماید و زنگار را بجای مرکب استعمال باید نمود تا سطرے از کیفیتہای حسنِ سبزش به تحریر تواند رسید۔

حسنِ سبز، آفتِ جان بود، نمی دانستم
دام در سبزه نہان بود، نمی دانستم

شکوۂ حسن نه بمرتبه ایکه نگاہِ بے محابا مقابلش تواند گردید، و صفای رنگش نه بدرجه ایکه نظر در حوالیِ آن جا تواند گرفت۔ اندازِ خرامش برنگِ شاخِ گل از نسیمِ بہار در خم و چم و عشوۂ نگاہش بسانِ جلوۂ پریزادانِ خیال در رم۔ ہر کسیکه دوچارش شد چون پری زده مدہوش است و ہر که در کنارش راہ یافت تا بقیةالعمر حسرت آغوش۔ سبزۂ بہار در جنبِ سبزۂ حسنش چون موی خمیر (کذا) است و گلدستۂ چمن در مقابلِ طلعتش زمین گیر۔

خوبی حسن و خوبیِ آواز	ببرد ہر یکے به تنہا دل
چون شود جمع ہر دو در یکجا	کارِ صاحبدلان شود مشکل

ہمگی طایفه اش موزون است و نقالانش سراپا خوش مضمون۔ دو سه نونہالِ دیگر ہم درین چمن مستعدِ قد کشیدن اند۔ فلکِ حاسد فرصتِ نظاره کرامت فرماید۔

ذکر معشوقۂ ابوالحسن خان پسر شریف خان

خمیرمایۂ فطرتش ناشی از تمکین است و مزاج سراپا ابتہاج چون صحنِ گلشن رنگین۔

ادای هر حرفش منّتی به خاطرهای گذاشت و بهارِ تبسمش به طرحِ یک گلشن همّت می گماشت. تکلمِ سنجیده اش از عالم متانت و وقار و روزمرهٔ صافش جهانے مستنبط از حسنِ گفتار. خواندنش در نهایتِ خوبی و دلربائی و رقصش در کمال خوش آیندگی و رعنائی.

درودش در کاشانهٔ میان محمد ماه غفرلهٔ اتّفاقی بود اربابِ محفل آن همه احتظاظ برداشتند که تا حال هرگاه ذکرش بر می آید در حسرتِ تجدیدِ صحبت او زمزمه سنجِ تأسّف می شوند. کتبے و یک خیال در سورتھ مسموع گردیده که اگر همه عمر اعاده اش نمایند طبیعت راسیری ممکن نیست و استغنا متصور نه. صحبتش چون تجلّیِ برقی بود که تکرار صورت نیست.

ذکر جٹا قوال

زیبِ مجامعِ اربابِ وجد و حال و شمعِ محفلِ صوفیهٔ تواجد اشتمال نصوصِ قرآنی که مشتمل بر وحدت وجود است به آهنگهای حزین می خواند و متصوّفه را لبانِ مرغِ نیم بسمل مضطرب می گرداند. اقوالِ مشایخِ سلف آنقدر مستحضر که اگر به ترتیبِ کتابِ سلوک پردازد گنجایش دارد و اشعارِ شعرای صوفیه آنهمه از بر که اگر به قیدِ تعین آرد سفینه مجم که منتخب و مستنبطِ جمیع دواوینِ قدیم باشد، می تواند ساخت وجد و حال فقرا فروغِ نغمه هایِ اوست و اضطرابِ دلها متعلقِ ساز و نوایِ او. ممدوحِ جمیع مشایخِ کبرا است و محبوبِ همگی فقرا.

درخانقاهِ شاه باسط که برادرزادهٔ صمصام الدوله اند و خود را در فقرا محسوب می کنند، در هر هفته روزِ یکشنبه صحبتِ خاصے منعقد می گردد، فقرا و اغنیا و اربابِ تماشا هجوم می کنند و همه روز سماعِ مستوفی دست بهم می دهد و از کثرتِ اشخاصِ حسین، خانهٔ ایشان مثلِ پریخانه می شود. چون جٹا از ملازمانِ ایشان است بلکه از تربیت یافتگان، همواره ملتزمِ این انجمنِ فیض نشان است و اکثر به تصانیفِ ایشان که در فنِ قوالی طرفه مهارت دارند، رطب اللسان. خصوصیاتِ این محافل وجدانی است نه بیانی. مصرعه:

قلم اینجا رسید و سر بشکست

ذکرِ رحیم خاں و دولت خاں و گیان خاں و ہدّو

اولاً دلیلِ کمالِ اینہا اینست کہ از اخلافِ کولہ وسوادہ اند کہ شہرتِ خوانندگیِ ایشان از فرطِ وضوح محتاجِ بیان نیست و در واقع این ہر چہار برادر در خواندنِ خیال نظیر ندارند و بااین نازکی و بااین پرواز می خوانند کہ طبیعتِ سامع بے اختیار بلند می شود و بہ اعتبارِ کمال تعینے دارند، خصوص دولت خان کہ نازک مزاجیہای معشوقانہ او قیامت می کند۔

بیست و پنجم ہر ماہ در خانۂ اینہا مجمع است۔ جمیع قوّالان و اربابِ غنا مجتمع گردیدہ، دادِ خوش نوائی می دہند و چون آن ہنگامہ محضرِ اربابِ کمال است، سندِ پختگی حاصل می کنند۔ بعدِ فراغِ دیگران نوبت باینہا می رسد۔ خیلے انتظار کش باید گردید تا دولت خان زبان را بہ زمزمہ آشنا گرداند۔ چون صدایش باریک است و کثرتِ خلایق مردم بہ تلاشِ تقربِ او طرفہ سعیہا بکار می برند تا سامعہ تند نباشد احتمالِ شنیدن نیست۔ بیشتر مردم بہ تبعیتِ اشخاصِ محفل، لفظِ تحسین استعمال می کنند و محروم می مانند۔

و رحیم خان کہ در سادگی پرکاری دارد، مشقش در کمالِ پختگی و خوش ادائی است و آہنگش در نہایتِ خاطر فریبی و دلربائی۔ امرا بہ اشتیاق و بہ تلاشِ آنہا را منتظمِ سرکارِ خود ہا می کنند و دست بدست می برند و حرکاتِ نا ملایم اینہا کہ از افراطِ دادنِ شراب سر زد می شود، متحمل می شوند۔ چون چشمِ سیاہ مستِ خوبان ہمہ روز مخمور می باشند و غیر از گفتگوی مینا و جام حرفے ندارند۔

گیان خان و ہدّو کہ برادرانِ خورد اند، اینہا نیز در عالمِ خود تلاشہا دارند و از اہلِ مجلس زہے، آفرین بر می دارند۔ جمیع مشاہیرِ دہلی درین ہنگامہ حاضر می شوند و عرضِ کمال می دہند۔ مجمع خاطر خواہے است و صحبتِ دلچسپے۔

اللہ بندی

امردیست مخطط مشتمل بر تناسبِ اعضا، ترکیبش شبہا بسیار خوب می نماید۔ پدرش از مشاہیرِ قوالان بود۔ خودش ہم خیال را بمزہ می خواند در نگینی بکار می برد۔ منظورِ نظرہا است و مقصودِ خاطرہا۔

رجی

یک امردیست سیه فامیست. گلوئیش در نہایتِ نازکی پہلو به صدای تار می زند و از فرطِ تناسب متمیز نمی شود. تا قوتِ متمیزه درست نباشد فرق از صدای تار سازش کردن متعذر است و به خیالہای مروجۂ دہلی که متصف به سدا رنگ است، زبانش آشنا است و ناطقه اش باین اسلوبِ مرغوب زمزمه پیرا.

امردِ ہنگامه پیرا میاں ہینگا

رنگش چینی است و لباسش یاسمینی. در پیشگاهِ قلعۂ دار الخلافه ہر روز بزم آراست و به مدعای تماشائیان ہنگامه پیرا. به ملاحظۂ رقصِ او، اشخاصِ معتبره تمهیدِ سیرِ چوک می کنند و به مشاہدۂ حُسنِ او، تقریبِ ابتیاعِ نفایس و نوادر بر روی کار می آرند. و بے تکلف مشتریان خود بلا شائبۂ تصنع، در اطرافِ مجمع او سوارِ اسپانِ بادپا گشته صنعِ الٰہی را معاینه می نمایند. حلقۂ افیال و ہجومِ خیول در جوابِ این سیرگاه متعذر الانحصار است، و کثرتِ خلایق از قایمین و قاعدین در دورِ این تماشاکده خارج از دایرۂ شمار. امورِ ضروری ابتیاعی را مردم موقوف کرده مشغولِ تفرج می شوند و وجهِ خرید و نقد فرصت را از کف داده خاین و خاسر به خانه می روند.

ادا ہای خرامش خانه برانداز عالمے است و التفاتہای مخصوصش تاراج کنِ مردمے، صباحتِ رنگش از ملاحت باج می گیرد و سبزۂ خطش از سبزانِ چمن خراج. از سفید پوشیہا بمشابۂ خوشنما است که گویا در عینِ شام صبحے دمیده، یا گل چاندنی است که در فضای چمن بے اختیار بالیده. تا غروبِ آفتاب جلوه گری ہا کرده مبلغے معتدا به تحصیل می نماید و راهِ خانه می گیرد و ہر چند که اعزه تکلیف می نمایند به خانۂ کسے اقدام نمی نماید. ہر که شیفتۂ او باشد می باید به خانه اش برود و احتظاظِ وافی بردارد.

سلطانه

امردیست سبز رنگ، در سنِ دوازده سالگی. در رقص طرفه ادا ہا و شوخیہا دارد و

سحر کاریهای خواندنش عالمے را مفتون و خلقے را مجنون کرده. درین عمر قسمے تحصیلِ علم موسیقی کرده که مزیدی برآن متصوّر نباشد. در غنچگی پهلو به گلهای شگفته می زند دباوجودیکه پرتوِ چراغے بیش نیست دعویِ همسریِ آفتاب دارد. سامعه از کم وسعتهایِ خود در حسرت است و باصره از کم ظرفیهای نگاه در خجلت.

شبے صاحبے از صاحبانِ ما بزم آرا بود. صحبتِ مستوفی دست داد و همه شب به عشرت و انبساط گذشت. خارخارِ حسرتِ اعادهٔ صحبتش در دلهایِ یاران باقی است. شوق تحریکے می خواهد. درگاهی نام زنگوله نوازے همراهش بود، مراحل امردی را قطع کرده. چون تعینے از مزاجش محسوس نمی گردید تامّل به تفتیش پرداخت. معلوم گردید که در نواختنِ زنگوله و رقص نظیر ندارد. هرچند یکه هیئتش مقتضیِ حرکاتِ رقص نبود لیکن طبیعت برین آمد که عیارش به محکِ امتحان رسد. نامور کردند. در واقع استغنا و تعینش بجا بود. بمجردِ تهیهٔ رقص حیرتها دست داد و همه تن چشم گردید. گاهے درعینِ رقص صدا از یک زنگ برمی آورد، گاهے از دو وگاهے از همه. غرض طرفه قدرتے و عجب مشقے داشت. شورِ تحسینها بر صدای زنگوله اش چربید و صدای بَهْ بَهْ آفرینها اصول را معطل کرد. و همین قسم مورچنگ نوازے در همین طایفه معاینه گردید که همتا نداشت و برگِ کاه را در دهان گرفته مثلِ بُلبلِ داستان سرا شروع به نواسنجی کرد و به هزار زبان گویا گردید. بے تکلف از نوای او و چهچهِ بلبلِ داستان سرا هیچ فرق کرده نمی شد. منطق الطیرِ مجسّم به مشاهده رسید.

سرس روپ

به مشاهدهٔ حرکاتِ دلفریبش چشمِ تمنا روشن و به اندیشهٔ خرامش صفحهٔ خاطرها رشکِ گلشن. نسایمِ آهنگش بهار آفرین و شمایمِ نغمه اش عطرآگین. رقصش در نهایتِ رنگینی و محبوبی و خواندنش در اقصایِ مرتبهٔ دلچسپی و مرغوبی. منتخبِ اربابِ جاه و جلال است و مستحسنِ اصحابِ وجد و حال. شعشعهٔ حسنش نظر را خیره می کند و تصوّرِ لمعهٔ جلوه اش عقل را تیره. دریافتِ صحبتش بے وسیلهٔ تعارف متعذّر است و نیلِ ملاقاتش بے تقدیم تواضعاتِ مناسب متعسّر. تعالیٰ شانهٔ سیرِ خاطر خواهے به اربابِ ذوق نصیب گرداند و دستِ شوق به دامانِ تمنا رساند.

نورِ حدیقہ، خوش ادائی خمیرمایۂ روشنائی، نور بائی

از ڈومنی ہای دہلی است۔ رفعتِ شانش بمرتبہ ایکہ امرا بہ دیدنش التجا دارند و برخے بہ خانہ اش می روند۔ خانہ اش چون خانۂ اربابِ دول سامانِ ہزار رنگ تجملِ دربار و کوکبہ، سواری بہ نیرنگِ سواریِ عمدہ ہا پُر از چاؤش و چوبدار۔ بیشتر سواریش سواریِ فیل است[۵۴]۔ در خانۂ عمدہ ہا کہ وارد می شود یک رقم جواہر رونما تواضع می کنند و مبلغے معتد بہ بخانہ اش می فرستند کہ قبولِ دعوت می کند۔ رخصتانہ را از ہمین قیاس باید کرد۔ مزۂ صحبتش بہ مذاقیکہ آشنا شد باعثِ خانہ خرابی است و نشۂ آشنائیش بہ ہر دماغیکہ سرایت کرد، چون گرد باد در کشاکشِ بیتابی۔ عالمے بضاعت اعتبار را در سر این کار کرد و خلقے سرمایہ ہا را بہ غارت این ستمگر داد۔ صحبتش تا کیسہ پُر است، گیرا است، و الفتش تا نقد باقی است، پذیرا۔ تمکینش با تمکینِ گوہر ہم ترازو، آب و رنگش با آب و رنگِ گلشن ہم پہلو۔ سخن فہم بے نظیر است و نکتہ دانِ خوش تقریر۔ صفای روزمرۂ اش سامعہ را در بوے بہار غوطہ می دہد و اداے محاورہ اش زبانہا از گلبرگ می تراشد۔

مصاحبے باین رنگینی اگر نصیب شود مفتِ آرزو است، و ہمدمے باین شوخی اگر دست دہد، ہر چہ باشد ہمہ از و۔ مراعاتِ مجلس و ادب بمرتبہ ایکہ چندین ادیب می باید تعلیم گیرند و پاسِ خاطرِ جمیع حضارِ محفل بمثابہ ایکہ صاحبانِ تہذیبِ اخلاق می باید تلقین پذیرند۔ خواندنش خالی از مزہ نیست۔ مستحسنِ اربابِ موسیقی است۔ جنگلا راگہ بالفعل رایج الوقتِ دہلی است، خوب مشق کردہ، بموافقت جمعے از نسوان کہ ہر یک بیگم و خانم نام دارد، بزم آرامی شود و برای رعایتِ ہر کدام سفارشہا می کند۔ چون خاطرش ہمہ جا عزیز است ہر چہ می گوید متلقی بہ قبول می شود[۵۵]۔ الحاصل دیدنی است نہ شنیدنی۔ فقیر یکمرتبہ استفادۂ صحبتش کردہ۔

چمنی

از مشاہیرِ دہلی است و پادشاہ رس و بمقتضایِ کسبِ کمالِ موسیقی کہ پہلو بہ صاحب کمالانِ

عصر می زند؛ ہمہ جا معزّز و محترم و صحبتش بدونِ بذلِ لایق از ممتنعات. سوای این، کمال خوش صحبت و خوش روزمرہ است و سخن در نہایتِ پختگی می گوید. چون از بہارِ جوانیش تباشیرِ صبحِ پیری گل کردہ، غیر ازینکہ کسے صرف بہ شنیدنِ سرود شوقے داشتہ باشد، میل نمی کنند. پادشاہ ہم گاہے گاہے یاد می فرمایند و التفات می کنند.

نغمہ اش طایرِ ہوش را بہ پروازِ وداع سر می دہد و آہنگش آب رفتۂ آرزوہا را باز بہ جوی می آرد. در ترانہ سنجی زبانش از مقراضِ گویا سبقت بردہ. اکثرے معاصرانِ او اعتراف بہ کمالش دارند.

خالی از اہلیت نیست. مراعاتِ آشنائی می کند. یک شبے در خانہ اش اتفاقِ صحبت افتاد. تا صبح صحبتہا کوک بود.

ادا بیگم

در دہلی مشہور و معروف اند کہ پایجامہ نمی پوشند و بدنِ اسفل را بہ رنگ آمیزیہای خامۂ نقاش بہ اُسلوبِ قطعِ پایجامہ رنگین می کنند. بے شایبۂ تفاوتِ گل و برگ کہ در تھانِ کمخاب بندرومی می باشد، بقلم می کشند و در محافلِ امرا می روند. ہرگز امتیاز از پایجامہ و این رنگ کردہ نمی شود تا پردہ از کارش نیفتد، فہمِ ہیچکس بہ کنہِ صنعتِ آنہا نمی رسد. چون خالی از ندرت و غرابت نیست، مرغوبِ دلہا اند.

پہیانی فیل سوار

از مشاہیرِ رقّاصان و رئیسِ طایفہ داران است. چوبداران نوکر اند. با امرا بآئینِ ہمچشمان ارتباط است. رقعہ ہا در سفارش می نویسد و اینہا قبول می کنند. سابق با اعتماد الدولہ ربطِ خلصے بود و ایشان بہ خانۂ او می رفتند. یک مرتبہ بہ رسمِ تواضع، آلات و ادواتِ تجرّع کہ عبارت از گلابی و پیالہ ہا و غیرہ باشد، گذرانیدہ بود. چون ہمہ اش ترصیع داشت ہفتاد ہزار روپیہ قیمت گشت. قِس مِن ہذا علی التموّل.

خوشحالی رام جنی

از ملازمانِ سرکارِ اعتماد الدوله است. طرفه شانے دارد و عجب تعینے. در مجلسے که رقص می کرد و اکثرے از اعیانِ شهر مجتمع بودند، هیچکس را در نظرش وقعتے نبود و از فرطِ استغنا به، هیچ التفاتے و خطابے نمی کرد و خواندنش لبسیار رنگین و حرکاتش در نهایتِ تمکین بود۔

آسا پورا

از رام جنی ها است و از شهرتِ کمال در همه محافل محترم است و پیشِ جمیع نغمه سنجان مکرم. کبت خوانیش بقاعدهٔ کلاونتهای قدیم در نهایت مضبوطی و زیر و بمش بقانونِ استادانِ باقصیٰ غایت مربوطی. نغمه اش در همه حال سر سبز و آهنگش در همه جا رو سپید. بسببِ رسائیِ سن اکثرے از دلهایِ معاشران یکسوست لیکن به چشمِ قدر دانِ نغمه باید دید که چقدر در نظرِ آنها وقعے دارد، حرمت طلب است و مستحقِ حرمت، خواهانِ عزت است و شایستهٔ عزت۔

چک مک دهانی

در بهارِ جوانیها طرفه شوخی داشت مطبوعِ جمهور بود. بادشاهِ جم جاه فریفتگی داشتند و چک مک خطاب داده بودند. الحال که قدم در شیب گذاشته، اعتبارش رو به نشیب است. درد آهنگش سامعه پرور و شورِ نغمه اش جنون آور. مبلغها صرفِ تواضعش می کردند تا شبے میسر می آمد و زر ها سبیلِ رامش می نمودند تا راهِ مدعا وا می شد. حالا هم حصولِ صحبتش بے تواضعِ مستوفی متعذر است و رابطه های آشنائیش بے سماجتهایِ رسا متعسر۔

کالی گنگا

از معتبرهٔ رقاصان است و از فرقهٔ احترام کیشان. سیه فامیش چون خالِ گلرخان زیب افزا است و چون سوادِ دیدهٔ سیه چشمان مردمک آرا. تمکینش بمرتبه ایکه سخن به هزار پیچ و تاب

به زبان آشنا می گردد و خرامش بتدریجے که تا قدم به دایرهٔ مجلس گذارد، اضطراب به دلها را می یابد. خواندنش سرمشقِ نغمه سنجان است و رقصش[۱] دستور العملِ چابک خرامان. خالی از تعیّن نیست و می سزد. سماجتها می طلبد و می کنند۔

زینت[۲] و بہجی

خوش ادائیہایش در تہییج موادِ باہ دخیل و نازک اندامیہایش ہیجانِ شہوت را کفیل. نغمہ اش پیامِ حلاوت می رساند و آہنگش منّتے بر سامعہ می گذارد. نغماتِ راگش با صافیِ چہرهٔ او ہمرنگ و آہنگش به صفایِ رنگ او ہم سنگ. طبایعِ لطیف را نظر بملاحظهٔ لطافتش میلِ طبیعی و امزجهٔ نظیف[۳] را نگاه به مشاهدهٔ نظافتش[۴] خواہشِ فطری. رقصش غیر از خرامے بیش نیست و به دل نزدیک تر است و تعیّنش در قبولِ ہم آغوشیہا بجان است و خوش آیندہ تر. ہر شبے ردیفِ آغوشِ حریفے است و ہر روز ہمدوشِ ظریفے. و از ہجومِ استدعا سر رشتهٔ قبولِ صحبت گم است، کاش از سوراخے سر بدر می آورد، و از کثرتِ تکالیف قافیهٔ وقتش تنگ است، کاش چیزے دیگر می بود. خانہ اش بدوشِ یاران است و دعوی خانہ بدوشی او را مسلّم و کاشانہ اش در بغلِ معاشران است و ادعای بغل گیری با و مناسب و مغتنم[۵]:

می کشندش چو قدح دست بدست
می برندش چو سبو دوش بدوش

گلاب

از خواندنش رایحهٔ گلاب به مشام می خورد و از ملاحظهٔ حرکاتِ رنگینش کیفیتِ شراب دست می دہد. پختگیہای فنش مطبوع و حاضر جوابیش پیش[۶] ہمہ کس منظور و مسموع. نکته فہم است و سخندان، خوش نغمہ است و مسلّم نغمہ سنجان۔

محوِ کدام آینہ سیما شود کسے
آئینہ خانہ ایست دو عالم زروی دوست

رمضانی

خیالش چون صبحِ عیدِ رمضان، زنگ از دلہا می برد و نغمہ اش در سوادِ خاطرِ معاشران اثرہا دارد۔ در محفلے کہ واردمی شود حکمِ عیدگاہ بہم می رساند و بہ مجمعے کہ ورودش واقع می گردد رسمِ تہنیت بعمل می آید۔ والہِ صحبت قدردان است و شایقِ ادا فہم نکتہ دان۔ بینش مانعِ گرمِ اختلاطی است، ہوس پیش پا می خورد و کموتش باعثِ خودداری، پہلو از تکلف خالی می کند۔

رحمان بائی

از ڈھاڑی زادہ ہا است۔ سیاہیِ رنگش بمنزلہ تصویرِ سیاہ قلمے منظورِ صاحب نظران و رسائی آہنگش بمثابہ نشترِ فصاد باعثِ تحریکِ رگِ جان۔ خالِ رویِ استعداد است و سرمۂ چشمِ ایجاد۔ اتحادِ سواد چون شامِ کشمیر در نظرہا خوشنما و سیاہیِ لونش چون سیاہیِ آبِ حیات در مردمکہا روح افزا۔ سکناتش شوخی آمیز و حرکاتش فتنہ انگیز۔ بہ ہر محفل کہ وارد می شود، خود را از تکلف می دزدد و از دستبردِ ہوس محفوظ بدر می جہد۔ می گویند نامہ اش سربستہ است و مہرش ناشکستہ:

خطش نہ کردۂ مانی، نہ نقشِ بہزاد است

کہ این سیاہ قلم کارِ چوبِ استاد است

پنا بائی

از تلامذۂ مخصوصِ نعمت خان است و بآئینِ زبانِ او غزل خوان۔ اگر قلمِ زمرد بہ تحریرِ وصفش مخترع شود، می سزد کہ سرسبزیِ بہارِ آہنگ وابستۂ صدای اوست و تریاقِ مارگزیدہای فراق سازِ دلنوای او۔ استقامتِ اوج گرائیہای نغمہ اش بمرتبہ ایکہ تا نفس بلند شد در حینِ نشید نغمۂ صدایش بسانِ تارِ شعاعیِ آفتاب بہ آسمان می پیوندد و قدرتِ موشگافیہای اندازِ تصرفاتش بمثابہ ایکہ تا فہمِ سلیم ادراک نماید، گرہ بر تارِ ہوا می بندد۔ آہنگِ رسایش بسانِ اندیشۂ ذوی العقول فلک پیما و نغمۂ بلندش برنگِ فکرِ منجم اوج گرا۔ تقریرِ دلپذیرش سندِ معاشرت

پیشگان و تمہیدِ گفت گویش دستور العملِ عشرت طرازان ۔ در ضمنِ ہر سخن لطیفۂ رنگینے مضمر و در ادای ہر حرف طیبتِ خاصے مدغم و مستتر۔ حُسنِ ادایش از حسنِ دیگران چسپان تر است و لطفِ مقالش از غنج و دلالِ این و آن خوش آیندہ تر، سامعہ کہ آشنای آہنگش گردید از مسموعاتِ دیگر مستغنی است و ذایقہ کہ متلذذ بہ نغمای نغماتش گشت از چاشنیِ نوای دیگران منزوی ۔ مقدمش در ہمہ جا اعزاز اکتساب است و خواندنش در ہمہ حال عشرت انتساب ۔

طوطیِ شاخسارِ خوش نوائی کمال بائی

صافیِ مشقش در موسیقی چون نامش با قصی عنایتِ کمال است و تربیتش در رقصِ خوش ادائی بہ کمال عظمت و جلال ۔ مدتے در محلِ بادشاہ بزم آرا بود و در حلقۂ نوا سنجی سخن سرا۔ درین ولا کہ از سانحۂ نادر شاہی مزاجِ بادشاہِ دین پناہ از استماعِ ساز و نوا انحراف ورزیدہ و نغمۂ اربابِ نغمہ یکقلم متروک و موقوف گردیدہ، باین تقریب صحبتش میسر آمد، والّا از ممتنعاتِ عقلی بود، خواندنش موافقِ ضوابطِ کلاونت بچہ ہا است ۔ بسیار بہ رنگینی و حزینی می خواند و سامع را بہ دایرۂ تواجد می نشاند ۔

بیشتر خیالِ نعمت خان کہ منسوب بہ بادشاہِ غازی است، استعمال می نماید و ابوابِ انبساط بر روی مشتاقان می کشاید ۔ بمثابۂ مشتاق کہ اگر تکلیفِ صحبتِ روز و شب نمایند، چون بلبلِ بہار غزلخوان است، و برنگِ قطعۂ چمن از تر زبانی خود گل فشان ۔ خالی از تمکین و ادا نیست ۔ از شوخیہا آشنا است و باعتبارِ آداب و آئین در امثال و اقران مستثنیٰ ۔ ہر کہ طلبید خط مستوفی بر داشت و رقمِ الفتش بر لوحِ خاطر نگاشت ۔

سرمشقِ رنگینی و پختہ ادائی، اوما بائی

رنگینیِ حرکاتِ دلپذیرش برنگِ نسیمِ بہار چمن آرای انبساط و بہار آہنگیِ نغماتِ بے نظیرش گلدستہ بندِ ریاحینِ نزہت و نشاط ۔ بدیہہ گوئیہایش در عالمِ بداہت چون فکرِ اسیر لبریزِ شوخی و رنگینی، و نقالیہایش بسانِ نقلِ شراب در نہایتِ خوش مزگی و نمکینی حرکات و

سکناتش ہمہ موزون و مرغوب، خرام و ادایش ہمہ خوش اندام و خوش اسلوب۔ در عالمِ کبت کشتی گیر و در فضای خیال چون خیالِ نظیری بے نظیر۔ طبیعتش الفت پیرا است و مزاجش بہ وفا آشنا۔

نورس کنور کہ نہالِ نوخیز ہمین چمن است و بہ موزونیِ قد رشکِ سروِ گلشن، معشوقۂ صاحبی میان محمد ماہ است کہ سندِ معاشرت پیشگان اند و سر آمدِ جمیع بزم آرایان۔ اکثرے بہ دولتخانۂ الیشان صحبتہا منعقد می گشت و احتظاظِ وافی محصل می گردید۔

پنا و تنو

سابقاً مقدمِ این طایفہ۔ باعتبارِ حسنِ سرشار و کمالِ وجاہت و حسنِ غنا و تناسبِ جوارح و اعضا منظورِ جنابِ پادشاہی بود و موردِ عنایاتِ نامتناہی، اکنون شمعِ بزم آرای مشتاقان است و رنگ افروزِ جبہۂ تکلیفِ آرزومندان۔ خرامش ہمینکہ بہ حرکاتِ رقص آشنا گردید، شورِ تحسین پیشتر از نغمہ بلند می گردد، و صدایش ہرگاہ کہ بہ اوج کشید از غلغلِ آفرین فضای ہوا تنگ می نماید، رنگینیِ روزمرہ ہایش سامعہ را بہ گلگشتِ بہار می برد و قسمہای شیرینش کہ درحقیقت جزوِ محاورہ است، افسونِ بیخودی بہ گوشِ دلہا می خواند، خواندنِ خیالِ بہ نزاکتے و اندازیست کہ حوصلۂ سامعہ بہ فریاد می آید و بے اختیار ہا و ہو کنان بہ دایرۂ وجد و حال می آرد ـ گرسنہ چشمانِ راگ را از مایدۂ صحبتش سیرے نیست و نادیدگانِ حسن را از دامِ اختلاطش رہائی نہ۔

علی الخصوص تنو کہ بہ زورِ سرپنجۂ غنج و دلال لسانِ طرۂ خود جانہا را تاب می دہد و بہ اعانتِ سامانِ حسن و جمال کہ شوخیہا فقرۂ مستزادِ اوست، و قسمہای رنگین بندِ ترجیعِ او، نظمِ دلہا را بہ بند می رساند۔ بہ ادای کافر ماجرائیہای نگاہش قلم چون قلمِ نرگس حیرت ایجاد و بہ گزارشِ کرشمہ سنجیہایش نالِ خامہ بہ رنگِ نی لبریزِ فریاد۔ یکی از اسارِ ایشِ گلدستہ بندِ رنگینی و میرزائی میان محمد ماہ اند کہ یادِ الفتہا و انعقادِ صحبتہایش دو دارۂ دماغ زندگی بر می آورد و در عین خوشی بمزہ می دارد۔ فرد:

رفتیم و نرفت حسرت از دل
چون آینہ ایم جلوہ بسمل

بارے اگر وصال نباشد خیالے است، و اگر خورشید نباشد ہلالے۔ وصف العیش نصفُ العیش۔

تمّت تمام شد کارم نظام شد
ہرکہ خواند دعا طمع داریم
زانکہ من بندہ گنہ گاریم
تحریر بستم شعبان ۱۱۸۵ ہجری

اردو ترجمہ

جب سے نواب درگاہ قلی خاں بہادر سالار جنگ موتمن الدولہ نواب نظام الملک آصف جاہ کے ساتھ جہاں آباد گئے تھے۔ وہاں کی جو خصوصیات انھیں نظر آئیں، انھیں لکھ لیا۔ چوں کہ کیفیت سے خالی نہیں ہیں، اس لیے انھیں بیان کیا جاتا ہے۔

ذکر قدم شریف

آنحضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شفاعت بخشنے والے قدم کی برکت سے گلشن میں رونق ہے۔ (قدم شریف کی درگاہ کے) آستانے کی گرد اربابِ بصیرت کی آنکھ کا سُرمہ اور اس کے راستے کا غبار اہلِ دانش وبینش کی دولت ہے۔ گناہگاروں کی پیشانیاں اس آستاں پر کثرتِ سجود سے آئینہ دارِ امتیاز اور حاجت مندوں کی آنکھیں اس چوکھٹ کی خاک کی دریوزہ گری سے سرمہ طراز ہیں۔ وہ بارگاہ، جس کی ڈیوڑھی مرتبے میں ساتویں آسمان کے برابر ہے، واجب التعظیم ہے اور (یہاں) ہر شخص ہمیشہ سرگرمِ مجرا و تسلیم رہتا ہے۔ فرد:۔

"جس زمین پر تیرے پاؤں کا نشان ہوتا ہے؛ صاحبِ نظر مدتوں اُسے سجدہ کرتے ہیں۔"

جمعرات کے دن اس درگاہ کا صحن زائرین کے ہجوم سے ایسا بھر جاتا ہے کہ بڑی مشکل سے لوگ طواف گاہ (قدم مبارک) تک پہنچ پاتے ہیں۔ ربیع الاول کے مہینے میں صبح سے شام

تک ایسا ہی ہجوم رہتا ہے۔ دُور دُور کے شہروں سے فقیر اور زائرین زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اور دامنِ آرزو کو مُراد کے پھولوں سے بھرتے ہیں۔ دارالشفا سے قدم مبارک کو دھونے سے تشنہ لبوں کو جو کچھ شربتِ آبی (پانی) نصیب ہوتا ہے، اُسے تندرستی کے لیے پیتے ہیں۔ اور برکت کے لیے دور دراز کے مقامات پر رہنے والوں کے لیے لے جاتے ہیں۔ آخرت میں جزائے خیر کے لیے سعادت مند لوگ اس درگاہ کے نواح میں بڑی بڑی قیمتیں دے کر زمین خریدتے ہیں۔ اور اپنے آخری گھر (قبر یا مقبرے) کی بنیاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ اُس (درگاہ قدم شریف) کے اطراف میں بہت مقبرے ہیں اور غریبوں کی قبروں کی تو گنتی ممکن نہیں عرسِ مبارک کے دنوں میں یہ مقام زائرین سے ایسا بھر جاتا ہے کہ اگر علی الصبح وہاں نہ پہنچیں تو بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں ملتی۔ دولت مند لوگ نذر کے طور پر کھانے پینے کا جو سامان بھیجتے ہیں وہ فقیروں اور مسکینوں کے کام آتا ہے اور کئی دن کے لیے اُن کے پاس ذخیرہ ہو جاتا ہے۔

سبحان اللہ عجیب مکانِ فیض نشان ہے کہ اس کے در و دیوار سے کرامت و اعجاز کا نُور برستا ہے۔ دروازۂ رخصت کے سامنے جو حوض ہے وہ ماءالمعینِ کرامت اور عین الحیاتِ سرچشمۂ رافت ہے۔ پیاسے لوگ دل بھر کر اس کے آبِ شیریں سے سیراب ہوتے ہیں۔ پرانے زمانے میں ایک بادشاہ کا انتقال ہوا، تو اُس کی وصیّت کے مطابق قدمِ معجز شیم کو اُس کے سینے (قبر) پر نصب کر دیا۔

قدم گاہِ امام مفترض الطاعۃ للمسلمین امیرالمومنین علیؑ

بادشاہی قلعے سے تین کروہ کے فاصلے پر واقع ہے۔ زائرین سعادتِ اُخروی حاصل کرنے کے لیے ہفتے کے روز جوق در جوق زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اور اعتقاد کے گوشۂ دستار پر مجبراد تسلیم کے پھول سجاتے ہیں (عقیدت و محبّت کا اظہار کرتے ہیں) آپ کے در کی خاک بیماروں کے لیے ذریعۂ شفا ہے اور آپ کے رحمت کے چشمے کا میٹھا پانی حاجت مندوں کی آبرو ہے۔ اکثر لوگ دل کی مراد پوری کرنے کے لیے منّت مانتے ہیں اور مراد پاتے ہیں۔ بارہ محرّم حضرتِ امام حسین کی زیارت کا دن ہے۔ ماتم گزار دلِ محزوں اور چشمِ گریاں کے ساتھ، اُس مکانِ

خُلد آستان میں ماتم کے لیے جمع ہوتے ہیں اور زیارت کرتے ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جو اُس دن، اس سعادت سے بہرہ ور نہ ہو۔ عوام و خواص کی سواریاں اتنی کثرت سے ہوتی ہیں کہ سڑکیں چیونٹی کی آنکھ کی طرح تنگ ہو جاتی ہیں۔ اہلِ حرفہ بہت خوبصورتی سے دکانیں سجاتے اور خوب نفع کماتے ہیں۔ چونکہ خانہ اربابِ ایمان کے لیے مخصوص جگہ ہے، وہاں منقبت خواں بلند آواز سے ماتمی قصیدے پڑھتے ہیں اور اس معجز انتساب آستانے سے نجات کا پروانہ حاصل کرتے ہیں، مصرع:۔

اگر عاقبت میں بھلا چاہتا ہے تو اُس کی زیارت کر

درگاہ ملائک بارگاہِ حضرت قطب الاقطابؒ

لال قلعے سے سات کروہ کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کا مزارِ مبارک بغیر چھت کی مسجد کے صحن میں رونق افروز ہے۔ (زینتِ ترتیب یافتہ) (تمام) ہندوستان کے زائرین اس کا طواف کرتے ہیں اور تمام ضرورت مندوں کا مرجع و مقصد ہے۔ اس کے در و دیوار کی صفائی اور پاکیزگی جنت کی یاد دلاتے ہیں۔ اُس کی بابرکت فضا خدا کی رحمت کا احساس دلاتی ہے۔

صبح کے وقت مزارِ مبارک کے چاروں طرف مست کر دینے والا نُور برستا ہے جس سے زائرین کے دلوں پر عجیب طرح کا کیف طاری ہو جاتا ہے۔ صبح کے ادائے فریضہ (نماز وغیرہ) کے بعد اربابِ تمنّا اس کا (مزارِ مبارک کا) طواف کرتے ہیں اور مرادوں کے پھولوں سے دامن بھر کر انتہائی انبساط و سرور کے عالم میں واپس جاتے ہیں۔ اگرچہ اُس کی (مزارِ مبارک کی) زیارت روز کی جاتی ہے لیکن جمعرات کے دن خاص طور سے عجیب و غریب ہجوم ہوتا ہے۔ صاحبِ استعداد لوگ رات کو دہلی سے روانہ ہو جاتے ہیں، پہلے زیارت سے فارغ ہوتے ہیں اور پھر آپ کے قدموں کی برکت سے ہر طرف جو سبزہ زار اور چشمے ہیں، اُن کی سیر اور خاص طور سے حوضِ شمسی کی سیر سے، جو متبرک چشموں میں ہے، طرح طرح کے فیض اٹھاتے ہیں، آپ کے مزارِ فائض الانوار کے چاروں طرف بہت سے مردانِ خدا کے مزار ہیں۔ چنانچہ آج بھی (یہاں) اہلِ یقین پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اربابِ ذوق لذّتِ درد سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اس سوادِ بہشت نشاں کے گرد بہت سی متبرک عمارتیں ہیں۔ خاص طور سے مسجد اولیا، جسے حضرت قطبُ العارفین خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے تعمیر فرمایا تھا۔ جو کوئی یہاں نماز پڑھتا ہے عبادت کے لطف سے آگاہ ہوتا ہے۔ غرض کہ یہاں اتنے اولیائے کرام کی قبریں ہیں کہ (اس مقام پر) بہشتِ بریں کو بھی رشک آتا ہے۔ ملفوظات میں لکھا ہے کہ یہاں کی عیدگاہ میں اکثر خواجہ خضرؑ تشریف لاتے ہیں۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کی قبر بھی آپ کے مزارِ مبارک کے پاس ہے۔ اور بہادر شاہ (اوّل) کو ان کی خوش نصیبی نے، اس رحمت و کرامت کے دامن میں پناہ مل گئی (بہادر شاہ اوّل کی قبر آپ کے مزارِ مبارک کے قریب ہے۔

ربیع الاوّل کی سولہ تاریخ کو عرس ہوتا ہے۔ اور بے شمار لوگ زیارت کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور دو روز تک (یہاں کی) سیر کرتے ہیں۔ قوال ہر وقت مزارِ مبارک کے سامنے کچھ فاصلے پر کبھی کھڑے ہوکر اور کبھی بیٹھ کر بندگی پیش کرتے ہیں۔ شاہ شہید محمد فرخ سیر نے درگاہ کے ایک طرف سنگِ مرمر کی تراشی ہوئی دیوار کھڑی کردی ہے۔ اس (دیوار) کی جالی بہت ہی نازک اور سنگِ مرمر بہت چمکدار اور لطیف ہے۔ قطعہ:۔ "وہ بادشاہ جس نے دنیا میں فقر کا علَم بلند کیا۔ دونوں جہان ترک کرکے گوشۂ عزلت میں جا بیٹھا۔" جس طرح قطب تارے سے قبلے (سمت) کی شناخت ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت قطب الدین راہِ خدا میں رہنمائی کرتے ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ معشوق الٰہی

آپ کا مزارِ مبارک پرانی دلی سے آدھے کروہ کے فاصلے پر واقع ہے۔ آفریں ہے اس روضے پر، جس کے صحن میں سلاطین پناہ حاصل کریں اور بڑے بڑے بادشاہوں کی دلی آرزو ہو کہ اُس آستاں پر جبہ سائی کریں۔ اُس کے در و دیوار سراپا انوار سے فیض برستا ہے۔ اور اُس کی خاکِ پاک سے سعادت کا چشمہ اُبلتا ہے۔ اُس آستاں کا (لوگوں کو دور رکھنے والا) عظمت و جلال اچھے اچھے متکبروں کا زہرہ آب کردیتا ہے۔ اس عظیم الشان عمارت کا رعب اور شان و شوکت بڑے بڑے مغروروں کے سروں کو سجدے پر مائل کردیتا ہے۔ اُس مرقدِ فردوس آئین سے ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کے بیان سے ناطقہ عاجز ہے۔ اس

چمنستانِ جنت اُگیں میں ایسے ایسے رنگ نظر آتے ہیں کہ انھیں بیان کرنا قلم کے بس میں نہیں۔
ہر بدھ کو عوام و خواص زیارت کرتے ہیں اور قوال پورے ادب کے ساتھ کھڑے ہو کر قوالی کرتے ہیں۔ خاص طور سے صفر کے مہینے کے آخری بدھ کو (یہاں) زبردست ہجوم ہوتا ہے۔ دلّی والے بہت سج دھج کر یہاں آتے ہیں اور زیارت کے بعد اُن باغوں کی سیر کرتے ہیں جو روضۂ مبارک کے نواح میں واقع ہیں۔ اہلِ حرفہ جا بجا دکانیں سجاتے ہیں۔ اور تماشائیوں کی پسندیدہ اور مطلوبہ چیزیں پیش کرتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں مطرب نغمہ سرا ہوتے ہیں کہ اُن کی آواز سامعہ پر گراں گزرنے لگتی ہے۔ ہر گوشہ و کنار میں نقال اور رقّاص دادِ خوشش ادائی دیتے ہیں۔ عرسِ مبارک ربیع الثانی کی چودہ تاریخ کو منعقد ہوتا ہے۔ (زائرین) اُس آستانِ جنّت نشاں کو بوسہ دے کر فخر حاصل کرتے ہیں (درگاہ کے) چاروں طرف اتنے خیمے لگتے ہیں کہ جگہ باقی نہیں رہتی۔ قوّال تمام رات باری باری قوّالی کرتے ہیں۔ اور مشائخ و صوفیائے کرام کے لیے وجد و حال کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

بواہیروں کی محفلیں بھی بہت دیر تک چلتی ہیں اور عجیب انداز کا شور و شغب ہوتا ہے۔ اس فرقے کے لوگ اور تمام زائرین رات بھر جاگتے ہیں اور بیشتر لوگ مرقدِ منوّر کے اطراف میں مراقبہ کرتے ہیں اور کچھ لوگ تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتے ہیں۔ اس رات کی صبح عجیب فیض آگیں ہوتی ہے اور فجر کی نماز میں عجیب لطف و سرور میسّر ہوتا ہے۔

آپ کے مزارِ مبارک کے پائنتی حضرتِ امیر خسرو علیہ الرحمۃ آسودہ ہیں۔ دونوں کے درمیان چند ذرع (تقریباً ایک ہاتھ کے برابر) سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ ان کے عرسِ مبارک میں بھی خاص کیفیت ہوتی ہے۔ اور سماع ہوتا ہے۔ اس روضے کے اطراف میں مجاوروں کے گھر ہیں۔ (یہ مکانات) اپنی جگہ ایک بستی ہے۔ ان (مجاوروں) کی گزر بسر نذروں اور اُسی آمدنی پر ہے جو انھیں وکیل کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ کیسے خوش نصیب ہیں یہ سعادت مند کہ اس خطّۂ پاک کے قریب اُن کے رہنے کے مکان ہیں اور ہر وقت زیارت کے فیوض سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی اس بزرگوار کا مزار پُر انوار پرانی دہلی سے تین کروہ کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کا سوادِ روضہ، روضۂ رضواں کی طرح انتہائی دلکشا اور اُن کے مرقد کی فضا خیابانِ بہشت کی طرح نہایت خوش ادا۔ اس سرزمین سے اُن کی کمالوں کی کرنیں آفتاب کی روشنی کی طرح درخشاں ہیں۔ اور اُن کے کرامات کی روشنی اُس خطۂ دلنشیں میں فانوس میں روشن شمع کی طرح منوّر ہے۔ آپ کی کرامت کی شعاع سے حاجتمندوں کا چراغ جلتا ہے اور مصیبت زدوں کے دل آپ کی ہولے توجہ سے رشکِ گلشن ہیں۔ حقیقت میں چراغِ دہلی ہیں بلکہ تمام ہندوستان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے مزارِ مبارک کی زیارت اتوار کو ہوتی ہے۔ دیوالی کے مہینے میں خاص طور سے زبردست ہجوم ہوتا ہے۔ اس مہینے کے ہر اتوار کو دلّی والے زیارت کی سعادت حاصل کرنے جاتے ہیں۔ اس درگاہ کے قریب ایک چشمہ ہے وہاں خیمے اور قناتیں لگا کر غسل کرتے ہیں اور اکثر لوگ پرانے امراض سے مکمل شفا پاتے ہیں۔ مسلمان اور ہندو دونوں یکساں زیارت کرتے ہیں۔ صبح سے شام تک زائرین کے قافلے لگاتار پہنچتے رہتے ہیں۔ ہر درخت اور ہر دیوار کے سائے میں فرش بچھا کر دادِ عیش و خوش دلی دیتے ہیں۔ عجیب و غریب سیر و تفریح اور طرفہ تماشا ہے۔ ہر جگہ راگ و رنگ اور ہر گوشہ و کنار میں صدائے پکھاوج و مورچنگ۔ عرسِ مبارک بھی شان و شوکت سے ہوتا ہے۔

بادشاہِ جم جاہ محمد شاہ نے مزارِ مبارک کے چاروں طرف پختہ احاطہ بنوا دیا ہے۔ اس کا صحن اتنا وسیع ہے کہ کسی اور درگاہ کا صحن وسعت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قَدَّسَ اللّٰہُ رُوحَہُم وَ اَوصَلَ اِلَینَا فُتُوحَہُم۔ اللہ تعالیٰ اُن کی روح کو پاک کرے اور اُن کی برکات ہم تک بھیجے۔

شاہ ترکمان

حضرت شاہ ترکمان بیابانی علیہ الرضوان عجیب و غریب کرامات کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اس پر لوگوں کو اتفاق ہے کہ دلّی شہر کی بنیاد رکھی جانے سے پہلے، جس زمانے میں یہاں

جنگل تھا اور جس جگہ حضرت کا مزار ہے، وہیں رہتے تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ حضرت قطب الاقطاب کے معاصر تھے۔ خدا ہی حقیقتِ حال سے واقف ہے۔ آپ کا مزارِ مبارک شاہجہاں آباد میں ہے۔ رجب کے مہینے کی تیئس تاریخ کو عرس ہوتا ہے۔ خادم اور معتقد حضرات شان و شوکت سے عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔

چراغوں اور قندیلوں کی ایسی کثرت ہوتی ہے کہ آسمان جگمگا اٹھتا ہے اور پھولوں کا ایسا انبار لگتا ہے کہ خوشبو سے فضا معطر ہو جاتی ہے۔ آپ کے مزارِ مبارک سے دل کو سکون ملتا ہے اور آپ کا روضۂ مبارک فردوسِ بریں کی طرح ہے۔ اُس (روضۂ مبارک) کے صحن کی خوشبو مشامِ جان کو معطر کرتی ہے۔ اور اُس کی شمیمِ فضا نکہتِ حقیقت سے دماغ کو روشن کرتی ہے۔ (اس علاقے کے) سب لوگ آپ سے خاص اعتقاد رکھتے ہیں۔ مشکلات میں لوگ آپ ہی کے روضے سے مدد مانگتے ہیں۔ اور اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق مراد پاتے ہیں۔

حضرت باقی باللہ

آپ کا مزارِ مبارک ایسا مقام ہے، جس سے لوگ مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اُس کی زیارت اہلِ ایمان کے لیے لازمی ہے۔ اس کی نسیمِ فضا گلشنِ اتحاد اور اُس کی شمیمِ ہوا خلد آباد ہے۔ اس کے درو دیوار سے بیخودی اور سرشاری برستی ہے۔ اور اُس کی سرزمینِ فیض آگیں سے عبرت ٹپکتی ہے۔

انتہائی گرمی کے زمانے میں، جب دلی میں ہوا سے آگ برستی ہے اور زمین تپتی ہے تو آپ کے مزارِ مبارک کا صحن بالکل یخ رہتا ہے۔ صحن میں جہاں کہیں قدم رکھیں تو پیر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ اور باہر سورج کی گرمی سے پیر جل جاتے ہیں۔ آپ کی عجیب و غریب کرامات میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ شہر کے لوگ بڑی کوشش سے آپ کے مزارِ مبارک کے قریب جگہ حاصل کر کے مدفون ہوتے ہیں (کیوں کہ یہ عقیدہ ہے) کہ اُن کے قریب مدفون ہونے کی وجہ سے جہنم کی گرمی سے بچے رہیں گے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ۔ اللہ اُن کی خواب گاہ کو منور کرے۔

حضرت شاہ حسن رسول نُما

آپ کا مزارِ مبارک آئینۂ جہاں نما ہے اور آپ کی قبر خطّۂ بہشت کی طرح دلکشا ہے. جو (شخص) پورے اعتقاد کے ساتھ زیارت کرتا ہے، وہ (حضرت رسول نما) کی روحِ پُر فتوح کے فیض سے آنحضرت کے جمال کا دیدار کر لیتا ہے. اگر کوئی شخص خلوصِ نیت کے ساتھ آپ سے توسّل کرے تو اُس کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور مراد پوری ہو جاتی ہے. شعبان کے مہینے کی اکیس تاریخ کو عرس ہوتا ہے. (روضۂ مبارک) سجایا جاتا ہے اور عرس کے دن تمام نقّال صبح سے شام تک مجرا کرتے ہیں. اور زائرین کو خوب محظوظ کر کے اپنے گھر واپس جاتے ہیں.

شاہ بایزید اللہ ہو

آپ کے مشرب کی پاکیزگی در و دیوار سے جلوہ افروز ہے اور تربتِ بہشت طینت سے آپ کی کرامتوں کا نور ہویدا ہے. عرس کے دن شاندار مجلس منعقد ہوتی ہے اور زائرین کو خاص لطف حاصل ہوتا ہے.

مزار بیدل رحمۃ اللہ

پرانی دلّی میں آپ کی تربتِ موزوں ایک چھوٹے سے احاطے میں اس طرح واقع ہے جیسے خوبصورت الفاظ میں معنیٔ خاص موزوں ہوتے ہیں. صفر کے مہینے کی تیسری تاریخ کو عرس ہوتا ہے. اُن کے شاگرد اور شہر کے تمام شاعر آپ کی روح سے استفادے کے لیے حاضر ہو کر کلیاتِ بیدل، جسے بیدل نے اپنے دستِ مبارک سے لکھا تھا، بیچ میں رکھ کر شعر خوانی کرتے ہیں. (کلیات کے) پہلے صفحے پر یہ رباعی لکھی ہوئی ہے.

"اے کہ تیرا آئینۂ طبع صحیح راستے کو قبول کرتا ہے. اس لیے کسبِ فوائد میں تقصیر نہ کر. ہمارا مجموعۂ فکر (کلیات) صلائے عام دیتا ہے. اس کا مطالعہ کر اور ہماری - رسے پیا

حصّہ لے لے"۔

اس کے بعد (شاعر) اپنے اپنے مرتبے کے مطابق اپنا کلام اہلِ محفل کو سُناتے ہیں۔ عجیب و غریب لطف حاصل ہوتا ہے۔ اور حاضرینِ محفل کو خاص مسرّت میسر آتی ہے۔

اُن کے (مرزا بیدل) بھتیجے محمد سعید معنیِ بیگانہ کی طرح مرزا سے نسبتِ معنوی نہیں رکھتے۔ حاضرینِ محفل کی تواضع اور محفل میں شمع و چراغ روشن کر کے گویا اپنے دماغ کو جلاتے ہیں۔ مرزا (بیدل) نے جڑی بوٹیوں سے جو معجونیں اور گولیاں اختراع کی تھیں وہ ساری دلّی میں مشہور ہیں۔ اُنھیں فروخت کر کے (محمد سعید) گزارا کرتے ہیں۔ طَابَ ثَرَاہُ وَجَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ،

عرس خلد منزل

تیئس محرم الحرام کو عرسِ مذکور منعقد ہوتا ہے۔ اُن کی قبر حضرت قطب الاقطاب (حضرت قطب الدین بختیار کاکی) کے قریب ہے۔ خلد منزل کی بیوی مہر پرور حیات خاں ناظر کے زیرِ اہتمام ایک مہینے پہلے طرح طرح کی ہئیت و اشکال کی چراغاں بندی کی تیاری شروع کرتی ہیں۔ شاہی کاریگر اور فنکار عجیب و غریب ہُنر اور طرفہ فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس انداز سے سرو چراغاں کرتے ہیں کہ چنار کے درخت کی طرح سرو و شمشاد شرم سے جلنے لگتے ہیں۔ درختوں کے جُھنڈ کی روشنی اس طرح جلوہ افروز ہوتی ہے کہ اس کا (درختوں کے جُھنڈ کا) ہر درخت گلِ آفتاب کو گُل کرتا ہے۔ دو گھڑی رات گزرنے کے بعد بھی چاند دریچۂ مطلع سے باہر نہیں آتا۔ اور سورج اپنی بے قدری کے احساس سے صبح سے پہلے آسمان کی طرف متوجّہ نہیں ہوتا۔ روشنی کے بُرج آسمان کے بُرجوں کو نور کا پیغام بھیجتے ہیں۔ ہر گوشہ و کنار روشن اور منوّر جنگلے وادیِ طور کی بنیاد رکھتے ہیں۔ عشّاق ہر گوشہ و کنار میں اپنے محبوبوں کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں عیّاش لوگ خواہشاتِ نفسانی کے پورے ہونے پر رقص کرتے ہیں۔ مے خوار محتسب سے بے خوف، بدمست اور شہوت طلب مزاحمت کے خیال سے بے نیاز شاہد پرستی میں مصروف رہتے ہیں۔ امردوں اور نو خطوں کا وہ ہجوم کہ زاہدوں کی توبہ ٹوٹ جائے اور بے مثال جذبے کے ساتھ

وہ آہو پیسر جو نیکی اور پارسائی کی بنیادیں ہلا دیں ۔ جہاں تک نظر جاتی ہے ۔ خوب صورت چہرے اور جہاں تک دکھائی دے گیسوؤں کے جال نظر آتے ہیں ۔ اتنے بڑے پیمانے پر عیش و عشرت کے سامان فراہم ہوتے ہیں کہ ایک عالم کی مُراد پوری ہو جائے ۔ خباثت کے اسباب اس درجہ موجود ہوتے ہیں کہ دنیا بھر کے بدکار جسمانی لذت حاصل کر سکیں ۔ یہاں حالت تو یہ ہے کہ ذرا ہوش میں آئے تو کسی امرد نے آنکھ ماری ابھی اُس کے حُسن نے آنکھیں روشن کیں کہ کسی بے شرم عورت کا پیغام پہنچا ۔ نوابوں اور امراد رؤساسے کوچے اور بازار لبریز اور گوشہ و کنار امیروں اور فقیروں سے شور انگیز رہتے ہیں ۔ مطرب اور قوال مکھیوں سے زیادہ اور محتاج و سائل مچھروں سے افزوں تر ۔

قصہ مختصر اس طرح اس شہر کے کمین و شریف ذہنی اور جسمانی لذتیں حاصل کرتے ہیں ایسے ہنگاموں کی طرف سے آنکھیں پھیر لینا ہی عینِ مصلحت ہے ۔ اور ان ہنگاموں کی طرف آنکھیں نہ کھولنا محض بصیرت ہے ۔

ذکر میر مشرّف

اُس رستمِ زماں کی قبر معشوق الٰہی کے (روضے کے) قریب اُس باغ میں ہے جس کی آب و ہوا کا نزہت کدہ طراوت و تازگی روضۂ رضواں سے حاصل کرتا ہے ۔ اُس کے احاطے کے پائیں میں نہایت نظر فریب اور کمال دیدہ زیب نہر بہتی ہے ۔ بہت زیادہ باغ ہونے کی وجہ سے وہاں کی آب و ہوا اور فضا خوشبو پسند کرنے والوں کے دماغ کی تر و تازگی پر بہت زیادہ اثر ڈالتی ہے اور عیش و عشرت کرنے والے بہت سے لوگ برسات کے موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے یہاں آکر بزم آرائی کرتے ہیں اور یہاں کی ہوا و فضا سے لطف اندوز ہوتے ہیں ۔ وہاں کی کیاریاں ہمیشہ رنگا رنگ پھولوں سے بھری ہوتی ہیں اور اُس کی عمارتیں نسیمِ بہار اور شمیمِ گلزار سے لبریز رہتی ہیں ۔ اگر زاہدِ خشک دماغ بھی وہاں کی سیر کرے تو تر دماغی سے نشے کی کیفیت میں گرفتار ہو جائے اور پاگل ہو جائے ۔ اگر بے خبر اور کم عقل محتسب وہاں پہنچے تو وہاں کی نشہ آور فضا سے مست و سرشار ہو جائے ۔ وہاں کی ہوا کی تازگی سے

شراب پینے کو دل چاہتا ہے۔ اور اس مقام کی رنگینی سے بے اختیار موسیقی سننے کی خواہش ہوتی ہے۔

اُن کے (میر مشرف کے) صاحبزادے میر کلّو عجب طمطراق اور شان و شوکت سے عرس کرتے ہیں۔ بہت خوبصورت اور دلکش انداز میں چراغاں کرتے ہیں۔ کیاریوں کے دونوں طرف کھپچیاں باندھ کر چھوٹے چھوٹے جھروکے بنا کر اُن میں شمعیں روشن کرتے ہیں۔ نہر خاصی وسیع ہے، اس کے کنارے پر بہت خوبصورت اور دلنشیں انداز میں برج اور بنگلے بنا کر اُن میں روشنی کرتے ہیں۔ بادشاہ کے دربار کے تمام اعلیٰ عہدے داروں اور ارباب نشاط کو مدعو کرکے صلائے عام دی جاتی ہے۔ چوں کہ (میر کلّو) خود جوان ہیں اور تمام رنگین مزاج امیر زادوں سے واقف ہیں۔ اُن کی خاطر سب لوگ عیش و عشرت کے سامان اور اپنی محبوباؤں کو ساتھ لے کر یہاں آتے ہیں۔ ہر درخت کے نیچے اور ہر پودے کے سائے میں اور ہر خیابان کے کنارے رنگ رنگ کے گلِ رعنا کی طرح خیمے کھڑے کرتے ہیں۔ اور مے نوشی میں مصروف ہوتے ہیں۔ تمام رات ہر جگہ رقص اور ہر طرف موسیقی کی محفل گرم ہوتی ہے۔ طرح طرح کے کھانے اور ضرورت کا سب سامان مہمانوں کے مرتبے کے مطابق ہر جگہ پہنچتا ہے۔ رات، شب برات کی طرح مطلع الانوار اور صبح عید کی صبح کی طرح ہزاروں رنگ کی خوشی و مسرت سے لبریز۔ واپسی کے وقت بھی عجیب و غریب تماشا اور سیر و تفریح ہوتی ہے۔ نہر کے کنارے دل بادل کے خیمے کی طرح مہمان خانے اور خیمے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور رنگین محفل منعقد ہوتی ہے۔ ہر جگہ مسند اور فرش بچھا کر ضیافت کے لوازم فراہم کیے جاتے ہیں۔ رقاص چھوٹے بڑے کا خیال کیے بغیر رقص کرتے ہیں۔ اور نقال اور قوال میزبان اور مہمان میں تخصیص کیے بغیر نغمہ پردازی کرتے ہیں۔ فقرا و مشائخ وجد میں آجاتے ہیں جس پر دولت مند اور صاحبِ ثروت لوگوں کو ہنسی آجاتی ہے۔ غرض بے تکلفی سے کام لیا جاتا ہے۔ اور کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ خواہشات و مرغوباتِ نفسانی کے لیے جس چیز کی آرزو کرو، موجود ہے۔ لیکن نمن یعلمی و ما یعرفی درکار۔ کذا۔

ذکر چوک سعد اللہ خاں

اُس کا (چوک کا) ہنگامہ قلعہ کے دروازے کے سامنے ہے اور اُس کا مجمع جلو خانے کے

سامنے ہے۔ سبحان اللہ ایسی کثرت سے رنگارنگ چیزیں ہوتی ہیں کہ اُن میں نگاہ گُم ہو جاتی ہے اور نظر نئی نئی چیزوں کی بہتات اور اپنی پسند کی چیزوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ ہر طرف خوش رو امرد اپنے رقص سے قیامت ڈھاتے ہیں اور ہر طرف قصہ گو کے شور و غُل سے حشر بپا ہوتا ہے۔ واعظ، اربابِ عمائم کی طرح اکثر جگہوں پر منبروں کے انداز کی لکڑی کی کرسیاں بچھائے، مہینے اور دنوں کی مناسبت سے، مثلاً رمضان المبارک میں روزے کے فضائل پر حجۃ الحرام کے مہینے میں حج و عمرہ کی رسوم دقربانی وغیرہ کے طریقوں اور محترم کے مہینے میں کربلا کے واقعات پر فصاحت کے ساتھ تقریریں کرکے انھیں عوام کے ذہن نشین کراتے ہیں۔ ایسی حالت کر دیتے ہیں کہ مجمع رونے لگتا ہے۔ اس طرح سے خوب روپیہ کماتے ہیں۔ بازاری لوگوں کو اس طرح کے مجمعوں سے بہت دلچسپی ہوتی ہے اور خام طلب لوگ پست ذوقی کی وجہ سے حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور اکثر دو گھڑی رات گزرنے تک یہ وعظ و تذکرہ جاری رہتا ہے۔ نجومی اور رمّال بھی بیوقوف بنانے میں سرگرم رہتے ہیں۔ وہ الگ مجمع لگائے لوگوں کے دلوں میں چھپے راز بتاتے ہیں۔ لوگ اپنے خوش نصیبیوں اور بدقسمتیوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اُن کے وعدوں اور پیشین گوئیوں سے خوش ہو کر لوگ اپنی اپنی استعداد کے مطابق انھیں رقم دیتے ہیں۔ حکمت کا پیشہ کرنے والے جعل ساز چوک کے کھلے میدان میں جگہ جگہ چھڑکاؤ کرکے رنگ برنگے فرش بچھاتے ہیں۔ فرش پر رنگین تھیلیاں دکان پر سجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تھیلیوں میں (دوا تو کیا ہوگی) سڑک کی دھول ہوتی ہے۔ خود بلیش بہا لباس پہنے اور پگڑی پر سرپیچ لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور ایسی تقریر رنگین اور ادائے دلنشیں کے ساتھ دواؤں کے خواص اور اُن کے فائدے بیان کرتے ہیں کہ بیوقوف لوگ (دوائیں خریدنے میں) ایک دوسرے پر اس طرح سبقت لے جاتے ہیں کہ دوکان میں خاک بھی نہیں بچتی۔ دواؤں میں سفوف، ملین دوائیں، شربت، معجونیں، قرص، حبوب اور لیپ، سب موجود۔ گاہک جو دوا مانگے، حاضر۔ خاص طور سے جب حلق کے علاج، عضوِ تناسل کی مضبوطی، امساک اور آتشک و خیارک و سوزاک کا ذکر ہو۔ کم مرتبہ لوگ اپنے کپڑے بلکہ جان تک گروی رکھ کر طلے اور لیپ خریدتے ہیں۔ استاد (کذا) دوا فروش اپنی تقریر کی خوش ادائی کے زور پر رقم وصول کرکے

ایک کو کیرخرہ کا نسخہ دیتا ہے اور دوسرے کو قضیب الفیل کے اجزا اور یہ قرمساق (عورت کی ناجائز کمائی کھانے والے) خوشی خوشی اپنے گھر جاتے ہیں۔ مختلف دھاتوں کے جن گرما گرم کشتوں کی خواہش کرو، حاضر ہیں۔ اکثر جگہوں پر آگ جل رہی ہے اور ان نو دھاتوں کا دھواں نو آسمانوں تک پہنچتا ہے۔

کیکڑے اور سانڈے، جو لبیب کے جزو اعظم ہیں، اکثر جگہوں پر دھاگوں سے بندھے ہوئے خواہش مندوں کے لیے حاضر ہیں۔ نقالوں اور بادہ فروشوں کی جگہیں مقرر اور بہت محفوظ ہیں۔ یہ لوگ اپنے وقت پر حاضر ہو کر کمائی کرتے ہیں۔ اطراف اور اکناف امردوں اور نوخطوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ جیسے ہی نگاہ اٹھتی ہے کسی چکنے رخسار پے پھسل جاتی ہے۔ جہاں کہیں بھی ذرا ہاتھ پھیلاؤ، (معلوم ہوتا ہے) کہ کسی حسین کی گردن میں ہے۔

اسلحہ فروش ہر قسم کے اسلحے نیام سے نکال کر ان کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں تاکہ ان کے خریدار پیدا ہوں۔ کپڑا فروش مختلف رنگوں کے کپڑے ہاتھوں میں لیے ہوا میں اس طرح لہراتے ہیں کہ صفحۂ ہوا شفق رنگ ہو جاتا ہے۔ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ خریدار کی نظر کسی رنگ پر مائل ہو۔ عیش و عشرت کا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں پاس پاس ہی بکتی ہیں۔ (اتنے قریب ہیں) کہ ہاتھ بڑھانا ایسا ہے، جیسے لقمہ حوالۂ دہن کرنا۔ ولایتی اور ہندوستانی میوے ایک دوسرے کے قریب فروخت ہوتے ہیں۔ ذرا رخ بدلیے اور ان کے کھانے کا مزہ لیجیے۔ جنگلی جانوروں اور پرندوں کا بازار تو ہوش گم کر دیتا ہے۔ باز، جرہ، کبوتر، بلبل اور تمام پرندوں کی اتنی بہتات ہے کہ جب تک کسی نے "منطق الطیر" نہ پڑھی ہو اور آصف و سلیمان کی صحبت نہ اٹھائی ہو، ان (پرندوں) کو نہیں پہچان سکتا۔ کتنے ہی دشت و بیاباں ویران کر کے ہر روز قسم قسم کے جانور یہاں لائے جاتے ہیں۔ جنگلی جانوروں اور پرندوں کے شوقین اور خاص طور سے اکثر نوخیز جوان اور شور انگیز امرد شکار کے لیے یہاں آتے ہیں۔ اور تجربہ کار صیاد اس مرغزار میں گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ قفس عنصری اور پنجرۂ بشری (انسانی جسم) سے زیادہ رنگین اور خوبصورت پنجرے خواہش مندوں کے ہاتھوں فروخت کیے جاتے۔ غرض یہ ہے کہ انسانی ضرورت اور لذتِ نفسانی کی چیزیں یہاں فراہم ہیں۔ چوں کہ یہ جگہ (چوک سعد اللہ خاں) قلعے کے سامنے ہے اور امرا و رؤسا کی آمد و رفت کا راستہ ہے، (اس لیے)

یہاں ہمیشہ محشر سا بپا رہتا ہے۔

چاندنی چوک

تمام چوکوں سے زیادہ رنگین اور تمام بازاروں سے زیادہ سراپا تزئین۔ با مذاق لوگوں کی سیرگاہ اور مسرت و انبساط کے طالبوں کا تماشا گاہ ہے۔ اس کے راستوں پر نفیس کپڑے اور ہر طرح کا سامان خریداروں کے لیے حاضر رہتا ہے۔ اس کے ہر گوشے میں نوادرِ روزگار اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اور اُس کے ہر کونے میں دنیا کی نفیس چیزیں (گاہکوں کے) دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اس کا راستہ نیک بختوں کی پیشانی کی طرح اور وُسعتِ آغوشِ رحمت کی طرح کشادہ۔ اس کی نہر مارالمعینِ بہشت کی طرح صاف اور شیریں پانی سے لبریز۔ ہر دکان لعل و گہر سے بھری ہوئی۔ جیسے بدخشاں ہو اور ہر کارخانے میں لالی و مروارید کا وہ انبار جیسے ابرِ نیساں ہو۔ اس کے راستے کے ایک طرف پورے استغنا اور بے نیازی سے بیٹھے، دلالوں کی زبان پر بھروسہ کر کے گاہکوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں اور ایک طرف تاجر لوگ کپڑے اور ضرورت کا سامان دکانوں میں سجائے بیچ بیچ کر گاہکوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ کوئی سُنے یا نہ سُنے، وہ چیختے رہتے ہیں۔ طرح طرح کے عطروں کی خوشبو عطاروں کی فضول گفتگو اور دلالوں کی وساطت کے بغیر اربابِ خواہش کے مشامِ جاں کو پیغام پہنچاتی ہے اور ہر چیز ایسی لطیف اور خوبصورت ہے کہ لوگوں میں اس کے خریدنے کی خواہش پیدا کرنے کے لیے بیچنے والے کو (چیزوں کی) تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حسینوں کے ابروے خم دار کی شکل کی تلواریں دیکھیے تو نگاہِ تماشا کج ہو جائے۔

سانپ کی زبان کے انداز کی طرح طرح کی کٹاروں کو نہ دیکھنا ہی عینِ مصلحت ہے۔ چینی کے برتنوں کی دکانوں پر ایسے ایسے انواع و اقسام کی چیزیں ہیں کہ آدمی حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور حوصلے کا شیشہ خانہ چکنا چور ہو جاتا ہے۔ مختلف انداز کے شیشے کے رنگارنگ اور مطلا حقے (ظروف) ایسی خوبصورتی اور سلیقے سے دکانوں پر سجائے گئے ہیں کہ فلک حقہ باز (بازی گر) نے اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ رنگین اور دل پسند صراحیاں اور پیالے دکانوں کے

سامنے اس طرح رکھے جاتے ہیں اگر زاہدِ صد سالہ انھیں دیکھ لے تو اس میں بھی شراب پینے کی ہوس پیدا ہو جائے۔ کاندھوں اور ہاتھوں پر ایسے کپڑے ڈالے پھرتے ہیں جو دکانوں پر رکھے کپڑوں کے مقابلے میں کم درجے کے ہیں پھر بھی اُن میں ایسی خوبی اور لطافت ہے کہ شاید اُمرا کے توشہ خانوں میں بھی ایسا کپڑا نہ ہو۔ اس سے قطع نظر یہاں کی فضاے شام میں وہ رنگارنگ جلوے ہوتے ہیں کہ شفق بھی خون ہو جاتی ہے اور آنکھوں کو ایسی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ کہ شاید سیرِ چمن سے بھی نہ ہو۔

چوک کے عین میدان میں جو قہوہ خانے واقع ہیں، اُن میں ہر روز سخن ور جمع ہو کر دادِ سخن و بذلہ سنجی دیتے ہیں۔ اپنے بلند مرتبے کے باوجود امراے عالیشان اس چوک کی سیر کے لیے آتے ہیں۔ یہاں ہر روز عجیب وغریب اشیا اور نوادرات اتنے نظر آتے ہیں کہ اگر قارون کا خزانہ مل جائے، تب بھی کافی نہ ہو۔

ایک نوجوان امیرزادے کو اس چوک کی سَیر کا شوق پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے اپنی بےاستعدادی کی معذرت کرتے ہوئے، باپ کے چھوڑے ہوئے ترکے میں سے ایک لاکھ روپیہ اُسے دیتے ہوئے کہا کہ اس رقم سے ہر چند تم اس چوک کے نفائس و نوادر نہیں خرید سکتے، لیکن چوں کہ تم چوک کی سیر کو جانا چاہتے ہو، اس حقیر رقم سے اپنی پسند کی کچھ ضروریات خرید لینا۔

ذکر حافظ شاہ سعد اللہ

آپ کی بلند مرتبہ بزرگی اور اعلیٰ درجے کے اوصافِ حمیدہ تقریر اور تحریر کے دائرے سے باہر ہیں۔ اور آپ کے کمال کی تفصیل بیان کرنا اور آپ کے مرتبے کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اُن کی ولایت کے مدارج پر لوگوں کو اتفاق ہے۔ کچھ لوگ تو آپ کی قطبیت کے قائل ہیں۔ بصرِ ظاہر کے بدلے خدا نے آپ کو بصیرتِ کرامت سے نوازا ہے۔ اور اُن کی ہدایت انتما پیشانی کو انوارِ ارشاد سے سجایا ہے۔ اکثر طالبانِ سلوک آپ کے جاے قیام جو مسکنِ معنویت ہے، پر جا کر اکتسابِ کمال کرتے ہیں اور تصفیہ و تزکیہِ نفس میں مشغول رہتے ہیں۔ آپ کی صحبت میں اکثر خاموشی رہتی ہے۔ اکثر مراقبے میں رہتے ہیں۔ نقشبندی سلسلۂ عالیہ سے آپ کا تعلق

ہے۔ اس لیے سماع پسند نہیں کرتے۔ خدا سب کو آپ کی صحبتِ فیض منقبت کی برکتوں سے نوازے۔

ذکر شاہ غلام محمد داول پورہ

آپ کے فقر میں وہ شان و شکوہ ہے کہ دولت مندوں کا رعب و دبدبہ لرزہ بہ اندام ہو جاتا ہے۔ مادی آسائشوں کی کثرت کے باوجود اُن کے مضبوط قدم توکل کے دائرے میں جمے ہوئے ہیں۔ فقر و فاقے کے افراط کے باوجود اُن کی وضع ایسی ہے، جیسے انھیں سب نعمتیں حاصل ہیں۔ بہت سے فقرا و صلحا اور بہت سے محتاج اور ضعیف لوگ ہمیشہ آپ کی مسلسل نعمتوں (درگاہ) کے آس پاس صبح سے شام تک حاضر رہتے ہیں اور فتوح کے طور پر آیا ہوا کھانا پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔ منصف المزاج ہونے کی وجہ سے آپ سب کو برابر کھانا تقسیم کرتے ہیں اور ایک شخص کو بھی محروم نہیں رہنے دیتے۔ رات کو ایک گھڑی گزرنے پر گھڑی بجتی ہے اور آپ سب کے ساتھ مل کر تناول فرماتے ہیں۔ اور زنان خانے کے ملازمین کو مناسب حصہ ملتا ہے۔ آپ کے آستانِ گرامی پر ہمیشہ رہنے کے خواہش مند قوالوں کو فیض حاصل ہوتا ہے اور جو نذریں حاصل ہوتی ہیں، اُن میں قوال شریکِ غالب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ (اس آستانے پر ہمیشہ اس طرح) رہتے ہیں جیسے انسان کے ساتھ سایہ۔ تمام دن وجد و حال کا ہنگامہ گرم رکھتے ہیں۔ یہ دلچسپ مقام کیفیت سے خالی نہیں ہے۔ کمینوں اور شریفوں، غریبوں اور امیروں کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے۔ سرکارِ بادشاہی اور امرا کی طرف سے روزانہ اخراجات کے لیے بہت اصرار ہوا، مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ بزرگانِ زمانہ میں ہیں۔ فتوت و جواں مردی میں یگانۂ روزگار ہیں۔

شاہ محمد امیر

نقشبندی مشائخ میں ہیں اور شہر میں رہتے ہیں۔ آپ کے کمالات اور بابرکات حالات کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ قلم آپ کے اوصافِ ولایت اتصاف کی تحریر سے عاجز ہے۔ آپ کے اوقاتِ بابرکات کسب و کمال میں گزرتے ہیں اور آپ کا مزاجِ ہدایت امتزاج وجد و حال میں مصروف رہتا ہے۔ آپ کی چشمِ معنی بیں قیلولہ کے وقت کے علاوہ کبھی خواب آشنا نہیں ہوتی۔

آپ کے اوقاتِ روز و شب مختلف کاموں میں منقسم ہیں۔ کچھ وقت طاعت و عبادت کے لیے، کچھ اذکار و اشغال کے لیے۔ آپ کی روزمرّہ کی زندگی کو دیکھنے والوں میں سے کسی نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے اپنے مقرّرہ امور کی پابندی سے انحراف کیا ہو۔

ایک گھڑی رات گزرنے پر زنان خانے میں تشریف لے جاتے ہیں۔ اور اپنے پیرانِ ارادت بنیان کی تلقین و تعلیم میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور سنّتِ نبوی کے موافق آپ کچھ دیر آرام فرماتے ہیں۔ اس کے بعد تہجّد کی نماز کے لیے باہر تشریف لاتے ہیں اور ایک گھڑی دن چڑھے تک سکوت میں رہتے ہیں۔ آپ کے اوقاتِ شریف مصروف رہتے ہیں اور پیشانیِ مبارک تجلّی و نور سے لبریز رہتی ہے۔ آپ کی چوکھٹ مرجعِ اہلِ توران ہے اور آپ کا آستانہ کشمیریوں کی طواف گاہ ہے۔ اعتماد الدّولہ اور اُن کے ساتھ کے دوسرے امرا خود کو آپ کے حلقۂ ارادت میں محسوب کرتے ہیں۔

ہمارے نواب صاحب نے بھی آپ کی صحبتِ کثیرالبرکت سے بارہا فیض اُٹھایا ہے۔ اور آپ کی خدمت میں خاصی نذریں پیش کی ہیں۔ انہی دنوں آپ کے طائرِ روحِ پر فتوح نے عالمِ علوی کی سیر کے لیے پرواز کی ہے۔ اُن کے صاحبزادگان سجادہ نشین ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْ۔ اے میرے پروردگار مجھے معاف کر اور میرے اوپر رحم فرما۔

شاہ پانصد منی

توران کے رہنے والے ہیں۔ بھاری بھرکم جسم ہے، پرشکوہ پیشانی اور عظیم الشان چہرہ ہے۔ مغلیہ فقیروں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ امرائے توران سے لنگر کے لیے بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتے ہیں۔ گدھے پر سواری کرتے ہیں۔ جس کی بہت شہرت ہے۔ آپ یہ سواری بہت پسند فرماتے ہیں۔ ہر رات کسی نہ کسی کے گھر مہمان ہوتے ہیں اور ہر روز لوگوں کے گروہ کے ساتھ خراماں رہتے ہیں۔ آپ کے ہمراہیوں میں ایک صلوٰۃ خواں (دعا کرنے والے) درویش اپنے بہت بڑے عمامے کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ عجیب انداز سے باندھتے ہیں اُن کی اس عجیب و غریب پگڑی کی وجہ سے انھیں زنان خانے میں بلا کر پگڑی کو وسیلۂ

تفریح بنایا جاتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ یہ بیس آثار کی ہو۔

ذکر میر سیّد محمد

چہرے سے حسب نسب کی بزرگی نمایاں ہے۔ پیشانی آفتاب کی روشنی کی طرح تاباں ہے۔ فقر و عرفان کی عظمت اور شکوہ عیوق اور کیوان ستاروں کی طرح بلند ہیں۔ آپ کی شجاعانہ وضع کے دبدبے سے زائرین کا پتّا پانی ہو جاتا ہے۔ آواز میں ایسا رعب اور دبدبہ ہے کہ مخاطبین کا جگر خون ہو جاتا ہے۔ آپ کی مبارک محفل کے انداز سے جلال و جبروت ظاہر ہے۔ اور در و دیوار تجلّی آثار سے کمال فقر و فنا پیدا ہے۔ استقامتِ وضع میں عدیم البدل اور سلاطین و امراء کے سامنے حق گوئی میں ضرب المثل ہیں۔ خُلد مکاں کے زمانے میں، منصب ترک کر کے نزہت آبادِ گوشۂ فقر میں بادشاہی کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ اور بڑے استغنا اور شان و شکوہ کے ساتھ آپ کے اوقاتِ بابرکات گزرتے ہیں۔ اس دوران میں سلاطین اور امرائے کبار نے بڑی عاجزی و خاکساری کے ساتھ جاگیر کی قبولیت کی درخواست کی، لیکن منصبِ فقر کی بے نیازی کی وجہ سے آپ نے شرفِ قبولیت نہیں بخشا۔ فتوحات اور نذروں کی قبولیت کا بھی یہی عالم ہے، ہاں غریبوں سے قبول فرما لیتے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے اور رشتہ دار اعلا عہدوں پر فائز ہیں اُن کی آرزو ہے کہ آپ کا حکم پورا کر کے ثوابِ دارین حاصل کریں، لیکن اُن کی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی (آپ کبھی کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے) آپ کی باتیں بہت رنگین اور گفتگو بہت شیریں ہیں۔ گفتگو میں لطیفے بیان کرتے ہیں۔ اور مختلف طبقوں کے لوگوں کی باتیں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ دلّی کے سب رہنے والے اُن کے کمال کے معترف ہیں۔ اور عوام و خواص دونوں اُن کے خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ آپ کے باکرامت حال پر مولوی نظامی کے یہ اشعار صادق آتے ہیں۔

عہدِ جوانی تک تیرا در چھوڑ کر
کسی اور آستاں پر نہیں گیا، تو نے
سب کو میرے در پر بھیجا، میں نے
کسی چیز کی خواہش نہیں کی، تو
نے خود ہی سب کچھ دیا۔

اس ا راقم الحروف ا فقیر نے آپ سے کسبِ سعادت کیا ہے اور ہمت و استقامت کی بھیک مانگی ہے ۔ بیت :-

جو لوگ ایک نظر دیکھ کر مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں،
کیا ممکن ہے کہ وہ ہم پر بھی ایک نظر ڈالیں ۔

ایک دفعہ نواب صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، آپ کی بے توجہی، بے اعتنائی اور نصیحتوں سے بدمزہ ہوکر واپس آ گئے ۔

ذکر مجنوں نانک شاہی

کمزوری اور لاغری میں اپنے نام کی طرح ہیں ۔ اور آپ کے فقر کی خوش وضعی کی شہرت خاص و عام میں ہے ۔ آپ کی پیشانی سے کرامت اور آپ کی گفتگو سے علاماتِ برکات ظاہر ہوتی ہیں ۔ دریا کے کنارے آپ کا بہت خوبصورت اور دلنشیں تکیہ (جاے قیام) ہے ۔ مقررہ اوقات پر آپ خلوتِ گاہ سے باہر آتے ہیں اور ملاقات کے خواہش مندوں سے ملتے ہیں ۔ اکثر ہندو اور مسلمان شرفِ نیاز حاصل کرنے کے لیے اس تفریح گاہ پر آتے ہیں اور نہایت توقیر و تکریم کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں ۔ محفل میں جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں، آپ کے پرستار دونوں طرف مورپنکھی جھلتے ہیں ۔ اور طرح طرح کے پھول، انواع و اقسام کے میوے اور شیرینی آپ کے سامنے چُن دیتے ہیں، آپ (حاضرین میں سے) ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا دے دیتے ہیں ۔ ایسے رعب کے ساتھ بیٹھتے ہیں کہ حاضرین میں طاقتِ گویائی باقی نہیں رہتی ۔ اور خود بے ضرورت ایک لفظ نہیں بولتے ۔ آپ کے بیٹھنے کے انداز سے پتا چلتا ہے کہ شغلِ باطنی میں مصروف ہیں ۔ بغیر کسی کوشش کے مختلف المزاج حاضرین کو اطمینان و جمعیتِ خاطر حاصل ہو جاتا ہے اور ہر شخص خاموش رہنا چاہتا ہے ۔ ہاں، قوّال برابر قوالی کرتے رہتے ہیں ۔ دولت مند ہندو آپ کی بہت خدمت کرتے ہیں اور بڑی بڑی رقمیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور اپنے غلط عقیدے کی وجہ سے انھیں اس عہد کا گرو نانک سمجھتے ہیں ۔

اُس جگہ کے خدام بہت خوش حال نظر آتے ہیں ۔ (ان میں سے) اکثر لوگ عیش و آرام کی

زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو ضرورت مند اُن کے وقت کے مطابق آتے ہیں اپنی قسمت کا پاتے ہیں۔ چونکہ آپ کا مسکن دریا کے کنارے ہے اور اُس کے نیچے کشتیاں تیار رہتی ہیں، اس لیے ہر روز عجیب وغریب ہجوم اور بہت دلچسپ تفریح ہوتی ہے۔ بے شمار لیلیٰ منشانِ (عورتیں) میانہ سوار وہاں آتی ہیں، درختوں کے سائے میں سواری چھوڑ کر تفریح کرتی ہیں اور مجنوں (مجنوں نانک شاہی) سے تنہا ملاقات کرتی ہیں۔ اپنی پوشیدہ تمنائیں بتاتی ہیں اور دل کی مرادوں کے حصول کی گزارش کرتی ہیں۔ زبانِ حال سے یہ شعر پڑھتی ہیں۔

ایک رات کو مجنوں نے لیلیٰ سے کہا کہ اے معشوق بے
پروا تیرے عاشق تو (بہت سے) ہوں گے، لیکن
مجنوں جیسا کوئی نہیں ہوگا۔

برسات میں آپ کے تکیے کے آس پاس عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ نشاط طلبوں کو عجیب و غریب مسرت و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ دسویں محرم کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے علم کو غسل دیا جاتا ہے تو یہاں بہت بھیڑ ہوتی ہے۔ اس مقام پر طرفہ رونق ہوتی ہے۔ صلح کل کے ماننے والوں کے لیے یہ مقام چھوڑنے کے قابل نہیں ہے۔ اور یہ بزرگ اس لائق ہیں کہ اُن کی صحبت میں رہا جائے۔

قدوہ اصفیای معارف آگاہ شاہ عزیز اللہ

آپ کا مزارِ مبارک پرانی دلی میں ایک معقول مقام پر ہے۔ ارادت مندوں نے اپنی عقیدت کی وجہ سے چھوٹی سی خوبصورت عمارت بنا دی ہے اور اس کے چاروں طرف ایک احاطہ تعمیر کر دیا ہے۔ اس مقام کی ٹھنڈی ہوائیں فردوسِ بریں کی ہواؤں سے باج اور اُس کی کیاریوں کے پھولوں کی خوشبو باغِ ارم سے خراج لیتی ہے۔ گوشہ نشینوں کے لیے عشرت گاہ اور خلوت طلبوں کے لیے تماشا گدہ ہے۔ کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ وہاں اُن کے خلیفاؤں میں کوئی نہ کوئی مشغولِ عبادت نہ ہو، اس جگہ پہنچتے ہی بیخودی سی طاری ہو جاتی ہے اور آپ کے طور

طریق دیکھ کر آدمی ہوش و حواس گم کر دیتا ہے۔ آپ کے زمانۂ حیات میں ایک گنہگار تھا جب بھی وہ اپنے سر بے مغز کو گھر سے باہر نکالتا، کوّے چونچیں مار مار کر اس کے سر کو مجروح اور چھلنی کر دیا کرتے تھے۔ شہر کے تمام لوگوں سے اور تمام مزاروں سے التجا کرتا۔ کسی در سے اس کے جرم کی معافی نہیں ہوتی۔ اس عہد کے بڑے لوگوں نے بتایا کہ اگر اس آستانۂ کرامت نشانہ پر جاؤ گے تو نجات مل جائے گی، اس لیے بابرکت توجہاتِ عالیہ سے مدد کے خواستگار ہو۔ بیچارے نے جیسے ہی اس خانقاہِ فلک نما سے رجوع کیا، فوراً اس کے دل کی تمنا پوری ہو گئی۔ آپ کی عجیب و غریب کرامات بے حد و بے شمار ہیں۔ آج بھی لوگ آپ کے مزارِ مبارک سے مدد و استعانت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ عرس کے دن خاص سماع ہوتا ہے۔ بوڑھے اور جوانوں کو آستانہ پر وجد آتا ہے۔ (آپ کا آستانہ) نیک لوگوں کی طواف گاہ اور زیارت گاہ ہے۔

ذکر سلطان شمس الدین غاری

آپ کا مزارِ مبارک درگاہ قطب الاقطاب کے قریب ایک غار میں ہے۔ اگرچہ بادشاہوں میں تھے لیکن اربابِ ذوق اور مواجید کی صحبتوں میں رہ کر ولایت کے انتہائی مدارج تک پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ کے کمالات کی تفصیل ریاض الاولیاء (جو تذکرہ ہے) سے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کے روضے کے چمن زار کی ہوا نمونہ ہے روضۂ رضواں کا اور وہاں کی سرزمین فیض آگیں عکس ہے خلد بریں کے شگفتگیِ عنواں کا۔ برسات کے موسم میں خودرو سبزہ و گل سے (یہ مقام) رشکِ گلشنِ کشمیر اور اعتدالِ ہوا اور کیفیتِ فضا سے دلچسپ و دلپذیر ہو جاتا ہے۔ زیارت کے دوران زائرین کی تفریح ہو جاتی ہے اور اثنائے طواف میں رنگین کیفیت مشاہدہ میں آتی ہے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا وَاغْفِرْلَنَا۔

مقدمۃ الجیش معرکۂ وجد و حال شاہ کمال

عالمِ فقر میں بہت رنگین اور شہزادے واقع ہوئے ہیں۔ لباس کی خوبصورتی اور خرقہ پوشی میں آپ بے نظیر ہیں۔ آپ کا لباس نفیس اور باریک کپڑے سے تیار ہوتا ہے۔ اور غذا میں

بھی عجیب و غریب تکلف اور نفاست سے کام لیا جاتا ہے۔ تناسبِ اعضا اور اعتدالِ قویٰ کی وجہ سے لوگ انھیں بہت پسند کرتے ہیں۔ وجد و حال و سماع کے بہت زیادہ شائق ہیں۔ اصطلاحاتِ صوفیہ اور استعاراتِ مشائخ کو رنگین گفتگو اور دلنشیں اداؤں میں بیان کرتے ہیں۔ اکثر محفلوں اور عرسوں میں تشریف لاتے ہیں۔ آپ کی حرکاتِ تواجد نشاں اور سکنات ہائے بے تکلفانہ سے لوگ بہت مزہ لیتے ہیں۔ اور فارسی اور ریختہ کے اشعار ایسے مناسب انداز میں پڑھتے ہیں کہ عجیب لطف ملتا ہے۔ جب وہ شعر پڑھتے ہیں تو سننے والے کو حلاوت اور بہت لذت حاصل ہوتی ہے۔ شعر گوئی میں اسم بامسمّٰی ہیں۔ آپ کی صحبت غنیمت اور آپ کی محفل پُر از کیفیت ہے۔

شاہ غلام محمد

دارا شکوہ کے طویلے کے پاس آپ کی خانقاہ ہے۔ ہر منگل کو مجلسِ سماع منعقد ہوتی ہے۔ تمام شہر کے قوال اور دوسرے اربابِ ذوق حاضر ہوتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔ آپ کی پیشانی مبارک سے روحانی کمالات کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ گفتگو کے دوران جب آپ کے مُنہ سے مہکتے ہوئے پھول جھڑتے ہیں۔ اُن سے فضائلِ انسانی کی علامتیں اور خصوصیتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ بیشتر اوقات خاموش رہتے ہیں اور اکثر مراقبے میں رہتے ہیں۔ (چوں کہ) آپ کو سماع کا بہت شوق ہے۔ تاج خاں قوال کے گھر پر ہر مہینے کی پانچ تاریخ کو محفل ہوتی ہے۔ (تاج خاں کو) آپ سے خاص عقیدت ہے۔ آپ (اس محفل میں) رونق افزا ہوتے ہیں۔ جو معتقد زیارت کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، (اُن پر) بہت کرم فرماتے ہیں۔ اور رنگین و دلچسپ گفتگو سے انھیں محظوظ فرماتے ہیں۔ طالبوں کے لیے آپ کی صحبت اہم اور ہدایت حاصل کرنے کے خواہش مندوں کے لیے آپ کی خدمت مغتنم ہے۔

ذکر شاہ رحمت اللہ

شہر کے مشائخ کے پیشوا ہیں اور اتنے مشہور ہیں کہ ساری دنیا میں اُن کا چرچا ہے۔

حکومت کے اعلیٰ عہدے داروں میں سے بیشتر کو اُن سے عقیدت ہے اور اُن کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ اور تمام لوگ اُن کے بلند مرتبہ سلسلے سے ارادت رکھنے کی وجہ سے (اُس در سے) وابستہ ہیں۔ (آپ کی محفل میں) ہمیشہ حلقۂ ذکر اور محفلِ کرامت میں سماع رہتا ہے۔ آپ کی چار بیویاں ہیں۔ باری باری ایک ایک رات ہر بیوی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن آپ کے طور طریق سے جوانوں کی طاقت محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ روحانی کیفیت سے لبریز ہیں۔ لیکن مے فروش کی محبت میں ہمیشہ ڈوبے رہتے ہیں۔ غالباً یہ بنا بر مصلحت اور ظاہرا برائے حکمت ہوگا۔ ضرورت مندوں کی سفارش میں آپ کا قلمِ فیض رقم بے اختیار اور وزیرِ اعظم کے عہدے کے لیے بھی آپ کی انگلیاں (انامِلِ وجد شوامل) درکار ہیں۔ معجزوں سے لبریز آپ کا وجود واجب التعظیم اور آپ کے قدم مبارک قدمِ لازم التکریم ہیں۔

اعظم خاں پسر فدوی خاں

یہ خانجہاں بہادر عالم گیری کے بھتیجے ہیں۔ امرائے عظیم الشان میں ہیں۔ مزاج میں رنگینی اور موسیقی میں مہارت حاصل ہے، اس لیے ہندوستان کے موسیقار اِن کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت امرد پسند ہے اور مزاج سادہ رویوں کی محبت میں گرفتار ہے اُن کی جاگیروں کی آمدنی اس فرقے پر خرچ ہوتی ہے۔ اور تمام دنیا کی دولت ان امردوں کے قدموں پر نثار۔ جہاں کہیں کسی امرد کی خبر ملتی ہے، دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس پر اپنی رفاقت کی کمند ڈالتے ہیں۔ اور جہاں کہیں سے کسی سادہ رو کا پیغام ملتا ہے اُسے اپنے احسان کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ اس گروہ کے بہت سے لڑکوں نے اُن کی حسنِ سعی سے مناصبِ مناسب پر امتیاز حاصل کیا ہے اور (اب بھی) اُن کے دوست ہیں۔ بعضے خانگی مراعات پر اکتفا کر کے محفلِ نشاط میں رونق افروز ہیں۔ (یہ امرد) بڑی شان و شوکت سے ناقابلِ بیان تجمل کے ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ غرض جہاں کہیں کوئی سبزہ رنگ نظر آئے، وہ اعظم خاں سے منسوب ہے۔ اور جہاں کہیں کوئی نو خط نظر آئے، تو پتا چلتا ہے کہ اسی عظیم الشان سے وابستہ ہے۔ ان گلرخوں

کے حسن کے پرتو سے (اعظم خاں) بڑھاپے کو جوانی میں بدلے ہوئے ہیں۔ اور اس خیال سے کہ عمرِ عزیز بہت کم باقی ہے۔ نفسانی لذتوں کے حصول میں عجلت سے کام لے رہے ہیں۔

مرزا منو اس زمانے کے امیر زادوں میں ہیں اور اس فنِ سحر کاری میں یگانۂ روزگار ہیں، اکثر امیر زادے اس علم کے اہم نکات انہی سے سیکھتے ہیں، وہ اُن (اعظم خاں) کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں۔ (مرزا منو) اس محفل کے منتظم اور اس بزمِ غلمان کے مہتمم ہیں۔ ان کا گھر بہشتِ شدّاد ہے اور اُن کا کاشانۂ مجمعِ پریزاد ہے۔ ہر وہ نوخطِ رنگیں، جس کا اس محفل سے تعلق نہیں ہے، وہ مردِ باطل ہے اور جس سانولے سلونے کا اس مجلس سے ربط نہیں ہے وہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ اُن کی مجلس میں حسین امردوں کی پرکھ ہوتی ہے اور اُن کی محفل گلرخوں کی کسوٹی ہے۔ اگر حسن کے سونے چاندی کا سکہ ان کی محفل کی دارالضرب میں نہ ڈھلے تو کھرا نہیں ہوتا۔ کیا ہوا اگر وہ (حسین) سونا چاندی ہے۔ جب حسن کی چاندی اس محفل کی بھٹی میں نہ پگھلے، چاندی نہیں ہے۔ کیا ہوا اگر چاندی خالص ہے۔ رباعی:-

دوستو اب قمار خانے میں ایسے کچھ ہی رند باقی ہیں،
جو کم عیار لوگوں سے نہیں ملتے۔
رند بہت کم ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ بہت کم ہیں۔
(یہ رند) دو عالم کے نقد و ادھار (اس دنیا کے نقد
اور آخرت کے ادھار) پر ہنستے ہیں۔

ذکر لطیف خاں

اُن کی صحبتوں کا لطف عشرت طرازوں کا دستورالعمل ہے اور اُن کی محفل کے طور طریق عیش پسندوں کے معمول ہیں۔ امیر زادوں میں ہیں۔ اُن کی ہمت مصروفِ بزم آرائی اُن کی کوششیں مشغولِ نغمہ سرائی رہتی ہیں۔ موسیقی میں اس درجے کی مہارت حاصل ہے کہ نعمت خاں اکثر اُن کے گھر آتے ہیں۔ اور اُن کے گانے کی تعریف کرتے ہیں۔ اُن کے گانے

میں ایسا مزہ ہے کہ حکومت کے اعلا عہدیداران اُن کی محفل میں باریابی کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ خداداد قابلیت رکھنے میں بے نظیر اور رنگین گفتگو کرنے والے دوست ہیں۔ ہر وقت خُم کی طرح نشۂ سیہ مستی میں سرشار، اور ساغر کی طرح ہر دم مینا کی خدمت میں سرگرمِ صہبا پرستی رہتے ہیں۔ محفلوں میں رنگین اشعار پڑھتے ہیں۔ اہلِ محفل کی تفریحِ طبع کے دوران دلچسپ قصّے کہانیاں سُنا کر نقلِ محفل کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ دوستوں کی دلجوئی کا یہ عالم ہے کہ جو کوئی ایک مرتبہ اُن کی محفل میں پہنچ جاتا ہے، خود کو اُن کا بہت پُرانا دوست سمجھنے لگتا ہے۔ دوستوں کے دل رکھنے کا یہ عالم ہے کہ ایک دفعہ اُن سے ملاقات ہوگئی تو اُن پر تمام زندگی کا حقِ التفات ہوگیا۔ مینا و جام کی طرح ہر ایک کی تواضع کرتے ہیں۔ اُن کا دلنواز رویہ ہر شخص پر نشے کی سی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ با تکلف حقے اور شراب نوشی کے ظروف ہر ایک کے سامنے علیٰحدہ علیٰحدہ رکھے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک کے سامنے الگ الگ گلابی اور گزک کا سامان اس طرح رکھا جاتا ہے کہ کوئی کسی کے ساتھ شریک نہیں ہوتا۔ موسیقار باری باری دادِ خوش ادائی دیتے ہیں۔ اور حریفانِ خوش نوا اپنے اپنے مرتبے کے مطابق ترنم سرائی کرتے ہیں۔ اس (موسیقی) کے دوران لطیفہ گوئی بھی ہو جاتی ہے، بذلہ سنجی بھی ہوتی ہے اور بدیہہ گوئی بھی۔ دو گھڑی دن رہے یہ محفل شروع ہوتی ہے۔ اور ایک گھڑی رات تک جاری رہتی ہے۔ جب مقررہ وقت آجاتا ہے تو (لطیف خاں) آرام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور لوگ اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اکثر نور بائی اور دوسری طوائفیں گانے والے، سازندے اور رقاص اس محفل میں شامل ہوتے تھے۔ تمام دولت بادشاہ کے قدموں میں نچھاور کردی ہے اس لیے آج کل پہلا جیسا ہجوم نہیں ہوتا۔ ہاں مخصوص لوگ جمع ہوتے ہیں اور ایک گھڑی رات تک عیش کرتے ہیں۔ یہ شعر اکثر اُن کی زبان پر ہوتا ہے یادگار کے طور پر نقل کیا جاتا ہے۔

مے نوشوں کی محفل میں دورِ صبح و شام نہیں ہوتا۔
یہاں جام گردش میں رہتے ہیں ایام نہیں۔

ذکر کیفیت بسنت

جس مہینے میں بسنت واقع ہوتی ہے، اُس مہینے کی پہلی تاریخ کو جناب رسالت

پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف پر طرفہ مجمع اور عجیب ہنگامہ ہوتا ہے۔ اس دن صبح سے شہر کے تمام لوگ سج دھج کر آتے ہیں۔ اُس بہارستانِ فیض کے راستوں پر دونوں طرف مختلف رنگوں کے فرش بچھا کر اپنی اپنی جگہ کی آرایش کر کے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اُس سعادت کدے کے آس پاس اور صحن میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں اور خوشی وانبساط حاصل کرتے ہیں۔ اور قوالوں مجرائیوں اور زائروں کے لیے چشم براہ رہتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ کب (قدیم شریف کے) صحن میں قوال اور موسیقار پورے تزک واحتشام سے، قسم قسم کے گلدستوں اور طرح طرح کے پھولوں کو گل دانوں میں سجائے، پورے خضوع وخشوع کے ساتھ روحِ مقدس سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات کی نیاز کے لیے بہت آہستہ آہستہ ہر قدم پر زمزمہ سنجی کرتے ہوئے آتے ہیں: ان لوگوں کے ساتھ کچھ لوگ گلاب، عرقِ بیدِ مشک، عرقِ بہار اور دوسرے عطریات کے گلاب پاش ہاتھ میں لیے اس متبرک مقام کے زائرین پر خوشبوئیں چھڑکتے ہیں۔ خوبصورت امردوں کے ہاتھوں میں چاندی میں بنے ہوئے گلاب پاش دیکھ کر تماشائیوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ اور عقل کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ وہاں کے راستوں کی گرد خوشبوؤں کی کثرت سے عبیر خیز اور خوشبوؤں کی کثرت سے اس مقامِ فیض الانوار کے در و دیوار کی ہوا عطر انگیز ہے۔ یہ حالت دیکھ کر جنون بے اختیار ہو کر نالہ و فریاد کرتا ہے۔ ایسے منظر دیکھ کر طبیعت بگولے کی مضطرب ہو جاتی ہے۔ نوجوان اور نوخیز خوبصورت مطرب عجیب و غریب جلوؤں اور اداؤں کے ساتھ اُس شفاعت گاہ (قدم شریف) میں الگ الگ صفیں باندھے ساز و نوا کے ذریعے عقیدت و بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف معمر قوال، نیاز مندوں کا ایک گروہ بنائے (کذا) خضوع وخشوع کے ساتھ اس آستانے پر جبہ سائی کرتے ہیں۔ ہر طرح کے اربابِ طرب، ہر گوشہ و کنار میں کسی کی فرمایش کے بغیر اپنے فن (جس کو وہ عبادت سمجھتے ہیں) کا اظہار کرنے کے لیے رقص و سرود کرتے ہیں، ثقہ اور سنجیدہ زائرین مسلسل درود شریف پڑھتے ہیں۔ صبح سے عصر کی نماز کے وقت تک گانے والے باری باری مساعیِ حمیدہ کے ساتھ بندگی پیش کرتے ہیں۔ اور اپنے گھر واپس چلے جاتے ہیں اور قبول و تمنا کے پھول اپنے دامن میں بھر کر لے جاتے ہیں۔

دوسرے دن موسیقار اسی طرح سازونوا کے ساتھ حضرت قطب الاقطاب کی زیارت کو جاتے ہیں۔ عقیدت اور بندگی کا اظہار کرکے، واپسی میں حضرت چراغ دہلی کے طواف سے اُمید کی شمع روشن کرتے ہیں۔ چوں کہ حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ شہر سے بہت قریب ہے اور فرطِ عقیدت کی وجہ سے لوگ اس کی زیارت کے بہت شائق ہیں، اس لیے تیسرے دن درگاہ حضرت چراغ دہلی میں مخصوص محفل منعقد ہوتی ہے۔ اعلیٰ درجے کی محفلِ سماع منعقد ہوتی ہے۔ صوفیہ وجد و حال میں اپنے ہم عصروں سے سبقت لے جاتے ہیں۔ اور فقرا و مشائخ خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس خیال سے کہ حضرت شاہ حسن رسول نما کا مزار عین شہر میں واقع ہے اور موسیقاروں کو آپ سے دلی تعلق ہے۔ وہاں زبردست مجمع ہوتا ہے۔ اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ زائرین کے لیے چلنے پھرنے کی جگہ نہیں رہتی۔ اس درگاہ فیض آگیں کے آس پاس گانے والوں اور نقالوں کی اتنی کثرت ہوتی کہ بہت وسیع ہونے کے باوجود تِل دھرنے کی جگہ باقی نہیں رہتی۔ پانچویں دن درگاہ حضرت شاہ ترکمان، جو سوادِ پیش گاہِ فلک اشتباہ ہے۔ اربابِ نشاط وحال اور حسینوں کے اجتماع کی وجہ سے رشکِ فردوسِ بریں اور رشکِ انجم و پروین ہوجاتی ہے۔ چونکہ اکثر اچھے قوال اس درگاہِ کرامت آثار کے قریب رہتے ہیں، اس لیے ہمسائگی کا حق ادا کرنے کے لیے عام طور سے دوسری جگہوں کے مقابلے میں یہاں زیادہ نازکی اور عمدگی سے گاتے ہیں۔ اور سننے والوں کو ممنون کرتے ہیں۔

چھٹے دن مقررہ طریقے کے مطابق بادشاہ اور امرا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مادی منفعت حاصل کرنے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

اس مہینے کی ساتویں رات کو رقاص اکٹھا ہوکر احدی پورہ میں مدفون ایک عزیز کی قبر پر حاضری دیتے ہیں۔ قبر کو خالص شراب سے دھوتے ہیں اور ساری رات سانس لیے بغیر (لگاتار) باری باری رقص وسرود میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ ایسی حرکتوں سے مرحوم کی روح کو راحت ملے گی۔ قوال بھی گروہ در گروہ آتے ہیں۔ رنگین محفل کا انعقاد ہوتا ہے۔ خوبصورت لوگ وہاں آتے ہیں۔ وہاں خلوت بھی نصیب ہوتی ہے اور عجیب و غریب

صحبت میسر آتی ہے۔ غرض چھ روز تک اس تقریب میں تماشائیانِ عشرت پرست اور نظارگیانِ سبک سیرِ چابک دست دادِ انبساط دیتے ہیں اور ایک ہفتے میں ایک سال کے لیے لذتوں کا ذخیرہ جمع کر لیتے ہیں۔ کیا خوش حال ہیں یہ لوگ۔

ذکرِ یازدہم میرن

موصوف کی انکساری و وسعتِ اخلاق، کثرتِ تواضع، مہمانداری اور بزم آرائی کا یہ حال ہے کہ ہمسر اُن سے حسد کرتے ہیں۔ چوں کہ یہ اربابِ رقص ونشاط کے داروغہ ہیں اور اہلِ طرب کا اُن کے پاس آنا جانا ہے، اس لیے مطعون ہیں۔ چوں کہ وزیرالممالک کو مے نوشی کا شوق اور اہلِ حسن و جمال اور عشوہ طرازوں کا ذوق ہے اس لیے وزیرالممالک کی نظر میں، حسنِ خدمات کی وجہ سے میرن معزز و محترم ہیں۔ انھیں حسینوں کی تلاش کا ملکہ حاصل ہے۔ ہر روز ایک نئے پری پیکر کو اپنے جادو سے تسخیر کرتے ہیں۔ (وزیرالممالک) دوسرے مصاحبوں کے مقابلے میں ان پر زیادہ مہربان ہیں۔ اُن کا گھر گلرخوں کے کثرتِ جلوہ سے گلشن آباد ہے اور اُن کا کاشانہ مہ جبینوں کی موجودگی کی وجہ سے آشیانۂ پریزاد ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی حسین ہے، ان کی محفل کا خواہاں ہے جس کسی کو حسن کا نشہ ہے، اُن کی بزمِ سراپا کیفیت کا شیفتہ ہے۔ کلاونت بچوں میں سے خوبصورت امردوں کا اُن کی محفل میں ہجوم رہتا ہے اور ہندو اور مسلمان نوخطوں سے اُن کی محفل بھری رہتی ہے۔ چوں کہ ہر مہینے کی گیارہویں کو مجلس ہوتی ہے بغیر بلائے رقاص صبح ہی سے ان کی محفل میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اپنے دیدہ و دل پر احسان کرتے ہیں اور رقص و سرود میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح قوال و نقال (انعام واکرام کی) توقع کے بغیر اظہارِ بندگی کرتے ہیں۔ بہت سے خیمے لگائے جاتے ہیں، رنگین فرش بچھائے جاتے ہیں۔ اہلِ شہر کے لیے صلائے عام ہوتی ہے منتخبِ روزگار اس محفل میں ہوتے ہیں۔ اس محفل میں دلربا حسینوں کا اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ انسان گم ہو جاتا ہے اور ندیدوں کی طرح للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔ ہر ایک کے لیے عیش و عشرت کا سامان مفت ہے۔ اس مقام کے تماشے کی کوئی قیمت نہیں۔ اپنے گھر پر بے انتہا دولت لٹانے پر بھی یہ صحبت

اور یہ تماشا نصیب نہیں ہو سکتا اور یہ کیفیت میسر نہیں آسکتی۔

تمام رات شمع اور چراغ اتنی بڑی تعداد میں روشن ہوتے ہیں کہ پوری محفل نورٌ علیٰ نور اور پورا ماحول وادیِ طور بن جاتا ہے۔ اُس بزم گاہِ تجلی دستہ گاہ کے صحن میں اربابِ حرفہ کھانے پینے کی طرح طرح کی دکانیں لگا ئے تماشائیوں کے ہاتھ سامان فروخت کرتے ہیں۔ چوں کہ یہ محفل تعلقات کو بہتر بنانے اور نئے تعلقات قائم کرنے کے لیے سجائی جاتی ہے، اس لیے مہمان داری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔ ممتاز اور مخصوص لوگوں کو جہاں مدعو کیا جاتا ہے، وہ جگہیں خوبصورت فرشوں اور رنگین ماحول کی وجہ سے ایک دوسرے سے رشک کرتی ہیں۔ کھانے پینے کے سامان اور پھولوں سے تواضع کی جاتی ہے۔ جو حضرات مے نوشی کا شوق رکھتے ہیں، انھیں تر دماغی کے لیے صہبا کشی کی اجازت ہوتی ہے۔ ہر ایک کی خدمت میں طرح طرح کے عطر پیش کیے جاتے ہیں۔ غرض (میرن) مہمانداری میں بے بدل اور بزم آرائی میں بے مثل ہیں۔ اُن کے گھر والے امرا کے گھروں کی طرح دنیا بھر کے پری رخوں کی جلوہ گاہ ہے۔

ربیع الاول کی بارہویں کا ذکر

سرائے اعراب (عرب سرائے) بادشاہی قلعے سے تین کروہ کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں اہلِ عرب رہتے ہیں۔ یہ سب بادشاہ کے وظیفہ خوار ہیں، اس لیے یہاں کی رونق ہی الگ ہے۔ ربیع الاول کے مہینے میں اور خاص طور سے بارہویں تاریخ کو عجیب وغریب مجمع اور کیفیت ہوتی ہے۔ اس سرائے کے وسط میں مسجد ہے اور مسجد میں ایک وسیع حوض ہے۔ اس کی فضا دلکشا ہے۔ اسے مکرم خاں مرحوم نے تعمیر کرایا تھا، تقریباً دو ہزار عرب اس مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور تمام رات دردناک اور دلنشیں ترنم سے وہ قصیدے پڑھتے ہیں، جو عرب شاعروں نے آنحضرت کی مدح میں لکھے تھے۔ شعر:-

جو لوگ خدا پرستی کرتے ہیں، وہ نور بہٹ کی آواز پر
بھی جھوم جاتے ہیں۔

ان قصیدوں پر صوفیہ کو وجد و حال آتا ہے۔ ہر طرف سے نماز و درود کی اور ہر سمت

سے تسبیح اور کلمہ پڑھنے کی آوازیں کانوں میں آتی ہیں۔ تمام رات یہ عمل جاری رہتا ہے، اور جیسے ہی صبح کے آثار نمودار ہوتے ہیں، ختم قرآن شریف میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ سب کے سب حافظ ہیں اور قرأت و تجوید کے قاعدوں سے واقف ہیں۔ اس لیے سننے والوں کو بہت مزہ آتا ہے۔ اور نمازِ سراپا حضوری کا لطف حاصل ہوتا ہے۔

شہر کے لوگ اور خاص طور سے نیک اور پارسا حضرات ہم خیالی کی وجہ سے اس محفل میں آکر آخرت کے لیے ثواب کماتے ہیں اور روحانی مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لذتِ ذائقہ کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ چوں کہ اہلِ عرب مہمانوں کی تعظیم و تکریم میں ضرب المثل ہیں۔ وہ آنے والوں کو مرحبا کہہ کر خوش آمدید کہتے ہیں۔ اس سرائے میں کھجوریں خوب ہوتی ہیں، کھجوروں سے استقبال کرتے ہیں۔ رات کو طرح طرح کے کھانوں سے تواضع کی جاتی ہے۔ قہوے کے بڑے بڑے پیالے، جن میں کبھی کبھی مٹھاس بھی ڈالی جاتی ہے، لگاتار لوگوں کو پیش کیے جاتے ہیں۔ چونکہ قہوے سے متلی ہونے لگتی ہے، اس لیے مہمان ردو قبول کی سخت اذیت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ خان صاحب کے ساتھ فقیر بھی، سرِ دفترِ اشفاق کیشاں، سید حشمت خاں کے ہاں گیا تھا۔ اس شعر کے معنی اس جگہ پر صادق آتے ہیں۔ شعر:-

میں ایک روز ایک عربی کے گھر مہمان گیا۔ اتنا قہوہ پیا
کہ میں قہوہ دان بن گیا۔

غرض ثقہ حضرات کے لیے، یہ جگہ خال بھی ہے اور تماشا بھی۔ کچھ لوگ نمکین عربی امردوں کو دیکھنے آتے ہیں۔ حالاں کہ ان امردوں کا لباس خوبصورت ہوتا ہے اور نہ ضابطے کے مطابق۔ محبت کا جذبہ اور دلکش ادائیں بھی نظر نہیں آتیں۔ وہاں مخلصی کے لیے اس شعر پر عمل ہوتا ہے۔ شعر:-

حقیقت کے طالبوں کو اونٹ میں بھی وہی دکھائی
دیتا ہے جو چین اور چگل کے حسینوں میں نظر آتا ہے۔

صبح کو جب گھر واپس آتے ہیں تو (راستے کی) ہوا و فضا سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور بزرگوں کی قبروں اور عظیم الشان عمارتوں کے کھنڈر دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں۔ شعر:-

یہ وہم وگمان کا گھر رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ اپنے
بام و در کی کیفیت سے عبرت حاصل کر۔

اگرچہ سرورِ کائنات علیہ اکمل التحیات کا بارہویں ربیع الاول کو عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ چراغاں بندی کی جاتی ہے اور سماع کی پرکیف محفلیں منعقد ہوتی ہیں، خان زماں بہادر جو محمد شاہ بادشاہ کے اعلا امیروں میں ہیں، اُن کی بزم آرائی کے انداز مخصوص ہیں۔ خان زماں کے طور طریق اور خوبیاں انگنت ہیں۔ اُن کے عظیم الشان دیوان خانے کا اگلا حصہ نیک بختوں کی پیشانی کی طرح کشادہ ہے۔ صحن میں آبِ حیات کا حوض ہے۔ اس مقام پر یہ دلنشیں محفل سجائی جاتی ہے۔ محفل میں ایسے رنگین قالین بچھائے جاتے ہیں کہ گلشن بھی اُس پر رشک کرتا ہے۔ اس پرسعادت مکان کے وسط میں آنحضرت کے آثار شریف کا صندوق لاکر رکھا جاتا ہے۔ (صندوق کے) چاروں طرف زائرین بیٹھ جاتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد وہ صندوق درمیان میں لاکر رکھا جاتا ہے۔ ہر طرف کے لوگ باری باری اس صندوق کے قریب آنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ اور اس دوران درود وسلام پڑھتے جاتے ہیں۔ اور تبرکات سے آنکھیں روشن کرکے نجات کا پروانہ حاصل کرتے ہیں۔

شام تک لوگ آثارِ مبارک کی زیارت کرتے رہتے ہیں اور سعادت حاصل کرتے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد اس صندوقِ شفاعت کو اچھی طرح بند کرکے سماع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ قوالانِ خوش لہجہ اور نغمہ طرازانِ رنگین زمزمہ اجازت کے منتظر رہتے ہیں، اربابِ محفل کی توجہ پاتے ہی نغمہ سرا ہوجاتے ہیں۔ اور صوفیۂ صافیہ وجد و حال میں تڑپنے لگتے ہیں۔ ہر طرف سے شور و غوغا بلند ہوتا ہے۔ اور اہلِ حال نالہ و فریاد کرتے ہیں وجد کرنے والوں کی تعظیم میں اربابِ مجلس کھڑے ہوجاتے ہیں، ہر طرف گھوم کر فیض اٹھاتے ہیں۔ اُس محفل میں اتنے لوگ ہوتے ہیں اور ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ محفل درہم برہم ہوجاتی ہے۔ سب لوگوں پر ایسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے کہ ہوش گنوا بیٹھتے ہیں۔ اہلِ محفل خدا کے بنائے ہوئے کرشموں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اُن سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شعر:-

میں نے جو کچھ دیکھا، اُس میں تیرا ہی جلوہ نظر آیا۔
شوخ سبزہ ہو یا پھولوں کی پاکیزگی۔

ذکر کیفیتِ کسل پورہ

کسل سنگھ بادشاہ کے ہزاری منصب داروں میں ہیں۔ ہم سروں میں اپنی دولت و ثروت پر فخر کرتے ہیں۔ کسل پورہ بڑی خوبصورتی اور تکلف کے ساتھ آباد کیا ہے۔ ہر طرح کی طوائفوں اور زنڈیوں کو لاکر آباد کیا ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں اور نشہ آور اشیا کے فروخت کرنے والوں کو اپنی سرپرستی میں وہاں لاکر رکھا ہے۔ اگرچہ وہاں بہت بھیڑ رہتی ہے، لیکن محتسب اس علاقے کے قریب سے بھی نہیں گزرتا، اس کی کیا مجال کہ احتساب کرے۔ ہر راستے پر رنگ برنگے لباس پہنے عورتیں خود کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اور ہر گلی کوچے کے موڑ پر دلال لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ کسل پورے کی ہوا شہوت انگیز اور فضا باہ انگیز ہے۔ خاص طور سے شام کو بہت مجمع اور عجیب ہنگامہ ہوتا ہے۔ ہر گھر میں رقص ہوتا ہے اور ہر مکان میں سرود۔ اہلِ ہوس بغیر کسی مزاحمت اور ممانعت کے وہاں آتے ہیں اور دامنِ شہوت کو خیارک اور سوزاک (جیسی بیماریوں سے) بھرتے ہیں۔ اور پھر باقی زندگی حسرت و یاس میں گزارتے ہیں۔ غرض عجب مقام اور طرفہ تماشا ہے۔

ذکر کیفیتِ ناگل

خواجہ بسنت اسد خانی کی سرائے کے قریب ایک احاطہ ہے بہت خوبصورت اور صاف ستھرا۔ اس میں ناگل نامی ایک صاحبِ کمال مدفون ہیں۔ ہر مہینے کی ستائیس تاریخ کو عاشق مزاج عورتیں خوب سج دھج کر جوق در جوق زیارت کے لیے وہاں آتی ہیں، حقیقت میں اُن کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ جن مردوں سے اُن کا تعلق ہوتا ہے، اُن سے مل کر دادِ عیش دیتی ہیں۔ بہت سے مجرّد اور پردیسی لوگ خوب بن سنور کر، اس اُمید میں کہ شاید انھیں کوئی قبول کرلے، اُس جلوہ گاہ میں خود کو پیش کرتے ہیں۔ مصرع :۔

دیکھیے دوست کسے چاہے گا اور کس پر توجہ کرے گا۔

کہا جاتا ہے کہ اس مقام کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر پردیسی اس تفریح گاہ میں آجائے تو فوراً اُسے اپنا جوڑا مل جاتا تھا۔ اگرچہ یہ تماشا گاہ بہت وسیع ہے، پھر بھی تماشائی اتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی۔ لوگ وہاں صبح آتے ہیں اور شام کو واپس جاتے ہیں۔ سڑک کے کنارے جو باغ ہیں، واپسی میں اُن کی سیر کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ غرض عیش و عشرت کے سامان فراہم کیے ہیں اور خوب چیزیں اختراع کی ہیں۔ خدا تمام دوستوں کو نصیب کرے۔

ذکر ریتی مہابت خاں

اُس ریگستان میں، جس کا ذکر بہت طویل ہے، رنگین جوان اور سراپا تزئین پہلوان کشتی لڑنے اور قوت و پہلوانی کی نمائش کے لیے بہت بڑی تعداد میں یہاں جمع ہوتے ہیں۔ ہر کوئی قوت و فن میں اپنے جوڑ سے کشتی کرتا ہے۔ ایسی عجیب و غریب حرکتیں عمل میں آتی ہیں، جن سے دیکھنے والوں کا دل بہلتا ہے۔ اور اربابِ تماشا محظوظ ہوتے ہیں۔ ہر گوشہ و کنار میں مجمع لگتا ہے اور ہر طرف لوگ اکٹھا ہوتے ہیں۔ جس سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ ان کھیلوں کے بعد شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ اور لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں اور پھر مقررہ دن یعنی اتوار کو آکر معرکہ آرائی کرتے ہیں۔ اس مقام کی سیر لطف سے خالی نہیں ہے۔ اکثر خوبصورت امرد آتے ہیں اور تماشائی اُن سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ذکر سخن سازانِ محافل

صاحب کمالے و معنی طرازانِ مجامعِ شیریں مقالے

مرزا جانِ جاناں

آپ کی نزاکت مزاج بہار امتزاج گلشنِ معرفت کی آب و ہوا کی پروردہ ہے اور

تعریف وتوصیف سے بے نیاز ہے۔ اس امید میں کہ شاید کبھی اُن کی مدح میں اوراقِ گُل کا تار و پود کام آئے۔ بادِ صبا سرگرم چمن آرائی ہے۔ اس خیال سے کہ کسی تکلم نرگس کو اُن کی خوبیاں تحریر کرنے کا موقع ملے قوتِ نامیہ گلشن پیرائی میں مصروف ہے۔ جس منظر پر اُن کا کلام لکھا جائے اُس کے تار رگِ گُل سے بنائے جائیں، تو مناسب ہوگا۔ اگر اُن کے افکار کے مسودات چشمِ بلبل کے پردے پر تحریر کیے جائیں تو درست ہے۔ اُن کے روز مرہ کی پاکیزگی اور گفتگو کی دلآویزی نکہتِ گُل کی طرح سامعین کے مشامِ جاں کو معطر کرتی ہے۔ اُن کے کلام کی پاکیزگی جنوں طینت لوگوں کے لیے نسیمِ بہار کی طرح شور انگیز ہے۔ ادائے سخن میں وہ شوخی ہے کہ سننے والا جب نئی نئی تشبیہیں و استعارے سمجھ کر مفہوم سمجھ لیتا ہے تو دوسرے ہی عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ اُن کے اندازِ تکلم کا یہ عالم ہے کہ سننے والا جب اُن کی بات سمجھ لیتا ہے تو اس کے دل سے بے اختیار آہ و فغاں اٹھتی ہے۔ اُن کا کلام مستوں کی محفل کی گزک اور اُن کی فکر معنی پرستوں کے لیے صہبا ہے۔ (آپ کے کلام میں) درد کی چاشنی طبعی اور سوزِ عشق فطری ہے۔ علوم سے فارغ التحصیل ہوکر جذبۂ شوق کے ہاتھوں مجبور ہوگئے اور محبتِ الٰہی میں علائقِ دنیا سے قطع تعلق کرکے فقر کا راستہ اختیار کرلیا۔ درویشی اور مرزائی کو جمع کرلیا ہے۔ دنیا آپ کی صحبت کی متمنی ہے۔ دیکھیں کسے نصیب ہوتی ہے۔ ایک جہاں اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشتاق ہے۔ دیکھیے کس کی قسمت ساتھ دیتی ہے۔ شعر ایسے دلکش انداز سے پڑھتے ہیں کہ اگر اُس کے بدلے میں جان بھی پیش کردیں تو مفت ہے۔ اُن کا لطفِ کلام اس طرح دل کو چھوتا ہے کہ سننے والے کی جان کی نقدی اس صرافہ فطرت کی تھیلی میں پہنچ جاتی ہے[۱]۔ اگرچہ آپ کی ذاتِ مقدس اس سے کہیں بلند ہے کہ اُن کا ذکر شاعروں میں کیا جائے لیکن چوں کہ آپ فکرِ شعر فرماتے ہیں، اس لیے قلم نے یہ گستاخی کی۔

بڑے بڑے امرا خدمت میں حاضر ہونے کی تمنا میں تدبیریں کرتے ہیں، لیکن ملاقات میسّر نہیں ہوتی۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرنے کے خواہشمند

---

[۱] مرزا جانجاناں کے فارسی کلام کا نام ہے "خریطۂ جواہر"۔ اس لیے "خریطے" کی رعایت سے "نقد" اور "صرافہ فطرت" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

جمعرات کے دن جامع مسجد میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ آپ کی اقامتِ شریف پرانی دہلی میں ہے۔ چوں کہ آپ کی طبیعتِ رنگین سیر و تفریح کی طرف مائل ہے، اس لیے آپ اکثر مکان بدلتے رہتے ہیں۔ بہت مشکل سے کسی کو آپ کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔ چوں کہ آپ کو اپنے عقیدت مندوں کا بہت خیال رہتا ہے، اس لیے معنی بیگانہ کی طرح اچانک اپنے منتظروں کے کلبۂ محقر میں پہنچ کر اُس کو نورانی بنادیتے ہیں۔ اگرچہ ہر چھوٹے بڑے کے حال پر برابر کی شفقت فرماتے ہیں لیکن اپنے ارادت مندوں پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں۔ راقم الحروف نے اکثر اُن کے فیوضات سے استفادہ کیا ہے۔ ایک بار میرا غریب خانہ بھی اُن کی قدموں کی برکت سے روشن ہو چکا ہے۔

معنی یاب خاں

بادشاہ کے منتخب اُمرا میں ہیں۔ رنگینیِ طبع کا یہ عالم ہے کہ اگر بہار کو بھیک میں یہ رنگینی مل جائے تو گلشنِ عالم کی رنگینی میں اور اضافہ ہو جائے۔ ان کے سخن کی شوخی کا یہ حال ہے کہ اگر نکہتِ گل کو سبک روی کا سبق سکھلائے تو شامِ جان کو زیادہ معطر کرے۔ غزالِ معنی کی تسخیر میں یدِ بیضا حاصل ہے۔ اور ادائے لطفِ سخن میں اندیشۂ رسا رکھتے ہیں۔ بہت اہتمام سے غزل کہتے ہیں۔ ایسے ایسے انداز اختیار کرتے ہیں کہ سُننے والے وجد میں آجاتے ہیں۔ ماہِ صفر کی تیسری تاریخ کو مرزا بیدل مرحوم کا عُرس ہوتا ہے۔ دلّی شہر کے تمام شاعر اُن کے مزار پر جمع ہوتے ہیں۔ مرزا بیدل کا دیوان بیچ میں رکھ کر اس میں سے شعر خوانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے شعر کے مسودے درمیان میں رکھتے ہیں اور حاضرین سے تحسین کی توقع کرتے ہیں۔ یہی عزیز (معنی یاب خاں) غزل خوانی کی ابتدا کرتے ہیں۔ حقیقت میں پہلے اُن کے پڑھنے کو اربابِ سخن پسند کرتے ہیں۔ شروع سے آخر تک اُن کے اشعار دل کو چھوتے ہیں اور ہر طرح کی نکتہ چینی اور تعرض سے بلند ہوتے ہیں۔ یادگار کے طور پر اُن کا ایک مطلع اس تذکرے میں نقل کیا جاتا ہے، اور وہ یہ ہے: (شعر:۔)

جب تیری چشم شہلا گلشن میں مے آشامی کرتی ہے

تو خوبصورت لوگوں کے حُسن کی دکان بادام کی طرح
بے رونق ہو جاتی ہے۔ (آنکھ کی رعایت لفظی کی
وجہ سے بادام کہا ہے۔)

جزیں

ہندوستانِ بہشت نشان کے مہمان ہیں۔ طبیعت کی بلندی اور تقدسِ فطرت میں اپنے عہد کے سخنوروں میں ممتاز ہیں۔ ولایتِ ایران کے رہنے والے ہیں۔ وارستہ مزاجی اور آزادیِ طبیعت کی وجہ سے سیاحت کے لیے اربابِ فقر کے لباس میں دلّی پہنچے۔ جہاں جاتے ہیں، آپ کا احترام کیا جاتا ہے۔ اور ہر محفل میں آپ کی تشریف آوری مغتنم سمجھی جاتی ہے۔ آپ نے گوشہ گیری اختیار کر رکھی ہے اور کمال استغنا کے ساتھ مہمان سرائے توکل میں مقیم ہیں۔ بعض اربابِ استعداد اُن کی ضرورتیں پوری کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور بڑے بڑے دولت مند آپ کی خدمت کر کے خود پر احسان کرتے ہیں۔ آپ کی زندگی بہت پاکیزہ اور صاف ستھری ہے۔ گھر میں مخلص احباب جمع رہتے ہیں یہ گھر کمال موزوں اور کیفیت آفریں ہے۔ سہ پہر کے وقت اُس مکان کے صحن میں جھاڑو دے کر چھڑکاؤ کیا جاتا ہے تو یہ مقام آئینہ کی طرح جلوہ پیرا ہو جاتا ہے۔ چوکی پر فرش بچھایا جاتا ہے۔ پھر نکتہ سنج اور موزوں طبع جو اس محفل کا لازمی حصہ ہیں، آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر، بلبل کی طرح زمزمۂ غزل خوانی کرتے ہیں اور آپ کی بہارِ صحبت سے دامن بھر بھر کے استفادے کے پھول لے جاتے ہیں۔ آپ کی طبع رنگین بہت شوخ رسا ہے۔ آپ کی لطیف حرکتیں رعنائی اور خوش ادائی میں کمال رکھتی ہیں۔ اربابِ کمال آپ کے شعر کو نمونہ بنا کر مشقِ شعر کرتے ہیں۔ آپ کا کلام بزمِ وجد و حال میں باعثِ ہنگامہ ہے۔ آپ کے نتائجِ افکار میں سے کچھ اشعار منتظر حضرات کے ساتھ کے لیے اس جریدۂ شوق میں نقل کیے جاتے ہیں۔ اشعار:

سوختہ دلوں سے اس طرح لگاتار آہیں اُٹھتی ہیں،
جیسے شمع کے دل سے مُسلسل شعلہ نکلتا ہے یہ موتی

نہیں ہیں کہ توجہ کیے بغیر انھیں زمین پر پھینک
دوں یہ اشکِ گلرنگ ہیں جو خونِ دل کے ساتھ
باہر آرہے ہیں۔

سراج الدین خاں آرزو

اگر آپ کا کلام بہار آفریں پنکھڑیوں پر لکھا جائے، تو گل منت پذیر ہوگا۔ آپ کے نوائے شعر سے بلبلِ بہار سبق لیتی ہے۔ اُن کی گفتگو کی رنگینی سامعہ کو گل و گلزار کر دیتی ہے اور اُن کے روزمرے کی بہار فضائے بزم کو چمنستان بنا دیتی ہے۔ آپ کے اشعار کا مسودہ سونے کے ورق سے لگا کھاتا ہے اور آپ کے خیال کی نازکی فکر کی رگوں سے خون ٹپکا دیتا ہے۔ آپ کے کلام کی بیاض عشاق کے بازو کا تعویز ہے اور کلام کا مسودہ محبت کرنے والوں کے لیے حمایل ہے۔ شاعروں کی محفلوں کی روشنی ہے اور نکتہ سنجوں کی مجلسوں کے چشم و چراغ ہیں۔ دہلی کے تمام سخنور آپ کی صحبت کے متمنی ہیں اور دار الخلافہ کے تمام امرا ملاقات کے آرزومند ہیں۔ چوں کہ آپ کے کمالات میں مصاحبت کا فن مضمر ہے، اس لیے اہلِ دُوَل سے اُن کی خوب صحبتیں رہتی ہیں۔ تمام محفلوں میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ جس محفل میں وہ تشریف لاتے ہیں، تہنیتی کلمات بلند ہونے لگتے ہیں۔ اور جس محفل میں جلوہ افروز ہوتے ہیں صدائے مرحبا گونجنے لگتی ہے۔ اُن کے مشتاقوں کو اتفاق ہی سے اُن کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔

مرزا بیدل کے عرس کے دن اُن کے شاگرد ہونے کی وجہ سے، بزم آرا ہوتے ہیں۔ دنیا کو اپنے پاکیزہ خیالات سے ممنونِ احسان کرتے ہیں۔ اس یادگار گلدستے کی سجاوٹ کے لیے اُن کا مطلع نقل کیا جاتا ہے۔ شعر:۔

میکش قبر میں رنجِ مخموری لے گئے تھے، اس
لیے اُن کی لوحِ مزار پشمِ انگوری سے بنائی جائے
تو بہتر ہے۔

مرزا افضل ثابت

آپ کے کلام کا نشہ اربابِ وجد و حال کے لیے دل و دماغ کی غذا ہے اور اُن کا نتیجۂ فکر اہلِ کمال کے لیے نمونۂ مشق۔ اُن کے افکارِ چمن طرازِ نسیمِ بہار کی طرح دیوانوں کو بھڑکاتے ہیں۔ آپ کے خیالوں کے پھول جنوں طبیعتوں کے لیے ہنگامہ پیرا ہیں۔ دقائقِ سخن کے انواع و اقسام سے آپ واقف ہیں۔ فکر کی متانت میں ہم عصروں میں مستثنیٰ ہیں۔ تمام شاعر اُن کی استادی کے معترف ہیں اور کمالاتِ معنوی کے مداح ہیں۔ طبیعت میں استغنا اور فطرت میں شرافت ہونے کی وجہ سے اہلِ دنیا سے تعلق نہیں ہے اور فقر کی اس منزل پر ہیں کہ دولت مندوں سے نہیں ملتے اپنے گھر میں بے نیاز ہو کر مسند نشینِ توکل ہیں۔ بے احتیاجی کے اُس بلند مقام پر ہیں کہ جس پر تجمل کو رشک آئے۔ انھوں نے پائے استقامت کو درویشی کے دامن میں لپیٹ لیا ہے اور مستغنی دل نے عام رسم و رواج سے خود کو الگ کر لیا ہے۔ شعر گوئی اور تصوف پر کتابوں کی تالیف کے علاوہ اور کاموں پر التفات نہیں کرتے۔

انھوں نے تصوف کی تمام کتابوں سے انتخاب کرکے ایک کتاب تیار کی ہے۔ چوں کہ ان کی زندگی نے اتنی وفا نہیں کی کہ یہ کام مکمل کرتے، اس لیے اُن کے کچھ شاگرد اس کام کی تکمیل میں مصروف ہیں۔[۱] ہمیشہ اربابِ کمال اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے اور اس طریقے کو وسیلۂ سعادت سمجھتے انھوں نے ردیف دار اپنا دیوان مرتب کرکے اہلِ دنیا پر احسان کیا ہے۔ دیوان کا مطلع زیرِ نظر بیاض کو رونق بخش رہا ہے۔ اُن کے کلام کی شگفتگی کی بادِ نسیم اس باغ میں نزہت طراز ہے۔ شعر:-

جب وصال کی صبح نمودار ہو اور میری زندگی کی
شمع گل ہو جائے تو میری ہڈیوں کو پروانوں کے
مشہد پر لے جانا۔

[۱] "اُن کی زندگی ... تکمیل میں مصروف ہیں" معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کا اضافہ "مرقع دہلی" کی تصنیف کے بعد ہوا ہے۔

ابراہیم علی خاں راقمؔ

گوشِ خرد اُن کے لبوں کے گلچیں ہیں۔ اُن کی شاعری نامِ خدا رنگین ہے۔ اُن کے خاندان کا نسب حاجی شفیع خاں عالم گیری تک پہنچتا ہے۔ اور اُن کی شاعری عالم گیر کی طرح اہلِ سخن سے خراج لیتی ہے۔ ان کی فکر ایک عالمِ بہار کو جنم دیتی ہے اور اُن کی شاعری کی رنگینی موتی بکھیرتی ہے۔ ان کے فی البدیہہ اشعار دوسرے شعرا کے سوچے سمجھے اشعار سے بہتر ہوتے ہیں۔ ہم عصروں میں بذلہ سنجی میں کوئی ان کے مقابلے کا نہیں۔ اگرچہ غریبی کی وجہ سے اُن کے گھر میں سامان بہت کم ہے، پھر بھی شاعروں کے ہجوم کی وجہ سے گھر رشکِ گلشن بنا رہتا ہے۔ اگرچہ زمانے نے اُن کا دل خون کیا ہے، لیکن اُن کے لب پر کبھی شکوۂ روزگار نہیں ہوتا۔ ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔ دوستوں سے دل کھول کر ملتے ہیں اور دوستوں کی محفل سجائے رہتے ہیں۔ آپ کی بہارِ طبع کا نمونہ مشتاقوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے اور بزمِ بے کسی کی یادگار کے طور پر اس رنگین خیال کے خیال سے سجا رہا ہے۔ شعر:-

بے کسی نے جان سے مار دیا ہے، کسے پکاروں۔ ایک
لمحے کے لیے کوئی ہم نفس آجائے۔ نالۂ دل سے کس قدر
پتّا پانی ہو رہا ہے، آہ! میں چاہتا ہوں کہ کوئی فریاد
سُننے والا ملے۔

میر شمس الدین مفتونؔ

اُن کی نکہتِ فکر اپنی سادگی کی وجہ سے بزمِ یقین کو معطر کرتی ہے۔ اور اُن کی بے تکلفی سنجیدہ حضرات کا مضحکہ اُڑاتی ہے۔ اپنی ضرورت کے مطابق جو مل جاتا ہے۔ اُس پر قانع رہتے ہیں۔ اور اہلِ دنیا بہ قدرِ ضرورت اختلاط کرتے ہیں۔ قدما کے انداز میں شعر کہتے ہیں۔ اُن کا کلام قدیم طرز کا ہے۔ قلمِ انتخاب یادگار کے طور پر اُن کا ایک شعر نقل کرتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ (شعر:-)

دنیا میں عجلت سے کام تکمیل نہیں پاتا آدمی کو جس
مٹی سے بنایا گیا تھا، اُسے چالیس دن گوندھا گیا تھا۔

مرزا عبدالخالق وارستہ

مناسب منصب پر فائز ہیں، اچھی خاصی آمدنی ہے، اس کے باوجود مزاجِ بہار امتزاج میں آزاد منشی ہے۔ گھر بہت خوبصورت اور دلکش بنایا ہے اور گھر کے شاندار ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں ہر طرح کی رعایت رکھی ہے۔ مکان میں ہر طرح کا خیال رکھا گیا ہے۔
انھوں نے ایک رباعی کہی ہے، جس میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے (رباعی:-)

یہ گھر فردوسِ بریں کی طرح بہار آئین اور آنکھوں کی
طرح نور آگیں ہے۔ اس میں فوارہ، حوض و نہر و گل نظر
آتے ہیں۔

یہ تازہ رباعی بھی کیسی رنگین ہے۔ گھر کے بیچوں بیچ ایک بڑا آئینہ نصب کیا گیا ہے، جس کے اطراف میں یہ رباعی اپنے قلم سے لکھی ہے:-

حلب کا آئینہ، جو نور کے خاندان سے ہے۔ سورج
کی طرح صبح کے لیے آغوش کشادہ کرتا ہے

چوں کہ صورتِ دوست نے اُس (آئینہ) کے چشم و دل میں جگہ پیدا کرلی ہے۔ اس لیے حیرت میں ڈوبا ہوا دیوار سے کمر لگائے کھڑا ہے۔
طرح طرح کے رنگوں کے فرش، رنگین پردوں اور طاقوں میں سجے ہوئے شیشے کے ظروف کی وجہ سے یہ گھر اربابِ نظر کے لیے تماشا خانہ ہے۔ پریزادانِ معنی کی طرح ہمیشہ رنگین خیال شاعر اُس شیشہ خانے میں آتے ہیں۔ اور بامزہ گفتگو سے دلوں کا رنج و غم دور کرتے ہیں۔
قہوہ، حقہ، معجون اور عطریات سے اُن کی تواضع ہوتی ہے۔ قدما اور نازک خیالانِ حال کے دیوان اُن کے سامنے رکھ کر شعر خوانی ہوتی ہے اور دادِ صحبت دی جاتی ہے۔ فقیر پر بہت التفات کرتے ہیں اور بہت شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ میں جہاں کہیں جاتا ہوں، وہاں غیر معمولی محبت

کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور بہت دیر تک ساتھ رہتے ہیں۔ (شاعری میں) اپنی اختراع کی ہوئی زمینیں سُنا کر فقیر کو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ اُن کے رنگین چمنستاں کی بہارِ طبع کے مخترعات میں سے ایک مطلع یاد آیا اور وہ یہ ہے۔

رقیب ہم پر بھی ظلم کرتا ہے اور تم پر بھی گلرخو! تم مل
کر اس کے قتل کے لیے کمر کس لو۔

گرامی

کشمیر جنت نظیر کے شاعروں میں ہیں۔ اور مولوی ہونے کے باوجود سخنوری کا ذوق رکھتے ہیں۔ اپنے اشعار کی بیاض ہر وقت بغل میں دبائے رکھتے ہیں۔ سخن فہموں کے سامنے کشمیری گویوں کے انداز میں بڑے شدومد کے ساتھ گا کر پڑھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ان کا پورا دیوان منتخب ہے۔ تازہ گوئی کے دعوے اس زور شور سے کرتے ہیں کہ مشاعرے کو مناظرے کی سرحد میں پہنچا دیتے ہیں۔ اُن کی بزرگی کے پیشِ نظر اکثر شاعر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ تحسینِ تکلف کے کلمات سے اپنے اصل جذبات کو چھپا لیتے ہیں۔ راقم الحروف کو اُن کا ایک مطلع پسند آیا۔ جو اس بیاض میں نقل کیا جاتا ہے:۔ شعر:۔

جب وہ چمن میں قدم رکھتا ہے، تو پھولوں کے چہرے
کا رنگ اڑ جاتا ہے۔

مرزا ابوالحسن آگاہ

عظیم اللہ خاں کے رفیقوں میں ہیں۔ رنگینیِ طبیعت کی وجہ سے تمام شاعروں کے دوست اور اُن کے ہم زباں ہیں۔ عرس کے دن دیوانِ مرزا بیدل میں سے اُن کا کلام پڑھتے ہیں۔ ہمیشہ فکرِ سخن میں مصروف رہتے ہیں۔ جوانِ رنگین اور دلچسپ ہیں، اس لیے لوگوں کے دلوں میں گھر بنا لیا ہے۔ مناسبتِ طبیعی کی وجہ سے اس فرقے (شاعروں) کے سب لوگوں کے ساتھ بہت گہرے مراسم ہیں۔ انبساطِ طبیعت سے خالی اور پیرایۂ رنگینی سے عاری نہیں ہیں۔ اُن کے

بعض اشعار میں ایک انداز اور ادا ہے۔ اُن کا ایک مطلع سُنا تھا جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

شعر:- غم و درد و توازن آن روز کہ مہمانِ من است
دل نمک سود کباب است کہ بر خوانِ من است

حلیما

عرب زادوں میں ہیں۔ اُن کا کلام اسحٰق اطعمہ کے انداز کا ہے۔ ان کا خیال نان و فرنی کا دسترخوان ہے اور شاندار ہے۔ اُن کے مطبخِ طبع میں آش و کباب ہیں۔ اُن کے کلام کی لذت بھوکے لوگوں کو تسکین پہنچاتی ہے۔ طرح طرح کے کھانوں کے بارے میں گفتگو کی حلاوت سے تہی دستوں کو خیالی پلاؤ[۲] حاصل ہو جاتا ہے۔ تلاش ہائے نمکین اور فکر ہائے شیریں رکھتے ہیں۔ ہر شاعر کے دسترخوانِ کلام کے ریزہ چیں ہیں۔ اور اقسامِ سخنوراں کے دسترخواں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ نئے اور پُرانے شاعروں کے تقریباً پچاس ہزار اشعار یاد ہیں۔ ایسی بلند مکروہ آواز میں پڑھتے ہیں کہ کانوں کو ناگوار گزرتا ہے۔ ایک مطلع تواضع کے منتظر حضرات کی خدمت میں نمک چکھنے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ شعر:-

شہد کی مکھی ہر دسترخوان پر جاتی ہے مبے تکلف اپنے
کام میں بہت محکم و استوار ہے۔

مرثیہ خوانوں کا ذکر

میر لطف علی خاں، دیوانِ جاوید خاں

اُن کا جسم اتنا بھاری ہے اور اتنے موٹے ہیں کہ اُن کے کمالِ فن کا اندازہ نہیں ہوتا۔ خاصے بھدّے اور بد ہیئت دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن مرثیہ و منقبت بہت شان و شکوہ کے ساتھ کہتے ہیں۔ انھیں محتشمِ وقت کہنا چاہیے اور حسن کاشی سمجھنا چاہیے۔ ریختہ میں بڑے طمطراق اور آن بان کے ساتھ منقبت کہتے ہیں۔ اُن کے مرثیے میں عجیب و غریب سوز و گداز ہوتا ہے۔ یہ

---

[۱] یہ غالباً پیشے کے اعتبار سے باورچی تھے۔ [۲] میں نے زلہ کا ترجمہ خیالی پلاؤ کیا ہے۔

مرثیے معدنِ اندوہ اور کانِ الم، مخزنِ مصائب و آلام اور گنجینۂ غم و اندوہ میں جاوید خاں کے عاشور خانے کے میر اہتمام ہیں۔ زائروں اور تعزیہ داروں کا ہر طرح خیال کرتے ہیں۔ اگرچہ حسنِ صورت سے محروم ہیں، لیکن اُن کے طور طریق سے حسنِ سیرت کا پتا چلتا ہے۔

مسکیںؔ و حزیںؔ و غمگیںؔ

تینوں بھائی ہیں اور مرثیہ گوئی میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ تمام شہر میں ان (لوگوں) کے کلام کی شہرت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تینوں بہت اچھا مرثیہ کہتے ہیں اور دردناک الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اور حسرت آگیں مضامین بیان کرتے ہیں۔ مرثیہ خواں اُن کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ آپ کے اشعار ڈھونڈ ڈھونڈ کر حاصل کرتے ہیں اور اپنے ہمسروں میں عزت و افتخار پاتے ہیں۔ ان عزیزوں کا طرزِ بیان اور فکر کی تازگی عجیب و غریب ہے۔ چوں کہ اپنے کلام میں ماتم گزاری کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور اہلِ بیت سے اُن کی محبت اور خلوص، ہر ایک پر ظاہر ہے، اس لیے مخصوص گھروں سے اتنا صلہ مل جاتا ہے کہ زندگی آرام سے گزر جاتی ہے۔ چنانچہ کوئی کام نہیں کرتے، صرف منقبت کہتے ہیں۔ اُن کے مرثیے سے عزاداروں کو وہ الم ہوتا ہے جو روضۃ الشہدا کے مشاہدے اور اہلِ بیت کے واقعات سننے سے نہیں ہوتا۔ مراتب غم و الم اور دستر خوان رنج و محن کے قدردان اس فرق سے واقف ہیں۔ شعر:-

ہم نہیں جانتے کہ نسیم کیا ہے اور ہم صبا کو بھی نہیں
پہچانتے۔ جو کوئی دوست کی خبر لاتا ہے وہ ہمارا دل
چھین لیتا ہے۔

میر عبداللہ

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے ماتم گزاروں میں ہیں۔ ندیمؔ اور حزیںؔ کے مرثیے ایسی (دردناک) آواز میں پڑھتے ہیں کہ سننے والے بے اختیار چیخ اُٹھتے ہیں اور نوحہ و فریاد کا یہ عالم ہوتا ہے کہ آسمان کے کان پھٹنے لگتے ہیں۔ اُن کی رقت آمیز آواز سے سُننے

والوں کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔ اور ان کی جاں گداز آواز سوگوار کرنے میں ناقابلِ بیان اثر رکھتی ہے۔ ابھی وہ مصرع بھی پورا نہیں کر پاتے کہ خلائق کی آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو جاتی ہیں۔ ابھی وہ شعر ختم نہیں کر پاتے کہ عوام گریہ وزاری شروع کر دیتے ہیں۔ بار بار پڑھنے کے باوجود وہی مضمون تازہ لگتا ہے۔ موسیقی کے تمام استاد متفق ہیں کہ ایسی خوبیوں کا مرثیہ خواں آج تک پیدا نہیں ہوا اور ایسے لحن اور آہنگ کا انسان دنیا میں نہیں آیا۔

محرم کے مہینے میں یہ جہاں جاتے ہیں ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ باری باری امرا کے تعزیہ خانوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ عزاداری کے مراسم ادا کرتے ہیں۔ طے کیے ہوئے مقامات پر لوگ پہلے پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جا کر وہاں بھیڑ لگا دیتے ہیں۔ اور اُن سے مرثیے سن کر آخرت کے لیے ثواب کماتے ہیں۔ اپنے ساتھ بہت سے مددگار رکھتے ہیں۔ صاحبِ جمال اور خوبصورت جوانوں کے ساتھ گھومتے ہیں۔ عاشورے کے دن کے علاوہ ان کا گھر اُن امردوں سے بھرا رہتا ہے جو عام طور سے مرثیہ خوانی کا فن سیکھنے اور اس کے کچھ نکات سمجھنے کے لیے آتے رہتے ہیں۔ قوال اور گویے بھی (ان کے پاس) حاضر ہوتے ہیں۔ اپنے کمال پر انھیں گھمنڈ ہے اور اکثر اپنی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ اس وضع پر انھیں برا بھلا کہتے ہیں، لیکن اپنے فن میں استاد اور یگانۂ روزگار ہیں۔

شیخ سلطان

اگرچہ پورب کے رہنے والے ہیں لیکن اُن کا تلفظ ہندوستان کے فصحا جیسا ہے۔ اور بڑے زور شور سے مرثیہ پڑھتے ہیں۔ اُن کی آواز پتھر کو پگھلا دے اور لحن قیامت برپا کر دے۔ اگرچہ فنِ موسیقی کی باریکیوں سے واقف نہیں ہیں۔ لیکن ان کی سادگی میں پُرکاری ہے۔ اگرچہ اُن کا طرزِ ادا معمولی ہے، لیکن دل کو چھوتا ہے۔ اُن کی آواز اور خلائق کی گریہ و آزاری نے عہد کر رکھا ہے کہ کبھی جدا نہیں ہوں گے۔ جس عاشور خانے میں جاتے ہیں، لوگوں کو سوگوار کر دیتے ہیں اور انھیں ماتم کی تصویر بنا دیتے ہیں۔

میرابوتراب

اُن کے مرثیہ پڑھنے کا انداز درد آمیز اور اسلوبِ ادا رقت انگیز ہے۔ چوں کہ فنِ موسیقی پر قدرت حاصل ہے اس لیے دلکش انداز میں مرثیہ پڑھتے ہیں۔ اور ماتم گزاروں کو تڑپا دیتے ہیں۔ تمام متبرک مقامات میں اُن کے قدم واجب التعظیم اور اُن کا ورود لازم التکریم ہے۔

مرزا ابراہیم

اُن کی آواز کا حُزن جاں گداز ہے اور اُن کی درد آمیز آہ وزاری سُننے والوں کو زہرہ آب کر دیتا ہے۔ اس طرز سے مرثیہ پڑھتے ہیں کہ (لوگوں میں) رقت اور درد پیدا ہو جاتا ہے۔ فرطِ اضطراب سے لوگ کانپنے لگتے ہیں اور بیہوش ہو جاتے ہیں۔ عزاخانوں میں اُن کا وقار اور عاشور خانوں میں اُن کی عزت دیکھنے کے قابل ہے۔

میر درویش حسین

حضرت امام حسین کے تعزیہ دار ہیں اور ماتم گزاری میں کوئی اُن کے مقابل نہیں۔ اُن کا منتخب برجستہ راگ ہر ایک کو پسند آتا ہے۔ میر عبداللہ خود صاحبِ کمال ہیں۔ پھر بھی ان کی تعریف میں گلفشاں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُن کے بعد میر درویش ہی کا مرتبہ ہے۔ یہ میر عبداللہ کی طرح تان کھینچتے ہیں۔ اور آواز کے اُتار چڑھاؤ میں میر عبداللہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اُن سے مرثیہ سُن کر لوگوں پر بہت رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اور بہت شور و شغب ہوتا ہے۔ جاوید خاں سے متوسل ہیں اور وہ ذی شان (جاوید خاں) ان پر عنایت کرتے ہیں۔

جانی حجام

اُن کے درد انگیز مرثیے کی صدا دل پر نشتر چلاتی ہے۔ اُن کی ماتم اندوز نوائے حزیں

سے سننے والوں کی دماغ کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں۔ ان کے پڑھنے کا انداز دل کو چھوتا ہے۔ گانے کا اسلوب دل کا خون کرتا ہے۔ ان کی غم و اندوہ سے بھری زور دار آواز کا اثر ماتم گزاروں کے دل کو داغ داغ کر دیتا ہے۔ ان کے صدائے اندوہ گیں شیون پیشگاں کا خون کھینچ لیتی ہے۔ جس نے ایک مرتبہ اُن سے مرثیہ سُن لیا' باقی تمام زندگی اُسے فصد کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی وہ زیادتیِ خون کا شکار ہوا۔ پہلے وہ ایک امیر کے معشوق اور عجیب و غریب حسن اور طرفہ جاہ وجلال کے مالک تھے۔ ایک لاکھ روپے کی دولت فراہم کرلی تھی۔

چوں کہ پینے پلانے کے شوقین تھے۔ سب روپیہ اڑا دیا۔ اب آسمان بدلہ چکا رہا ہے۔ لیکن چوں کہ خوش صحبت اور رنگین مزاج ہیں اس لیے امیرزادے ان کا خیال رکھتے ہیں اور ہمیشہ مے نوشی اور رقص کی محفلوں میں انھیں مدعو کرتے ہیں۔ خیال اور جنگلہ خوب گاتے ہیں۔ اور عیش وعشرت میں زندگی گزارتے ہیں۔

صاحبِ طبع مستقیم محمد ندیم

رقت ناک الفاظ اور استعاراتِ غم اندود سینہ چاک کے موزوں کرنے پر بہت قدرت رکھتے ہیں۔ مرثیے میں بہت اچھی تضمین کرتے ہیں۔ خاص طور سے وحشی کے مسدس کی تضمین میں انھیں یدِ بیضا حاصل ہے۔ وہ مسدس ہے۔

دوستو! میری مصیبت کی تفصیل سنو! میری بے سروسامانی کا قصہ سنو۔

اُن کے مرثیے کے ہر لفظ سے درد ٹپکتا ہے۔ اور اُن کے ہر کلمے سے آنکھوں سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ ریختے میں ایسے ایسے مضامین باندھتے ہیں کہ ایران کے فارسی شاعر عاجز نظر آنے لگتے ہیں۔ چوں کہ اُن کے اشعار کی بنیاد درد و اندوہ پر ہے اس لیے اُن کے سننے سے دل و دماغ پر غم والم کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس سے قبل کہ آواز کو سُروں میں ڈھالیں رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے اشعار میں عجیب تاثیر اور کلام میں طرفہ اثر ہے۔

ذکر اربابِ طرب نعمت خاں بین نواز

ہندوستان میں اُن کا وجود نعمتِ عظمیٰ ہے۔ نغموں اور راگ راگنیوں کی اختراع میں

یدِطولیٰ حاصل ہے۔ پرانے موسیقاروں کے ہم پلّہ ہیں۔ رنگین خیالوں کے موجد ہیں۔ کئی زبانوں میں اُن کی تصنیفات ہیں۔ آج کل دلّی کے تمام مغنّیوں کے سردار ہیں۔ چوں کہ طبیعت میں استغنا ہے، اس لیے بادشاہ کے علاوہ کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ معزالدین بادشاہ کے عہد میں ان کے پاس بہت ساز و سامان تھا۔ بزرگوں کے عرس میں حاضر ہوتے ہیں اور خود بھی گیارہویں شریف کرتے ہیں۔ امرا و رؤسا ہر مہینے کی گیارہویں کو اُن کے گھر پر جمع ہوتے ہیں، اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ جگہ نہیں ملتی۔ اس لیے لوگ صبح ہی سے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پو پھٹنے تک یہی حالت رہتی ہے اور موسیقی کی محفل بھاس راگ پر ختم ہوتی ہے۔ بین بجانے میں ایسی مہارت ہے کہ دنیا میں شاید اس سے بہتر کوئی اور (بین نواز) نہ پیدا ہوا ہو۔ (شعر:-)

" اس بزم کا مطرب دل میں راہ پیدا کر لیتا ہے طنبورے
پر اُس کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہمارے دل پر وہ ناخن
مارتا ہے (دل پر اثر کرتا ہے)"

اِدھر بین نواز نے اَن کے کندھے سے لگی اُدھر (سننے والوں کے) ہوش اس طرح غائب جیسے تار سے صدا بلند ہوتی ہے۔ اُن کی بین کے کدو باریک بیں نظروں کو مست کر دینے والی شراب سے بھرے سبو دکھائی دیتے ہیں۔ بین کے تار رگِ جاں کی طرح مستوں کی شور انگیزی کا سبب ہیں۔ جیسے ہی اُن کے ناخن کی مضراب ساز کو چھوتی ہے۔ صدائے تار کی طرح دل سے آہ و زاری کی آوازیں بلند ہو جاتی ہیں۔ جیسے ہی آواز کا شعلہ حلق سے بلند ہوتا ہے کدو کی طرح انسانی قالب خالی ہو جاتے ہیں، یعنی جسم سے جان نکل جاتی ہے۔ مرحبا و آفریں کی صدائیں ہوا میں بلند ہونے لگتی ہیں۔ یہ صدائیں بھی ایک نئے راگ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور تحسین کی صدائیں آسمان تک پہنچنے لگتی ہیں۔ آسمان پر بزمِ ناہید میں شور و غل بپا ہو جاتا ہے۔ مے نوشی کے شوقینوں نے اس سے بہتر کدو (جس سے بین بنتی ہے) نہیں دیکھا اور نغموں کے مشتاقوں کے کانوں نے نعمت خاں کی آواز سے بہتر آواز نہیں سُنی۔ شعر:

مے نوشی کا دورہ ہے۔ اس لیے میں بہ آوازِ بلند۔

کہتا ہوں کہ مے نوش کو چاہیے کہ اپنے ساتھ
کدو رکھے۔

اُن کے بھائی مختلف ساز درست کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ چار چار گھنٹے تک مختلف نغمے طرح طرح کے رنگ میں اور متفرق سُروں میں سُناتے ہیں۔ اُن کا فن دیکھ کر مغنیوں کے چہرے کا رنگ اڑجاتا ہے۔ یہ فن اور اس پر ایسی زبردست قدرت اور مہارت کیسے نصیب ہوئی۔ اُن کے گانے میں ایک کیفیت ہے۔ اُن کے بھتیجے کو تین تارا بجانے پر عجیب مہارت حاصل ہے۔ طرزِ تازہ ایجاد کی ہے۔ اعلا درجے کے سازوں پر جو دُھنیں بڑی کوشش اور محنت سے بجتی ہیں، انھیں تین تارے پر بجاتے ہیں۔ عجوبۂ روزگار ہیں۔ اُن سے اکثر ملاقاتیں ہوئی ہیں اور بہت سی صحبتیں نصیب ہوئی ہیں۔ موصوف بہت خاطر تواضع کرتے ہیں۔ بہت سے راگ (کذا) صبح تک ایک ہی انداز میں گاتے رہتے ہیں۔ لوگوں کی فرمائشیں قبول کرتے ہیں اور خوشی خوشی گاتے ہیں۔

تاج خاں

قوال ہیں۔ اُن کے طرح طرح کے نغمے تمام سُننے والوں کو بیخود کردیتے ہیں۔ اور نرگل کی طرح خود دلوں میں راہ پیدا کرلیتے ہیں۔ اُن کا نغمہ بلبل کے نغموں سے زیادہ رنگین۔ اور اُن کی آواز ورقِ گل سے زیادہ نازک سامعہ بے اختیار وجد میں آجاتا ہے۔ شوق کی زیادتی بار بار سُننے کی فرمائش کرتی ہے۔ اُس کی آواز بہزاد کے قلم کی طرح ہزاروں نیرنگیاں اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ مختلف راگوں میں ایک چھوٹا سے مصرع گاتے رہتے ہیں، جس سے طبیعت کچھ اس طرح لطف اندوز ہوتی ہے کہ اُن کے نغمے کے علاوہ کسی اور چیز پر التفات نہیں کرتی اور کھانے پینے کا خیال نہیں رہتا۔ جان بوجھ کر کئی مرتبہ یہ آزمایا گیا ہے۔ چوں کہ اُن کے مذاق میں فقر ہے اور درد آشنا ہیں۔ اس لیے گاتے ہوئے رو دیتے ہیں۔ غرض کہ اُن کی آواز میں ایسی کشش ہے کہ دل کو متاثر کرتی ہے۔

ہر مہینے کی ساتویں تاریخ کو اُن کے گھر پر مجمع ہوتا ہے۔ اکثر فقیر اور مشائخ، جو سماع کے قدردان ہیں، تشریف لاتے ہیں۔ اور تمام معتبر قوال حاضر ہوتے ہیں۔ اور باری باری گاتے

ہیں۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ تاج خاں ان تمام لوگوں سے بہتر فنکار ہیں۔ ان کے صاحبزادے جانی اور غلام رسول یہ بادۂ روحانی پی کر پوری طرح محظوظ ہوتے ہیں۔ اپنے باپ کے خلف الصدق ہیں۔ دونوں بھائیوں میں اتنی مشابہت ہے کہ ذرا بھی دونوں میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ چوں کہ ان لوگوں سے میرے تعلقات تھے اس لیے اکثر ان کی صحبتوں کا لطف اٹھایا ہے۔

باقر طنبورچی

ان کے طنبورے کے تار رگِ جاں ہیں، کہ جیسے ہی اُن کو چھیڑا دل لرز اٹھا۔ اُن کا نغمہ ریتی کی طرح ہے کہ اگر گراں جاں بھی اُسے سنیں تو اُس پر خراشیں آجائیں۔ اُن کے ساز کی آواز کا حزن و ملال اکثر سامعین پر رقت طاری کر دیتا ہے اور اُن پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ اُن کے طنبورے کا کاسہ بادہ نوشوں کی نظریں ساغرِ بادہ سے زیادہ خوش نما ہے اور ساز کی گردن، دیکھنے والوں کے لیے گردنِ مینا سے زیادہ رنگین۔ اُن کے برجستہ راگوں پر آفریں کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور بے ساختہ اداؤں پر تحسین کی آوازیں گونجتی ہیں۔ اگر خرِ طنبورہ کو خرِ عیسیٰ پر ترجیح دی جائے تو مناسب ہے، اگر اُن کے نغمے کو لحنِ داؤدی کی ایک قسم تصور کریں تو زیب دیتا ہے۔ سرکارِ بادشاہی میں منتظم اور اپنے ہمسروں میں محترم ہیں۔

حسن خاں ربابی

اس فن میں اُن کا قد چنگ کی طرح خمیدہ ہے۔ بڑھاپے میں اُن کی عمر کے گریبان سے صبحِ پیری روشن ہے۔ ضعف کی وجہ سے اُن کا سر تارِ رباب کی طرح کانپتا ہے اور ہمیشہ مقررہ روزی حاصل کرنے کے غم میں اُلجھے رہتے ہیں۔ بیچارے بدنصیبی کے چنگل میں گرفتار ہیں۔ شاید خدا اُن کی فریاد سن لے۔ اس رباب نوازی کے فن میں مسلم الثبوت ہیں اور پوری مہارت رکھتے ہیں۔ مشاہیرِ دلّی میں ہیں۔

غلام محمد سارنگی نواز

اُن کے ساز کی دلکش آواز سامعہ نواز ہے۔ اُن کی دلخراش آواز کی دردمندی پتھر

کا جگر پانی کر دیتا ہے۔ ان کا کمانچہ (گز) ہر کشش پر دل پر تیر مارتا ہے۔ اور اُن کی مضراب دل کو تڑپا دیتی ہے۔ (اس فن میں) اُن کی مشق بہت پختہ ہے۔ اُن کے ساز کی (دلکش) آواز سے سننے والے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ اس فن کے لوگ انھیں یگانۂ فن سمجھتے ہیں اور اُن کی عزت کرتے ہیں۔ (ان کے) اکثر مشائخ سے تعلقات ہیں اور بزعم خود فقر کے نشے میں مست ہیں۔ تمام لوگوں سے اُن کی دوستی بہت گہری ہے۔ اُن کی ہر جگہ تعریف ہوتی ہے۔

رحیم سین و تان سین

تان سین کے نواسے ہیں۔ اُن کے فن کی مہارت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ تان سین کے خاندان سے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام مغنیوں کے مخدوم زادے ہیں۔ اُن کے گلے سے نکلے ہوئے نغموں سے بزم ناہید میں شور بپا ہو جاتا ہے۔ انھیں بہت مشکل اور پیچیدہ نغمات پر قدرت حاصل ہے۔ گلے کو آواز پر ایسی قدرت ہے کہ کتنی ہی اونچی آواز سے گائیں، اُس کا زور کم نہیں ہوتا۔ سُروں پر ایسی قدرت ہے کہ کتنے ہی بلند آواز میں گائیں، بے سُرے نہیں ہوتے۔ گیت گانے میں عجوبۂ روزگار ہیں۔ اور دھرپد کے میدان میں بہادر سپہ سالار ہیں۔ اُن کی آواز کی آمد آمد سیلِ بہاراں کو تعلیم خرام دیتی ہے۔ اور جب اُن کی آواز بلندی سے نیچے مرکزِ اُصول پر آتی ہے تو دریا کی موجوں کا تلاطم یاد آجاتا ہے۔

ایک مرتبہ اتفاق سے یہ دونوں اور نادر العصر حسین خاں ڈھولک نواز اور بے نظیر وقت حسن خاں ربابی اور گھانسی رام پکھاوجی ایک جگہ جمع تھے۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔ عجیب صحبت تھی۔ اُن کے نغمات ایسے بلند آہنگ میں تھے کہ بجلی کی کڑک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جس عمارت میں یہ محفل منعقد ہو رہی تھی، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان لوگوں کی آوازوں سے اس کی چھت اُڑ جائے گی۔ مدتوں اس صحبت کا مزہ آتا رہا۔ مصرع:-

ہائے کیسے دن تھے جب مفت کا عیش نصیب تھا۔

قاسم اور علی

نعمت خاں کے شاگردوں میں ہیں۔ یہ فن انہی سے سیکھا ہے۔ اور اُن سے بہت استفادہ

کیا ہے۔ نیکی اور شرافت کے آثار دونوں کی پیشانیوں سے نمایاں ہیں۔ اُن کی آواز کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ کبت بڑی رنگینی کے ساتھ گاتے ہیں اور سامعین پر احسان کرتے ہیں ظلِ سبحانی کی نظر میں دوسرے مغنیوں کے مقابلے میں زیادہ ممتاز ہیں۔ بیشتر امرا اُن کی عزت کرتے ہیں۔ چوں کہ عنفوانِ جوانی کا عالم ہے اور آواز اور سُر میں بہت مناسبت ہے، اس لیے عوام میں مقبول ہیں۔ ان دونوں کے گانے کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ انھیں سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ انھیں اور سُنیں لیکن مجبوریاں حائل ہیں۔

معین الدین قوال

اُستادِ زمانہ ہیں اور قوّالی کے فن میں یگانۂ روزگار ہیں۔ گلشنِ کشمیر کے پھولوں کی طرح اُن کے راگ اتنے رنگا رنگ اور متنوع ہیں کہ اُن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ اور زمانے کی گردشوں کی طرح اُن کی آواز کے بہاؤ کا زیر و بم شمار کرنا ممکن نہیں۔ اُن کے راگ بہزاد کے قلم کی طرح ہوا کے صفحے پر نغمے کی تصویر بنا دیتا ہے۔ آواز اور سروں کے غزال کو دامِ نفس میں قید کر لیتے ہیں۔ اُن کے گلے کی خوبی یہ ہے کہ آواز کو ایک دم پلٹتے ہیں۔ اور ہر نیا راگ تمنا کرتا ہے کہ معین الدین اُسے اپنا لیں۔ قصہ مختصر یہ کہ دنیا میں سامعہ کے لیے اس سے زیادہ دلکش اور کوئی آواز نہیں۔ خدا سُننے والے کان نصیب کرے۔

برہانی قوال

موسیقی پر انھوں نے جو غیر معمولی قدرت حاصل کی ہے وہ سُننے کے قابل ہے۔ اور اُن کے راگ ایسے ہیں کہ لوگ تمنا کرتے ہیں کہ اپنے دوستوں کو سنوائیں۔ انھوں نے اس فن میں وہ پختگی حاصل کی ہے کہ اس سے زیادہ حاشیۂ خیال میں ممکن نہیں۔ اسی فن میں زندگی گزار دی اور بوڑھے ہو گئے۔ شاہ کمال، جو اربابِ وجد و حال کے سردار ہیں، سے بہت تعلقات ہیں۔ منگل کے دن مجلس منعقد ہوتی ہے۔ صوفیہ حضرات کو وجد و حال کا بہت اچھا موقع ہاتھ آتا ہے۔ ایک دفعہ اُن کی محفل میں حاضر ہونے کا موقع مِلا۔ محفل میں وہی چلبلی ڈھاری موجود تھا۔ اس کی آواز ایسی

اونچی اور کڑک دار ہے ۔ اور سُرا تنے اونچے اٹھاتا ہے کہ آواز بے سُری ہو جاتی ہے اور حاضرین محفل کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ اربابِ حال پر وجد طاری ہو جاتا ہے، انھیں کوئی روکتا نہیں ۔

برہانی امیر خانی

ان کے راگ معتدل اور آواز متوسط درجے کی ہے ۔ امیر خاں کے مذاق کے مطابق گاتے ہیں۔ راگوں کی ادائیگی بہت تمکنت کے ساتھ کرتے ہیں ۔ اور سامعین کو منتظر رکھتے ہیں ۔

رحیم خاں جہانی

امیر خاں کی سرکار سے متوسل ہیں، خیال بہت مزے سے گاتے ہیں اور نئی نئی طرزیں ایجاد کرتے ہیں۔ سننے کے قابل ہیں ۔

شجاعت خاں

اعلیٰ حضرت (غالباً بادشاہ) کے گویوں سے اُن کا تعلق ہے ۔ کبت گانے کا تو بہت دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن سامعین کے دل پر اثر نہیں ہوتا ۔ (حکومت کے) عہدیداروں کی سی وضع ہے، بہت خوبصورت پگڑی باندھتے ہیں اور سر پیچ ضرور لگاتے ہیں۔ آنکھوں میں ہمیشہ سرمہ لگا رہتا ہے لیکن ہم جیسے بے بصر انھیں پسند نہیں کرتے ۔

ابراہیم خاں کلاونت

ایک دفعہ ایک محفل میں انھیں سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ اتنا مزہ نہیں آیا کہ دوبارہ ان کی صحبت کی خواہش ہوتی۔ میر کی طرح تھے، لیکن ہندوستان کے کچھ لوگ اُن کے معترف ہیں ۔

سواد خاں المشہور بہ کولہ وسوادہ

ایک وقت تھا کہ مشاہیرِ دہلی میں تھے۔ اب پرانی دہلی کی طرح عزت و وقار کھو بیٹھے ہیں۔

اس لیے صرف بوڑھے لوگوں کو ان کی صحبتوں کا شوق ہے۔ اس زمانے کے نوجوان ان کے کمالِ فن پر توجہ نہیں کرتے۔ اپنے ہمسروں میں ان کا احترام پہلے ہی کی طرح ہے۔

بولے خاں کلاونت

بادشاہ کے ملازمین میں ہیں۔ ناظرانِ شاہی اُن کا احترام کرتے ہیں۔ پرانے انداز میں گاتے ہیں۔

گھانسی رام پکھاوجی

اپنے فن میں ناقابلِ بیان مہارت رکھتے ہیں۔ اگر اُن کی پکھاوج کو چمڑے کے بجائے پھول کی پتیوں سے بنایا جائے تو ٹھیک ہے، کیونکہ اُن کے ہاتھوں کی حرکتیں ایسی محسوس ہوتی ہیں۔ جیسے پھول کی پتی ہوا میں لہرا رہی ہو۔ اُن کی انگلیاں ایسی نزاکت کے ساتھ گردش کرتی ہیں، جیسے کسی بیمار کی نبض بہت آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ انگلیاں ایسی ملایمت اور آہستگی سے حرکت کرتی ہیں، جیسے ہمواری اور سنجیدگی کے ساتھ عقلمندوں کی فکر۔

حسین خاں ڈھولک نواز

نادرۂ روزگار اور عجوبۂ زمانہ ہیں۔ ڈھولک بجانے کے فن کو اتنے عروج پر پہنچادیا ہے کہ اُس سے زیادہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اہلِ ہند متفق الرائے ہیں کہ سرزمینِ دلّی سے اُن سے بہتر ڈھولک نواز پیدا نہیں ہوا۔ ایک محفل میں بڑے فخر سے کہہ رہے تھے کہ اگر کسی محفل میں چھ مہینے تک صحبت رہے تو ڈھولک پر ہر راگ اتنے مختلف انداز پر بجا سکتا ہوں کہ عام انداز کا ذرا بھی شائبہ نہ ہو۔ اور حاضرین نے اس بیان کی تصدیق کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فن میں ید بیضا رکھتے ہیں۔ اگر سورج اور چاند کی ٹکیوں کو اُن کی ڈھولک پر (چمڑے کے بدلے) منڈھا جائے تو ٹھیک رہے، ان کی وہ انگلیاں جن کی تیز رفتاری میں شوخیِ نگاہ مات ہے۔ اگر اُن پر بیش بہا جواہر جڑ دیے جائیں تو بہتر ہوگا۔ وہ بغیر کسی ظاہرا کوشش کے اچانک گت بدل دیتے تھے اور جب سوچ سمجھ

کر کچھ سمجھانا چاہتے تو کچھ اور ہی رنگ ہوتا تھا۔ زبانیں صرفِ تحسین اور بیان و تفِ آفریں تھے۔

تھنا اُن کے شاگردوں میں ہیں۔ اور اُن کے خلیفہ ہونے کی لیاقت میں ممتاز ہیں۔ طرزِ منڈل میں لاجواب ہیں۔ اگرچہ (حسین خاں) جیسی بات تو نہیں، لیکن دہلی میں اُن (تھنا) سے بہتر اور کوئی نہیں ہے۔ اس لیے انھیں (حسین خاں کا) نعم البدل سمجھا جاتا ہے۔

شہباز دھمدھمی نواز

ان کے والد اعظم خاں کی سرکار میں ملازم تھے، اور یہی ساز بجاتے تھے۔ آجکل پوری دلی میں اُن کا کوئی مقابل نہیں۔ ایسا فن دکھاتے ہیں کہ پکھاوج اور ڈھولک کے ذریعے ممکن نہیں۔ گانے والے کے ساتھ بجاتے ہیں اور گانے والا جو راگ گاتا ہے اُسے اپنے ساز پر اس طرح بجاتے ہیں کہ سامعین واضح طور پر وہ راگ سمجھ لیتے ہیں۔ اگرچہ میں پہلے یہ بات نہیں مانتا تھا، لیکن اُن کی صحبت میں بیٹھ کر اس روایت کی تصدیق ہو گئی۔

نقد نام درویش سبوچہ نواز شاہ نواز

پیدائشی نابینا ہیں۔ گھڑا بجانے میں ایسی ایسی طرزیں اختیار کرتے ہیں کہ پکھاوجی اور ڈھولک نواز شرما جائیں۔ ان کی چابک دستی دیکھ کر شیشۂ حوصلہ چُور چُور ہو جائے۔ اُن کی صحبت کے خواہاں تکیے پر سواری بھیج کر بڑی عزت سے انھیں بلاتے ہیں اور محفلیں سجاتے ہیں۔ ایک ساز ایجاد کیا ہے، جس میں کئی ساز شامل ہیں۔ اس میں ڈھولک کی اور پکھاوج دونوں کی آوازیں سُنائی دیتی ہیں اور بیچ میں طنبورے کی آواز بھی نکلتی ہے۔ ہر چند بصر نہیں ہے، لیکن بصارت رکھتے ہیں۔ ایک اور نابینا نظر آئے جو ڈھولک اور پکھاوج کے اصول و قواعد پر اپنا پیٹ بجاتے ہیں۔ اور نئی نئی طرزیں سُناتے ہیں۔ بہت سی طوائفیں ان کے پیٹ کے ساز کی آواز پر رقص کرتی ہیں۔ موسیقی کے ارکانِ اصول میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اُن کا پیٹ کثرتِ ضرب سے اُن کی قسمت کی طرح سیاہ ہو گیا ہے۔

تقی

اعلیٰ درجوں کے بھگت بازاروں اور ہندوستان کے تمام شعبدہ طرازوں کے سردار ہیں۔ بادشاہ کے منظورِ نظر ہیں اور اُن کے خلوت خانے میں باریاب ہوتے ہیں۔ امرائے عظیم الشان بڑی عزت و احترام سے انھیں دعوت دیتے ہیں اور اُن کی صحبت کے خواہاں رہتے ہیں۔ ہر شہر اور ہر فرقے کے مطابق سوانگ بھرنے کا ساز و سامان اور اسلحہ اُن کے گھر میں موجود ہے۔ اُن کے اظہار کے لیے ہزاروں اقسام کی چیزیں اُن کے پاس موجود ہیں۔ گلہائے رنگارنگ کی طرح متعدد امرد اُن کے گلشنِ کارگاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ اُن کے اکھاڑے کے چمن زار میں طرح طرح کے نورس پھولوں کی طرح سانولے سلونے امرد موجود رہتے ہیں۔ ایک طرف نوخط لڑکے اپنے سبزۂ خطِ رخسار میں جال بچھائے تماشائیوں کے دلوں کو تسخیر کرتے ہیں اور دوسری طرف خوش نگاہوں کا ہجوم دل کو چھلنی کر دینے والے تیروں سے تماشائیوں کا شکار کرتا ہے۔ گورے رنگ کے لڑکے صبحِ فطرت کی سفیدی کی طرح خوش رنگ ہیں اور نمکین لڑکے قدرت کے نعمت خانے کے دسترخوان کا نمک ہیں۔ اُن کا گھر جلوہ گاہِ پری خانہ ہے اور اُن کا کاشانۂ رشکِ آئینہ خانہ ہے۔ نازک کمر جب پھول کی پتی کی طرح پیچ و تاب کھاتے ہیں۔ مشک مویان کے سلسلۂ زلف سے سنبل کی نبض تیز چلنے لگتی ہے۔ سرو قدا اپنے خرامِ نازنیں سے دلوں کو تسخیر کرتے ہیں اور سیہ چشم اپنی بولتی ہوئی آنکھوں کے اشاروں سے دیکھنے والوں کو پیامِ زندگی دیتے ہیں۔ جب بھی کوئی لباسِ مردمی کے قابل نہیں رہتا، ان (تقی) کی چشمِ آرزو روشن ہو جاتی ہے۔ جہاں کہیں نرم و نازک لڑکا دیکھا، ان (تقی) کی تمنا رشکِ گلشن ہوئی۔ ہر طرح کے امردوں کے آقا و رہنما ہیں۔ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ تقی نے اس فن کو انتہا پر پہنچا دیا ہے۔ ہر طرح مخنثوں کے سردار ہیں اور مخنث اُن سے بیعت کر کے فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ قصہ مختصر مخنثوں کے سردار اور دلالوں کے رفیق ہیں۔

عطائی عدیم المثال شاہ

بلبلِ ہزار داستاں کی طرح نوا سنج ہوتے ہیں اور کئی زبانوں سے واقف ہیں۔

نقالی اور لطیفہ گوئی کے فن میں، اُن ندیموں کی طرح جو مصاحبت کرتے ہیں، بے مثال ہیں۔ کثرتِ مشق اور اربابِ موسیقی کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے کبت اور خیال وغیرہ پر اچھی خاصی قدرت حاصل کرلی ہے۔ چنانچہ اس فن کے ماہرین اُن کی عزت کرتے ہیں۔ اور چوں کہ اس حالت میں خود کو فقیری سے منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کے آبا و اجداد مشائخ تھے، اس لیے (لوگ) اُن کی عزت واحترام کو واجب سمجھتے ہیں۔ بہت پختگی اور رنگینی کے ساتھ گاتے ہیں۔ حقیقت میں بڑے بڑے لوگوں کی مجلسوں کے قابل ہیں۔ قدیم انداز کی موسیقی پر ایسی مہارت ہے کہ صوفیہ کو وجد آجاتا ہے، موسیقی میں ہر طرح کے نمونے اُن کے پاس ہیں۔ اس طرح زندہ رہنے کے لیے ساز و سامان فراہم کرتے ہیں۔ تمام محفلوں میں اُن کو دخل حاصل ہے اور تمام مجلسوں کے وہ رہنما ہیں۔ شہر کے امیرزادوں سے اُن کا تعلق ہے۔ متحمل اور خوش گو انسان ہیں۔ ہر جگہ اُن کی صحبت پسند کی جاتی ہے۔ جہاں بھی جاتے ہیں، وہاں اگر فائدے کی امید ہوتی ہے، تو اسی جگہ سے وابستہ ہوجاتے ہیں۔ لذیذ کھانوں کے دیوانے ہیں۔ ان کی بھوک کے سامنے ندیدے اور حریص لوگ بھی شرمندہ ہوجاتے ہیں۔ اس بری طرح کھانا کھاتے ہیں کہ انھیں کھاتا دیکھ کر نفاست پسند لوگ کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ کھانا بہت ہی آرام سے اور دیر تک کھاتے ہیں۔ (کھانے کے بعد) حقے کے لیے بہت بے چین ہوجاتے ہیں سوتے ایسے ہیں کہ دہشت ہونے لگتی ہے۔ اُن کا صبح اُٹھنا اور وضو کرتے ہوئے کھنکارنا بھی خاصا وحشت انگیز ہے۔ اس سب کے باوجود اُن کی رنگینی اور یارباشی کے پیشِ نظر لوگ اُن کا خیال رکھتے ہیں۔ اور ان سے ترکِ تعلق نہیں کرتے۔ مجلس میں بلانے کے قابل ہیں اور لائقِ محفل ہیں۔

ذکر خواصی اور الو ٹھا

دلّی کے معتبر نقالوں میں ہیں۔ بادشاہ کے دربار سے متوسل ہیں۔ مضامینِ رنگین نشاط لکھنے میں یگانۂ روزگار ہیں۔ اور نئی نئی نقلیں اُتارنے میں بے مثل ہیں۔ خیال اعلیٰ درجے کا گاتے ہیں اور رقص بھی خوب کرتے ہیں۔ جس محفل میں طوائفیں ہوں، وہاں ان کے فن کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔ اور اُن کا اندازِ گفتگو عروج پر ہوتا ہے۔ سبزہ و مزہ نام کے دو لڑکے اس چمن کے نونہال ہیں اور اسی باغ کے تازہ پھل ہیں۔ رقص میں قیامت طراز اور اداؤں میں سراپا اعجاز ہیں۔ شوخی و

شگفتگی میں یہ عالم ہے کہ اُن سے ملاقات کو جی چاہے۔ اس قابل ہیں کہ انھیں ندیم بناکر مصاحبت میں رکھا جائے۔ اُن کی لمبی لمبی زلفیں عمرِ دراز سے زیادہ خوشنما ہیں۔ اُن کی سیاہ آنکھوں کے دنبالے مدِّ نگاہ سے زیادہ لمبے ہوتے ہیں۔ اُن کے قد موزوں اور گفتگو دلچسپ ہوتی ہے۔ شعر:۔

میں جدھر دیکھتا ہوں، تماشا ہی تماشا ہے۔ خدا
کرے کہ آسمان مجھے (لطف اندوز ہونے کی)
فرصت دے۔

باری نقال کا ذکر

اُن کے سبزۂ خط کی تعریف شروع کرنے کے لیے پرِ طوطی کا ایسا قلم حاصل کرنا چاہیے جو خوشبودار پھولوں پر یک قلم خطِ نسخ پھیر دے۔ سیاہی کے بدلے زنگار استعمال کرنا چاہیے تاکہ اُن کے حسنِ سبز کی کیفیت لکھی جا سکے۔ (شعر:۔)

میں نہیں جانتا تھا کہ حسنِ سبز (نوخطی) جان کے لیے
وبال ہو جائے گا۔ مجھے کیا پتا تھا سبزے میں جال
چھپا ہوگا۔

اُن کے حسن کے شان و شکوہ کا یہ عالم ہے کہ نگاہ اس کا مقابلہ بے محابا نہیں کر سکتی اُن کا رنگ ایسا نکھرا ہوا ہے کہ (چہرے پر) نگاہ نہیں ٹھہر سکتی۔ اندازِ خرام ایسا، جیسے نسیم بہار کے جھکوروں سے شاخِ گل جھوم رہی ہو، نگاہوں کے عشووں اور غمزوں کا یہ عالم ہے جیسے رَم خوردہ پریزادانِ خیال۔ (یعنی وہ خیال جو الفاظ کی گرفت میں نہ آسکیں)۔ جس کسی کی بھی اُن سے ملاقات ہوتی۔ اُس کے ہوش ایسے گم ہو گئے، جیسے اس پر پری کا سایہ ہو گیا ہو۔ جو ایک بار اُن سے ہم کنار ہوا، ساری زندگی اُن کی ہم آغوشی کی تمنا میں رہا۔ اُن کے سبزۂ حسن کے مقابلے میں سبزۂ بہار کچھ بھی نہیں اُس کے چہرے کے مقابلے میں گلدستۂ چمن ہیچ۔ (اشعار:۔)

دل چھین لینے کے لیے حسن اور آواز کی خوبیوں میں
سے ایک ہی کافی ہے۔ لیکن یہ دونوں ایک ہی جگہ

جمع ہو جائیں تو دل والوں کی شامت آ جاتی ہے۔
ان کا پورا طائفہ موزوں اور اُن کے تمام نقال خوش
مضمون ہیں۔ دو تین اور نونہال اس چمن میں قد
نکال رہے ہیں۔ فلکِ حاسد ان کے نظارے کی
فرصت دے۔

شریف خاں کے صاحبزادے ابوالحسن خاں کی معشوقہ کا ذکر

بہت باوقار اور پُرتمکین ہیں اور اُن کا مزاج سراپا نشاط صحنِ گلشن کی طرح رنگین ہے۔
ایک ایک حرف اس طرح ادا کرتی ہیں کہ دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ اُن کے تبسم کی بہار پورے
گلشن کا حوصلہ پست کر دیتا ہے۔ ان کی سنجیدہ گفتگو پُر متانت اور باوقار ہوتی ہے۔ ان کے روزمرے
میں حسنِ گفتار کی ایک دنیا ظاہر ہے۔ اُن کے گانے میں نہایت خوبی و دلربائی ہے اُن کے
رقص میں کمال خوش آئندگی و رعنائی ہے۔ وہ اتفاقاً میاں محمد ماہ کے گھر آ گئیں۔ اُس محفل کے تمام
لوگوں نے ایسا لطف اٹھایا کہ جب کسی سے اُن کا ذکر آتا ہے تو دوبارہ ملاقات کی حسرت میں
اظہارِ افسوس کیا جاتا ہے۔ ایک کبت اور ایک خیال سورٹھ راگ میں سُنا تھا۔ اگر تمام عمر یہی گاتی
رہتیں، تب بھی دل نہ بھرتا — اُن کو دل سے بھلانے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کی صحبت
تو آسمانی بجلی کی روشنی کی طرح تھی، جو دوبارہ نصیب نہیں ہوتی۔

جٹا قوال کا ذکر

اربابِ وجد و حال کی محفلوں کی رونق اور وجد میں آنے والے صوفیہ کی شمعِ محفل ہیں۔
قرآن کی وہ آیتیں جو وحدتِ وجود کے تصور پر مشتمل ہیں بہت دردناک آواز میں سناتے ہیں۔
اور صوفیوں کو مرغِ نیم بسمل کی طرح تڑپاتے ہیں۔ قدیم مشائخ کے اتنے اقوال یاد ہیں کہ اگر چاہیں
تو پوری کتاب مرتب کر دیں۔ صوفیہ شعرا کے اتنے اشعار یاد ہیں کہ اگر انھیں لکھیں تو قدیم دیوانوں
کے جامع انتخاب پر مشتمل ایک ضخیم بیاض تیار ہو جائے۔ اُن کے نغموں سے فقرا کو وجد و حال

آتا ہے اور ان کی سازو آواز سے دل تڑپ اُٹھتے ہیں۔ تمام بزرگ مشائخ اُن کے مداح ہیں۔
اور تمام فقرا کے محبوب ہیں۔

صمصام الدولہ کے بھتیجے شاہ باسط، جو خود کو فقرا میں شمار کرتے ہیں، کی خانقاہ میں ہر ہفتے اتوار کے دن خاص محفل منعقد ہوتی ہے۔ (اس محفل میں) فقرا اغنیا اور دیکھنے والوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ سارے دن زبردست سماع ہوتا ہے حسینوں کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ اُن کا گھر پری خانہ معلوم ہوتا ہے۔ چوں کہ جٹا اُن کے (شاہ باسط کے) ملازم ہیں بلکہ اُن کے تربیت یافتہ ہیں، اس لیے انجمنِ فیض نشان میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ شاہ باسط کو قوالیاں لکھنے پر بہت مہارت ہے۔ جٹا اکثر اُن کی قوالیاں گاتا ہے۔ اُن محفلوں کی خصوصیات بیان نہیں ہوسکتیں، محسوس ہوسکتی ہیں۔ مصرع:۔

قلم یہاں تک پہنچ کر ٹوٹ گیا۔

رحیم خاں و دولت خاں و گیان خاں و ہدّو کا ذکر

ان (چاروں) کے کمال کی پہلی دلیل یہ ہے کہ کولہ وسوادہ (جیسے فنکاروں) کی اولاد میں ہیں۔ ان کے گانے کی اتنی شہرت ہے کہ محتاجِ بیان نہیں۔ حقیقت میں خیال گانے میں ان چاروں بھائیوں کا جواب نہیں ہے۔ اس نازکی اور ایسی بلندی کے ساتھ گاتے ہیں کہ سامعین کی طبیعت بے اختیار بلند ہو جاتی ہے۔ کمال کے اعتبار سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے دولت خاں کی معشوقانہ نازک مزاجی قیامت ڈھاتی ہے۔

ہر مہینے کی پچیس تاریخ کو ان کے گھر میں مجلس منعقد ہوتی ہے۔ تمام قوال اور گانے والے جمع ہوکر دادِ خوش نوائی دیتے ہیں۔ چوں کہ اُس وقت تمام اربابِ کمال حاضر رہتے ہیں۔ (اُن سے) مہارتِ فن کی سند حاصل کرتے ہیں۔ جب دوسرے گا چکتے ہیں تو ان کی باری آتی ہے۔ بہت انتظار کے بعد دولت خاں زمزمہ پرواز ہوتے ہیں۔ چوں کہ اُن کی آواز باریک ہے، اس لیے اکثر لوگ اُن کے قریب بیٹھنے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کرتے ہیں۔ جب تک قوتِ سامعہ تیز نہ ہو (اُن کی آواز) نہیں سُن سکتے۔ بہت سے لوگ آواز تو سُن نہیں سکتے، لیکن دوسروں

کی نقل میں صدائے آفریں و مرحبا بلند کرتے ہیں۔ رحیم خاں کو سادگی میں پرکاری حاصل ہے۔
ان کی مشق میں کمال پختگی اور خوش ادائی اور اُن کی آواز میں نہایت دل فریبی و دلربائی ہے۔
امرا بڑے اشتیاق اور کوشش سے انھیں اپنی سرکار کا منتظم مقرر کرتے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ لے
جاتے ہیں۔ شراب زیادہ پینے سے یہ لوگ جو نازیبا حرکتیں کرتے ہیں، انھیں امرا برداشت کرتے ہیں۔
حسینوں کی سیاہ مست آنکھوں کی طرح سارے دن نشے میں رہتے ہیں۔ مینا و جام کے علاوہ اور
کوئی بات ہی نہیں کرتے۔ گیان خاں اور بدو چھوٹے بھائی ہیں یہ بھی نئی نئی طرزیں ایجاد کرتے
ہیں اور سامعین سے بجا کبھی تعریف و تحسین حاصل کرتے ہیں۔ دہلی کے تمام مشاہیر اس محفل میں حاضر
ہوتے ہیں۔ اور کمالِ فن کی نمائش کرتے ہیں۔ مجمع بہت دل فریب اور صحبت بہت دلچسپ ہوتی
ہے۔

رجی

ایسے امرد ہیں، جن کا خط نکل چکا ہے (اُن کے) اعضا متناسب ہیں۔ رات کو ان کی
سجاوٹ بہت اچھی لگتی ہے۔ ان کے والد مشہور قوالوں میں تھے۔ خود بھی خیال بہت مزے سے
گاتے ہیں اور بہت رنگینی سے کام لیتے ہیں۔ لوگوں کے منظورِ نظر اور مقصودِ خاطر ہیں۔
کالے رنگ کے ایک اور امرد ہیں۔ اُن کا گلا نزاکت میں صدائے تار سے لگا کھاتا ہے۔
دونوں اتنے ملتے جلتے ہیں کہ سامعین فرق نہیں کر پاتے۔ اگر قوتِ ممیزہ درست نہ ہو ساز کے
تار اور ان کی آواز میں فرق کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ خیال گاتے ہیں جو دہلی میں سدا رنگ نام سے
مروّج ہیں، اسی اسلوبِ مرغوب میں زمزمہ پیرا ہوتے ہیں۔

امرد ہنگامہ پیرا میاں ہینگا

چینی کی طرح ان کا رنگ اور گلِ یاسمین کی طرح اُن کا لباس سفید ہوتا ہے۔ دار الخلافے کے
قلعے کے سامنے روز مجمع لگاتے ہیں۔ تماشائیوں کی مرضی کے مطابق ہنگامہ پیرا رہتے ہیں۔ اُن کا رقص
دیکھنے کے لیے ثقہ لوگ چوک کی سیر اور نفائس و نوادر خریدنے کے بہانے آتے ہیں اور ہینگا کے حسن

کے جلووں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور گاہک بے تکلف اور بغیر کسی تصنع کے اُن کے مجمع کے اطراف میں تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس سیرگاہ کے چاروں طرف اتنے ہاتھی اور گھوڑے ہوتے ہیں کہ ان کی گنتی ممکن نہیں، اس تماشے کے چاروں طرف اتنے لوگ بیٹھے یا کھڑے ہوتے ہیں کہ اُن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ لوگ ضروری چیزیں خریدنے کے بجائے یہاں کی تفریح میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ سامان خریدنے کے لیے جو رقم لاتے ہیں، وہ سب گنوا کر خالی ہاتھ گھر جاتے ہیں۔ ان کے خرامِ ناز کی ادائیں دنیا کو برباد کر دیتی ہیں۔ اور وہ جن پر ملتفت ہو جائیں، وہ برباد ہو جاتا ہے۔ اُن کا گورا رنگ سانولے رنگ سے باج اور اُن کا سبزۂ خط چمن کے سبزے سے خراج حاصل کرتا ہے۔ سفید لباس میں ایسے خوبصورت لگتے ہیں جیسے عین شام کے وقت صبح کی پو پھٹی ہو یا گلِ چاندنی بے اختیار فضائے چمن میں بکھر گئی ہو۔ غروبِ آفتاب تک جلوہ گری کرتے ہیں اور خاصی رقم اکٹھا کر کے گھر چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ عزیز و اقارب بہت دعوت دیتے ہیں، لیکن کسی کے گھر نہیں جاتے۔ جو کوئی اُن کا شیفتہ ہے، وہ ان کے گھر جا کر لطف اندوز ہوتا ہے۔

سُلطانہ

سبز رنگ امرد ہیں۔ بارہویں سال میں ہیں۔ رقص میں عجیب و غریب شوخیاں اور ادائیں دکھاتے ہیں۔ اُن کے گانے کے جادو نے دنیا کو مفتوں اور خلق کو مجنوں بنا دیا ہے۔ اس عمر میں علمِ موسیقی ایسا حاصل ہے کہ اس سے زیادہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی غنچہ ہیں لیکن گُل ہائے شگفتہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اگرچہ چراغ کی لَو سے زیادہ نہیں ہیں لیکن آفتاب سے ہمسری کے مدّعی ہیں۔ سامعہ کو حسرت ہے کہ وہ (سلطانا کے گانے سننے کے لیے) محدود ہے، باصرہ کو اپنی نگاہ کی کم ظرفی پر شرمندگی ہے۔ ایک رات کو ہمارے ایک دوست نے محفل سجائی۔ بہت دیر تک اُن (سلطانا) کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ تمام رات عیش و انبساط میں گزری۔ دوستوں کے دلوں میں دوبارہ اُن کی صحبت کی حسرت باقی ہے۔ شوق پھر اُسی محفل کا متمنّی ہے۔ درگاہی نام کے ایک گھنگھرو نواز اُن کے ساتھ تھے۔ امردی کی عمر سے نکل چکے تھے۔

چوں کہ اُن کے مزاج میں کوئی خصوصیت نظر نہیں آئی، اس لیے اُن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا خیال آیا۔ پتا چلا کہ گھنگھرو بجانے اور رقص کرنے میں ان کا نظیر نہیں ہے۔ ہر چند ان کی ہیئت کو دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ رقص کر سکتے ہیں۔ لیکن دل چاہتا تھا کہ اُن کے فن کو کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے۔ اُن سے فرمائش کی گئی۔ حقیقت میں اُن کی بے نیازی اور خود نمائی مناسب تھی۔ جیسے ہی انھوں نے رقص شروع کیا، لوگ حیرت زدہ ہو گئے اور ہمہ تن چشم بن گئے۔ رقص کے دوران کبھی تو ایک گھنگھرو کی آواز آتی، کبھی دو کی اور کبھی تمام گھنگھروؤں کی۔ غرض گھنگھرو بجانے کی عجیب مشق ہے۔ اور اس فن پر طرفہ قدرت حاصل ہے۔ گھنگھرو کی آوازوں کے ساتھ شورِ تحسین بلند ہو گیا۔ اور صدائے آفریں و مرحبا نے گھنگھرو کی آواز کو دبا لیا۔ اسی طائفے میں اسی طرح کے ایک مورچنگ نواز تھے، جو بے مثال تھے۔ گھاس کے تنکے کو منہ میں دبا کر بلبلِ داستان سرا کی طرح نغمہ سرا ہوتے اور ہزاروں سُر نکالتے۔ حقیقت یہ ہے۔ اُن کی اور بلبلِ ہزار داستاں کی آواز میں ذرا بھی فرق نہیں ہوتا۔ یوں سمجھ لو کہ ایک خوش الحان مجسم پرندہ ہیں۔

سرس روپ

اُن کی دلفریب ادائیں دیکھ کر چشمِ تمنا روشن ہو جاتی ہے اور اُن کا خرامِ ناز دیکھ کر دل کا ورق رشکِ گلشن ہو جاتا ہے۔ اُن کے نغمے بادِ نسیم کی طرح بہار آفریں اور اُن کی مترنم آواز کی خوشبو عطر آگیں۔ اُن کا رقص بہت رنگین اور دل پسند، اُن کا گانا انتہائی دلچسپ اور مرغوب۔ اربابِ جاہ و جلال انھیں منتخب اور اصحابِ وجد و حال انھیں پسند کرتے ہیں۔ اُن کے حسن کی روشنی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اُن کے جلوے کی تابانی سے عقل کی آنکھیں اندھیا جاتی ہیں۔ بغیر کسی تعارف کے اُن کی صحبت اور بغیر مناسب تحفہ پیش کیے اُن سے ملاقات ممکن نہیں ہے۔ خدا اربابِ ذوق کو دل بھر کر انھیں دیکھنے کا موقع دے اور اُن کے دستِ شوق کی دامانِ تمنا تک رسائی ہو۔

نورِ حدیقۂ خوش ادائی، خمیر مایۂ روشنائی نور بائی

دلّی کی ڈومنیوں میں ہیں، ان کی شان و شکوہ کا یہ حال ہے کہ امرا اُن سے ملاقات کی التجا

کرتے ہیں۔ اُن کا گھر دولت مندوں کے گھروں کی طرح ہر قسم کے شان و شکوہ کے سامان سے بھرا ہوا ہے۔ اور اُن کی سواری کے جلو میں، امرا کی سواری کی طرح، چاؤش اور چوبدار ہوتے ہیں۔ عام طور سے ہاتھی کی سواری کرتی ہیں۔ جب امرا کے گھر جاتی ہیں تو وہ امرا میں رونمائی کے طور پر ایک رقم جواہر پیش کرتے ہیں۔ اور اُن کے گھر خاصی رقم (پیشگی) بھیجتے ہیں تاکہ وہ اُن کی دعوت قبول کریں، اسی سے قیاس کرنا چاہیے کہ رخصت کے وقت امرا کیا دیتے ہوں گے، جس شخص کو بھی ان کی صحبت کا شوق پیدا ہوا، وہ برباد ہوا۔ اُن کی آشنائی کا جس پر نشہ سوار ہوا، وہ بگولے کی طرح بے چین و بے قرار رہا۔ دنیا نے اس کام میں اپنی دولت لٹا دی۔ بے شمار لوگوں نے اپنا سرمایہ اس ستمگر پر غارت کر دیا۔ جب تک دولت باقی رہتی ہے۔ اس سے صحبت باقی رہتی ہے۔ جب تک جیب میں رقم باقی رہتی ہے، اُن کی محبت حاصل رہتی ہے۔ اُن کی عزت و وقار موتی کے ہم ترازو اور اُن کی آب و تاب گلشن کے آب و رنگ کے ہم پہلو ہے۔ سخن فہمی میں بے نظیر اور نکتہ دانِ خوش تقریر ہیں۔ ان کی گفتگو میں وہ سلاست و روا داری ہے کہ سامعہ جوئے بہار میں غوطے کھائے۔ اور ان کی گفتگو جیسے پھول برس رہے ہوں۔ اگر ایسی رنگین مصاحب ہاتھ آجائے تو پھر انسان اور کیا آرزو کرے۔ اگر ایسی شوخی والا ہمدم مل جائے تو جو کچھ ہے، سب اُسی سے ہے۔ علمِ مجلس اور آدابِ محفل میں یہ مرتبہ ہے کہ ادب سکھانے والے اُن سے تعلیم حاصل کریں۔ تمام حاضرینِ محفل کا ایسا پاسِ خاطر ہے کہ صاحبانِ تہذیبِ اخلاق اُن سے سبق لیتے ہیں۔ ان کا گانا مزے سے خالی نہیں ہے۔ اربابِ موسیقی اُن کی تعریف کرتے ہیں۔ آج کل جنگلہ راگ دلی میں مروّج ہے۔ اُس کی انھوں نے خوب مشق کی ہے۔ ان کے ساتھ محفل میں بہت سی عورتیں رہتی ہیں۔ انھوں نے ہر ایک کا نام بیگم اور خانم رکھا ہے۔ ان عورتوں میں سے ہر ایک پر مہربانی اور توجہ کی سفارش کرتی ہیں۔ چوں کہ ہر ایک کو اُن کی خاطر عزیز ہے، اس لیے جو کچھ کہتی ہیں، ملاقاتی قبول کر لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ سننے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ فقیر نے ایک دفعہ اُن کی صحبت سے استفادہ کیا ہے۔

چمنی

دلی کے مشاہیر میں سے ہیں اور بادشاہ تک اُن کی رسائی ہے۔ موسیقی میں ایسا کمال

حاصل کیا ہے کہ اپنے عہد کے صاحبانِ کمال سے مقابلہ کرتی ہیں۔ ہر جگہ اُن کی عزت اور احترام کیا جاتا ہے۔ مناسب تحفوں کے بغیر ان کی صحبت ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ بہت ہی خوش صحبت ہیں اور بہت دلچسپ انداز میں گفتگو کرتی ہیں، نہایت پختگی کے ساتھ بات کرتی ہیں۔ چوں کہ اب اُن کی جوانی کی بہار میں سے سفیدی جھلکنے لگی ہے، اس لیے جنھیں صرف گانا سُننے کا شوق ہے وہی آتے ہیں۔ بادشاہ (محمد شاہ) بھی کبھی کبھی یاد فرماکر التفات فرماتے ہیں۔ اُن کی نغمہ سرائی سے ہوش اڑ جاتے ہیں، اُن کے گانے سے مردہ آرزوئیں دوبارہ زندہ ہو جاتی ہیں۔ ترانہ سنجی میں اُن کی زبان قینچی پر سبقت لے جاتی ہے۔ اکثر معاصرین اُن کے کمال کا اعتراف کرتے ہیں۔ اہلیت اور لیاقت سے عاری نہیں ہیں۔ دوستی کا خیال رکھتی ہیں۔ ایک رات کو اُن کی محفل میں شرکت کا موقع ملا۔ صبح تک گانا بجانا رہا۔

ادبیگم

دلّی میں مشہور ہے کہ پائجامہ نہیں پہنتیں۔ جسم کے نچلے حصے پر خامۂ نقاش سے رنگین پائجامہ کے انداز کی رنگ آمیزی کرالیتی ہیں۔ کم خواب کے تھان میں جو گُل بوٹے ہوتے ہیں جسم پر قلم سے بالکل اُسی طرح کے گل بوٹے بنواتی ہیں۔ اس انداز سے امرا کی محفلوں میں جاتی ہیں۔ پائجامہ اور اس رنگ آمیزی میں کوئی فرق نہیں کرسکتا اور جب تک اس راز پر سے پردہ نہ ہٹے، کوئی اس فن کو نہیں سمجھ سکتا۔ چوں کہ اس فن میں ندرت اور جدّت ہے، اس لیے لوگ انھیں پسند کرتے ہیں۔

بھینائے فیل سوار

مشہور رقاصوں میں ہیں اور طائفہ داروں کے سردار ہیں۔ چوبدار اُن کے ملازم ہیں۔ امرا سے برابر کے رشتے سے ملتی ہیں۔ سفارشی خط لکھتی ہیں اور لوگ انھیں قبول کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں اعتمادالدولہ سے خاص تعلق تھا۔ اور وہ اِن کے گھر آتے تھے۔ ایک دفعہ نواب اعتمادالدولہ نے

شراب پینے کے ظروف یعنی ساغر و مینا وغیرہ تحفے کے طور پر پیش کیے۔ چوں کہ ان پر جواہرات جڑے ہوئے تھے، ان کی قیمت ستر ہزار روپیہ تھی۔

خوش حالی رام جنی

اعتمادالدولہ کی ملازم ہیں۔ عجیب شان و شوکت اور طرفہ طمطراق ہے۔ ایک مجلس میں وہ رقص کر رہی تھیں۔ اکثر امرا محفل میں موجود تھے۔ کسی کو نظر میں نہ لائیں۔ فرطِ استغنا کا یہ عالم تھا کہ کسی پر التفات نہیں کیا اور نہ ہی کسی سے بات کی۔ اُن کا گانا بہت رنگین اور ادائیں بہایت تمکین ہیں۔

آسا پورا

طوائف ہیں۔ کمالِ فن کی شہرت کی وجہ سے ہر محفل میں اُن کا احترام کیا جاتا ہے۔ تمام موسیقار اُن کی عزت کرتے ہیں۔ پرانے کلاونتوں کے قاعدے کے مطابق انتہائی پختگی کے ساتھ کبت گاتی ہیں۔ آواز کا زیر و بم بالکل اساتذۂ فن کے طریقوں کے مطابق انتہائی مربوط ہوتا ہے۔ ان کے گانے کی ہر جگہ تعریف ہوتی ہے اور ہر جگہ اُن کی نغمہ سرائی پسند کی جاتی ہے۔ چوں کہ عمر زیادہ ہوگئی ہے، اس لیے چاہنے والوں کے دلوں میں اُن کی پہلی جیسی جگہ نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ گانے کے قدر دان ہیں، اُن کے دلوں میں بہت قدر ہے۔ عزت و حرمت کی خواہاں ہیں اور اس کی مستحق ہیں۔

چک مک دھانی

عالمِ جوانی میں بہت شوخ تھیں اور لوگ انھیں پسند کرتے تھے۔ بادشاہِ جم اُن پر فریفتہ تھے اور انھوں نے چک مک خطاب دیا تھا۔ اب چونکہ بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو گئی ہیں، اس لیے اب اُن کی پہلی جیسی مقبولیت نہیں ہے۔ اُن کی آواز درد انگیز ہے اور اُن

کے نغمے جنوں آور ہیں۔ خاصی رقم انھیں تحفے میں پیش کی جاتی تھی تو اُن کے ساتھ ایک رات گزارنے کا موقع ملتا تھا۔ بہت روپیہ پیش کرنا پڑتا تھا۔ تب (انسان کا) مقصدِ دل پورا ہوتا تھا۔ اب بھی بہت زیادہ روپے دیے بغیر صحبت میسّر نہیں ہوتی۔ اور اب بھی بہت زیادہ منت سماجت کے بغیر اُن سے دوستی ممکن نہیں۔

کالی گنگا

قابلِ عزت رقاصوں اور قابلِ احترام فرقے سے ہیں۔ اُن کے چہرے کا سیاہ رنگ گل رخوں کے خالِ رخ کی طرح حسن میں افزائش کرتا ہے۔ اور سیاہ آنکھوں کی طرح سب کو پسند ہیں۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ ہزار پیچ و تاب کھا کر سخن اُن کی زبان پر آتا ہے۔ خرامِ ناز کا یہ عالم ہے کہ جیسے ہی وہ محفل میں قدم رکھتی ہیں، دل تڑپ اُٹھتے ہیں۔ نغمہ سنجوں کے لیے اُن کا گانا نمونۂ مشق ہے۔ رقاصوں کے لیے رقص دستور العمل ہے۔ بہت طمطراق کی عورت ہیں اور طمطراق ان پر جچتا بھی ہے۔ لوگوں سے منت سماجت کراتی ہیں اور لوگ کرتے ہیں۔

زینت و باہجی

اُن کی خوش ادائی سے قوتِ باہ میں تحریک ہوتی ہے اور اُن کی نازک اندامی شہوت انگیز ہے۔ اُن کا نغمہ پیامِ حلاوت ہے اور اُن کا گانا سامعہ پر احسان کرتا ہے۔ اُن کے نغموں کے راگ اُن کے چہرے کی طرح دلکش و دلآویز ہیں۔ لطیف طبع لوگ اُن کے حسن کی لطافت کے دیدار کے متمنی ہیں۔ پاکیزہ مزاج لوگ اُن کی پاکیزگی حسن کے مشاہدے کے آرزو مند۔ اُن کا رقص خرامِ ناز سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن دل کو بھاتا ہے۔ ایسے طمطراق کے باوجود دل و جان سے ہم آغوشی کے لیے تیار رہتی ہیں اور بھی پیاری لگتی ہیں۔

ہر شب کسی عاشق کی آغوش میں ہوتی ہیں۔ ہر دن کسی خوش تدبیر کے شانوں پر اُن کا سَر ہوتا ہے۔ اتنے لوگ التجا کرتے ہیں، اُن کی سمجھ میں نہیں آتا، کس کی التجا قبول کریں اور کس کی رد۔ کاش انھیں کچھ اور وقت مل جاتا۔

اتنے لوگ مدعو کرتے ہیں کہ اُن کے پاس ملاقات کا وقت نہیں ہوتا۔ کاش وہ چیزے دیگر ہوتیں (کذا) اُن کا گھر دوستوں کے کاندھوں پر اور اُن کا دعویٰ خانہ بدوشی مسلّم ہے۔ اُن کا کاشانہ یاروں کی بغل میں ہے، اور بغل گیری کا دعویٰ مناسب اور مغتنم ہے۔ شعر:-

انھیں ساغر کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور سبو کی
طرح دوش بدوش اٹھائے پھرتے ہیں۔

گلاب

اُن کے گانے کی خوشبو مشامِ جاں کو معطّر کر دیتی ہے۔ اُن کی رنگین اداؤں سے شراب کا نشہ ہونے لگتا ہے۔ اُن کی خوبصورت وضع لوگوں کو پسند ہے اور اُن کی حاضر جوابی سے سب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ نکتہ فہم ہیں۔ سخنداں ہیں، اچھا گاتی ہیں، گانے والے اُن کے فن کے معترف ہیں۔ شعر:-

کون کس کے چہرے کے آئینے کا عاشق ہو۔ دوست
کے چہرے نے دو عالم کو آئینہ خانہ بنا رکھا ہے۔

رمضانی

اُن کی یاد صبحِ عیدِ رمضان کی طرح دلوں کی کلفت دور کرتی ہے اور اُن کا گانا اہلِ محفل کے دلوں کو برماتا ہے۔ جس محفل میں جاتی ہیں، وہ عید گاہ بن جاتی ہے۔ جس مجمع میں شامل ہوتی ہیں مبارکباد کی آوازیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ وہ قدر دانوں کی صحبت کی عاشق ہیں اور نکتہ دانوں کی شایق ہیں۔ ان کی زیادتیِ عمر مانعِ وصل ہے، اس لیے ہوس ٹھوکر کھا جاتی ہے۔ بڑھاپے کی وجہ سے خود کو لیے دیے رہتی ہیں اور خود کو بچائے رہتی ہیں۔

رحمان بائی

ڈھاڑی (مراثی) کی اولاد ہیں۔ اُن کے چہرے کی سیاہی کو صاحبِ نظر اسی طرح پسند

کرتے ہیں جیسے کالی سیاہی سے بنائی گئی تصویر کو۔ اُن کی لمبی تان نشترِ فصاد کی طرح رگِ جاں کو تحریک دیتی ہے۔ استعداد و کمال کے چہرے کا تل اور چشمِ ایجاد و اختراع کی آنکھ کا سُرمہ ہیں۔ شامِ کشمیر کی طرح اُن کا سانولا پن خوش نما ہے۔ ان کا سیاہ رنگ آنکھوں کی پتلیوں کے آبِ حیات کی سیاہی کی طرح روح افزا ہے، اُن کی ادائیں شوخی آمیز اور اُن کی حرکتیں فتنہ انگیز ہیں، جس محفل میں جاتی ہیں، رکھ رکھاؤ سے کام لے کر خود کو بچا لیتی ہیں، ہوس کے ہاتھوں سے محفوظ رہتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ابھی کسی نے اس خط کا لفافہ نہیں کھولا اور ابھی تک اُن کی مہر نہیں ٹوٹی۔ شعر:

یہ خط مانی نے کھینچا ہے اور نہ یہ نقش بہزاد نے
بنایا ہے۔ یہ سیاہ تصویر تو اُستادِ ازل کا کارنامہ ہے۔

پنّا بائی

نعمت خاں کی خاص شاگرد ہیں اور انہی کے انداز میں غزل خوانی کرتی ہیں۔ اُن کے وصف بیان کرنے کے لیے زمرّد کا قلم بنایا جائے تو مناسب ہے، کیوں کہ اُن کی آواز میں بہار کی سی طراوت و تازگی ہے۔ فراق کے مارے لوگوں کے لیے اُن کی آواز تریاق کا کام کرتی ہے۔ وہ ایسی اونچی تان لیتی ہیں کہ اُن کا سانس اونچا ہونے تک اُن کی آواز آفتاب کی کرن کی طرح آسمان کو چھونے لگتی ہے۔ ایسی ایسی موشگافیوں پر انھیں قدرت حاصل ہے کہ جب تک عقلِ سلیم انھیں سمجھے وہ ہوا کے تاروں میں گرہ لگا دیتی ہیں۔ اُن کی تان عقل مندوں کی فکر کی طرح فلک پیما ہے۔ ان کا نغمۂ بلند فکرِ منجم کی طرح بلند پرواز۔ اُن کی دل پذیر گفتگو علمِ مجلس کی سند ہے۔ اور دلچسپ گفتگو عشرت طرازوں کا دستور العمل ہے۔ ہر بات میں لطیفہ اور ہر لفظ میں شوخی مضمر ہوتی ہے۔ اُن کی حسین ادائیں دوسروں کے حسن سے دلآویز اور اُن کا اندازِ گفتگو دوسرے حسینوں کے عشوہ و انداز سے زیادہ دلربا۔ جو سامع اُن کی آواز سے آشنا ہو جائے، وہ پھر کسی اور کی آواز پسند نہیں کرتا۔ جسے ان کے نغموں کے ذائقے کی چاٹ پڑ جائے، وہ پھر دوسروں کی آواز سُننا پسند نہیں کرتا۔ جہاں جاتی ہیں، لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں، جب بھی گاتی ہیں سُننے والوں کے

لیے خوش دلی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔

طوطیِ شاخسارِ خوش نوائی کمال بائی

موسیقی کے فن میں اپنے نام کی طرح انتہا درجے کا کمال حاصل کیا ہے۔ رقصِ خوش ادائی میں کمال عظمت وجلال ہے۔ مدتوں بادشاہ کے محل میں بزم آرا رہی ہیں۔ اور مغنیوں کے حلقے میں سخن سرا رہی آجکل نادرشاہ کے حملے سے بادشاہ نے گانا سننا بند کردیا ہے اور اربابِ طرب کی نغمہ سنجی بالکل موقوف ہوگئی ہے، اس لیے اُن کی صحبت میسر آگئی، ورنہ اُن کی صحبت کسے نصیب ہوتی۔ کلاونت بچیوں کے انداز میں گاتی ہیں۔ ایسی رنگینی اور دردانگیزی کے ساتھ گاتی ہیں کہ سننے والے کو وجد آنے لگتا ہے۔ اکثر نعمت خاں، کے وہ خیال گاتی ہیں، جو بادشاہِ غازی سے منسوب ہیں۔ سننے والوں پر خوشی وانبساط کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ اس فن میں ایسی مشق ہے کہ اگر روز وشب کی صحبت کی دعوت دیں تو بلبلِ بہار کی طرح (مسلسل) گاتی رہیں اور گلشن کی طرح اپنے گانوں سے گل افشانی کرتی رہیں۔ تمکنت و ادا سے خالی نہیں ہیں۔ شوخ مزاج ہیں۔ اپنے ہمسروں میں آداب وآئین کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ جس نے انھیں بلایا پورا لطف اٹھایا اور اپنے دل کی لوح پر اُن کی اُلفت کے نقش کندہ کرلیے۔

سرمشقِ رنگینی وپختہ ادائی اوما بائی

اُن کی دلکش اداؤں کی رنگینی نسیمِ بہار کی طرح چمن آرائے خوشی وانبساط ہیں۔ ان کے بے نظیر گانے کی آواز نزہت ونشاط کے پھولوں کا گلدستہ ہے۔ اُن کی بدیہہ گوئی فکرِ اسیر کی طرح شوخی و رنگینی سے لبریز ہے۔ ان کی نقالی گزکِ شراب کی طرح بہت بامزہ اور نمکین ہے۔ اُن کی تمام حرکتیں اور ادائیں موزوں اور دل پسند ہیں۔ اُن کا خرام اور ادائیں خوبصورت اور خوش اسلوب ہیں۔ کبت گاتے ہیں۔

خیال گانے میں خیالِ نظیری کی طرح بے نظیر۔ اُن کی طبیعت عاشقانہ اور مزاج وفا آشنا ہے۔ نورس کنور اسی چمن کی نونہالِ نوخیز ہیں۔ موزونیِ قد ایسی کہ سروِ گلشن کو رشک آئے۔

میاں محمد ماہ، جو محسل جمانے والوں کے لیے سند اور تمام مجلسیں منعقد کرنے والوں کے سردار ہیں یہ انہی کی محبوبہ ہیں۔ اکثر اُن کے دولت خانے پر محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور بہت لطف آتا ہے۔

پنا وتنو

پہلے اس طائفے کی سردار تھیں۔ حسنِ سرشار، کمالِ وجاہت، دلکش آواز اور جسمانی اعضا کے تناسب کی وجہ سے بادشاہِ سلامت کی منظورِ نظر تھیں۔ بادشاہ ان پر غیر معمولی عنایت فرماتے تھے۔ اب اہلِ شوق کے لیے بزم آرائی کرتی ہیں اور آرزومندوں کی دلی تمنائیں پوری کرتی ہیں۔ رقص شروع کرنے کے لیے کھڑی ہوتی ہیں تو گانا شروع کرنے سے پہلے ہی شورِ تحسین بلند ہو جاتا ہے۔ جب وہ تان لیتی ہیں تو مرحبا اور آفریں کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ ان کی گفتگو میں ایسی رنگینی ہے کہ بہار کا لطف آ جاتا ہے اور ان کی بات چیت میں وہ مٹھاس ہے کہ سامعین بے خود ہو جاتے ہیں۔ خیال ایسی نزاکت اور ایسے انداز سے گاتی ہیں کہ سننے والے چیخ اُٹھتے ہیں۔ اُن کی رنگین گفتگو کانوں میں رس گھولتی ہے اور اُن کے مزے دار قسمیں، جو دراصل اُن کا تکیہ کلام ہیں، دلوں کو مسحور کر دیتی ہیں۔

راگ کے شائقین کو اُن کی صحبت سے سیری نہیں ہوتی۔ اور حسن پرستوں کو اُن کے دامِ وصال سے نجات نہیں ملتی۔

خاص طور سے تنو ناز و ادا سے اپنی پیشانی پر لہراتی ہوئی زلف کی لٹ کی طرح دیکھنے والوں کی جان کو پیچ و تاب میں ڈال دیتی ہیں۔ وہ سامانِ حسن و جمال کی مدد سے، کہ جن میں شوخی مستزاد ہے اور خوبصورت قسمیں بندِ ترجیع ہیں، دلوں کو اپنے قابو میں کر لیتی ہیں۔ قلم اُن کی نگاہوں کے کافر ادائی بیان کرنے میں قلمِ نرگس کی طرح حیرت زدہ ہے۔ اور نے خامہ اُن کی کرشمہ سازیوں کو بیان کرتے میں محوِ فریاد ہے۔ ان کے گرفتاروں میں ایک گلدستہ بندِ رنگینی و مرزائی میاں محمد ماہ ہیں، کہ اُن کی محبتیں اور صحبتیں یاد کر کے دماغِ زندگی سے دھواں اُٹھنے لگتا ہے اور عینِ عالمِ خوشی میں دل غم و اندوہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ (شعر:-)

رفتم و نرفت حسرت از دل
چوں آئینہ ایم جلوہ بسمل

بہرحال اگر وصال نہ ہو تو اُس کا خیال ہی سہی اور اگر خورشید نہ ہو تو ہلال ہی سہی۔ عیش کا ذکر بھی نصف عیش ہوتا ہے۔

تمت تمام شد کارم نظام شد
ہر کہ خواند دُعا طمع داریم
زانکہ من بندہ گنہ گاریم
تحریر بستم شعبان ۱۱۸۵ ہجری۔

تعلیقات
عقابی

درگاہ حضرت امیر خسروؒ

خسرو نام، لقب یمین الدین اور کنیت ابوالحسن تھی۔ ابوالحسن یمین الدین کے بعد وہ اپنا نام اور تلخیص اور موروثی خطاب امیر لکھتے تھے۔ عوام میں وہ امیر خسرو کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام سیف الدین لاچین تھا۔ امیر خسرو نے بہت سے بادشاہوں کے زمانے دیکھے۔ حضرت نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ فارسی کے زبردست شاعر تھے اردو والے انھیں اپنا سب سے پہلا شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ ۲۷ ستمبر ۱۳۲۵ء کو ان کا انتقال ہوا۔ امیر خسرو پر دنیا کے مختلف زبانوں میں بہت زیادہ کتابیں شایع ہوئیں۔

حضرت نظام الدین اولیا کے پائیں میں جہاں آرا بیگم اور محمد شاہ بادشاہ (۱۷۱۹ء-۱۷۴۸ء) کے مجروں سے متصل جنوب کی طرف ایک احاطہ ہے جسے یارانی چبوترہ کہتے ہیں۔ اس چبوترے پر امیر خسرو کا مقبرہ ہے۔ کسی زمانے میں حضرت نظام الدین اور امیر خسرو کے احاطوں کے درمیان ایک دروازہ تھا جسے "درمیانی دروازہ" کہا جاتا تھا۔ یہ دروازہ پتھر کا تھا عرصہ ہوا یہ دروازہ گر چکا ہے۔ میرے محترم بھائی خواجہ حسن ثانی نظامی نے مجھے بتایا کہ عرصہ ہوا اس دروازے پر ایک درخت گر گیا تھا، جس سے یہ دروازہ ٹوٹ گیا۔ اس دروازے کی پتھر کی محراب مقبرہ امیر خسرو کے احاطے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے۔

ماخذ: اردو، فارسی اور انگریزی ماخذ کے لیے ملاحظہ ہو۔ آثار الصنادید: ۳: ۳۲۶ - ۳۲۷۔

درگاہ خواجہ باقی باللہ

قطب روڈ پر نئی دہلی ریلوے اسٹیشن سے صدر بازار کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو ایک سڑک ہے، جس کا نام ہے عیدگاہ روڈ۔ اس روڈ پر تھوڑی دور چل کر بائیں ہاتھ

کو اس درگاہ کا دروازہ ہے۔ ایک دروازہ قطب روڈ پر بھی ہے۔ مگر اسے بند کر دیا گیا ہے۔ حضرت سید رضی الدین احمد المخاطب بہ خواجہ باقی باللہ سنہ ۱۵۶۳ - ۱۵۶۴ء میں کابل میں پیدا ہوئے تھے۔ اکبر بادشاہ (۱۵۵۶ء - ۱۶۰۵ء) کے زمانے میں ہندوستان آئے اور دلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ۱۲ اکتوبر ۱۶۰۳ء آپ کا انتقال ہو گیا اور اس درگاہ میں مدفون ہوئے۔

اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید: ۳ : ۳۲۸ - ۳۲۹۔

درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ، حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ زندگی بھر دلی میں رہے اور رشد و ہدایت کے کام میں مصروف رہے۔ اگرچہ سلطان محمود شاہ تغلق نے انھیں بہت اذیتیں پہنچائیں، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ ۱۵ ستمبر ۱۳۵۶ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

مالویہ نگر کالکاجی روڈ پر خان پور کی طرف جاتے ہوئے دائیں ہاتھ کو چراغ دہلی روڈ ہے۔ یہ روڈ سیدھی درگاہ حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو جاتی ہے۔ اس درگاہ میں ان کا مقبرہ بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے معتقد سلطان فیروز شاہ تغلق نے درگاہ میں آپ کی زندگی ہی میں مقبرہ تعمیر کروا دیا تھا۔ محمد شاہ بادشاہ (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء) نے درگاہ کے چاروں طرف بہت مضبوط فصیل بنوائی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں لوگوں نے فصیل توڑ کر اس پر مکان بنوا لیے۔ فصیل کے چاروں کونوں پر برجیاں تھیں۔ اب بس ایک برجی باقی ہے۔ اس پر بھی کسی کا قبضہ ہے۔ فصیل کے چار دروازے تھے۔ یہ دروازے بہت ٹوٹی پھوٹی حالت میں باقی ہیں۔ مقبرہ مستطیل اور ۱۸۰ فٹ لمبا، ۱۴۰ فٹ چوڑا اور ۱۲ فٹ اونچا ہے۔

درگاہ سے متصل ایک چشمہ تھا جو بند ہو گیا ہے۔ اس کے بارے میں خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ "چراغ دہلی کے قریب موضع بھڑی میں یہ چشمہ تھا۔ میرے بچپن تک اس میں مریض

نہانے کے لیے جایا کرتے تھے۔ اب چشمہ خشک ہوگیا ہے اور کوئی وہاں نہیں جاتا"۔

حضرت چراغ دہلی کا مقبرہ تیس فٹ مربع ہے۔ مقبرے پر ایک گنبد ہے۔ چاروں کونوں پر آٹھ آٹھ فٹ اونچے پتلے پتلے مینار ہیں۔ مقبرے کی چھت کے چاروں طرف چھجّہ ہے۔ مقبرے کے بارہ در ہیں۔ گیارہ دروں پر جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ جنوب کی طرف گیارھواں در دروازے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پورا مقبرہ لال پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اب ستونوں اور گنبد پر ہرا رنگ اور جالیوں پر سفیدی کردی گئی ہے۔ بشیر الدین احمد نے لکھا ہے کہ مقبرے کے اندر سنہرا کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ اب یہ کٹورا نہیں ہے اور درگاہ کے متولی کو اس کا علم نہیں کہ یہ کٹورا کب غائب ہوا اور کس نے غائب کیا۔

ملاحظہ ہوں: اردو۔ آثار الصنادید: ۱: ۳۲۶: ۳: ۳۳۲ ـ ۳۳۳۔ واقعات: ۲: ۹۱-۹۸ ـ مزارات: ۵۲-۵۳ ـ تاریخِ مشائخ چشت: ۱۸۱ ـ ۱۸۶ ـ چراغ دہلی: ۱۴۱: ۱۴۲: ۱۴۴ ـ فرہنگ آصفیہ: ۱: ۳۱۸ ـ

فارسی: ـ طامس ولیم بیل: ۹۰ ـ سیر المنازل: ۹۲ ـ ۹۳ ـ اخبار الاخیار: ۱۴۷ ـ خزینۃ الاصفیا: ۳۵۲ ـ ۳۵۷ ـ جمیعِ اولیاے دہلی: ۴۴ ـ ۴۵ ـ ۴۶، ۲۰۳ ـ ۲۰۴ ـ خیر المجالس۔

انگریزی: ـ شرما: ۷۷ ـ راجرز: ۸۸ ـ ہرن: ۱۱۳ ـ کوپر: ۱۰۰ ـ فین شا: ۲۸۴ ـ سٹیفن: ۱۴۵ ـ ۱۴۶ ـ

درگاہ حضرت سیّد حسن رسُول نما

کناٹ پلیس سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر پنج کنوئیاں روڈ پر یہ درگاہ واقع ہے۔ درگاہ کے اندر بہت زیادہ آبادی ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی حالت بہت خراب ہے۔ سید حسنؒ حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد میں ہیں۔ بخارا میں پیدا ہوئے۔ والد کے ساتھ ہندوستان آئے اور موہان میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصے بعد دلّی آئے اور یہاں گلابی باغ میں قیام کیا۔ ۱۱۰۳ھ (مطابق ۱۶۹۱ء ـ ۱۶۹۲ء) میں انتقال ہوا تو وہیں انھیں مدفون کردیا گیا۔ گویا پنج کوئیاں روڈ پر اس زمانے میں گلابی باغ تھا۔ "جمیع اولیاے دہلی"

میں باغ کا نام "باغ گلابی" لکھا ہے۔ بقول خواجہ حسن نظامی "دہلی کے نقال اور بھانڈ بھی اب تک اُن کو چاہتے ہیں اور ہر جگہ ناچ مجرے کے وقت پہلے حضرتؒ کا نام لے کر اپنے کان پکڑتے ہیں۔"

درگاہ کا احاطہ ۷۰ فٹ مربع ہے۔ ایک چبوترے پر آپ کا مزار ہے۔ مزار کے مشرق میں آپ کے صاحبزادے ناصر علی اور دو پوتوں کی قبریں ہیں۔ درگاہ کے احاطے کا صدر دروازہ خستہ حالت میں ہے کسی زمانے میں یہ دروازہ بہت شاندار رہا ہوگا۔ احاطے کی زمین کا چپہ چپہ کرائے پر اٹھا دیا گیا ہے۔ پچاس ساٹھ خاندان اس احاطے میں رہتے ہیں۔ دلی میں دو درگاہیں انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں ہیں ایک تو یہی درگاہ اور دوسری درگاہ قدم شریف۔

اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید: ۳: ۳۳۲ - ۳۳۴۔ پرانی دہلی کے حالات: ۱۷۔

درگاہ شاہ ترکمانؒ

حضرت شاہ ترکمان کا پورا نام شیخ محمد ملقب بہ صدر الدین و شمس الدین تھا۔ شمس العارفین کے نام سے مشہور تھے۔ "جمیع اولیائے دہلی" میں ان کا نام شیخ ترک بیابانی بتایا گیا ہے۔ راجا پتھورا کے عہد میں ۵۸۵ھ (۱۱۸۹ء - ۱۱۹۰ء) میں دہلی تشریف لائے اور ترکمان دروازے کے قریب بھوجلہ پہاڑی نامی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر سکونت اختیار کی۔ اُس وقت یہ علاقہ فیروز شاہ تغلق کے آباد کیے ہوئے شہر فیروز آباد کا حصہ تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے معاصر تھے۔ ۲۷ رجب ۶۳۷ھ (مطابق ۲۵ فروری ۱۲۴۰ء) کو انتقال کیا اور اپنے جائے قیام میں مدفون ہوئے۔

ماخذ: اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید: ۳: ۳۳۴ - ۳۳۵۔

درگاہ شاہ مرداں

آج کل جس سڑک کا نام اربندو مارگ ہے کچھ عرصے پہلے اس کا نام مہرولی روڈ

تھا۔ اگر ہم دلی سے مہرولی جائیں تو راستے میں داہنے ہاتھ کو صفدر جنگ کا مقبرہ نظر آئے گا۔ مقبرے کا صدر دروازہ مشرق رویہ ہے اس کے شمال مشرق میں موضع جور باغ اور مشرق میں موضع خیرپور تھا مقبرہ صفدر جنگ سے تھوڑی دور پر ایک سڑک بائیں ہاتھ کو مڑتی ہے۔ اس سڑک کا نام کربلا روڈ تھا۔ ۱۹۵۵ء میں اس سڑک کا نام جور باغ روڈ کر دیا۔ اس روڈ پر اگر مشرق کی طرف چلیں تو تھوڑے سے فاصلے پر کربلا ہے۔ اور کربلا کی مشرقی دیوار سے ملتی ہوئی کربلا روڈ ہے۔ اس روڈ کے اختتام پر درگاہ شاہ مرداں ہے۔ یہی درگاہ قدم گاہ حضرت علیؓ ہے۔ اس درگاہ کے چاروں طرف محمد شاہ بادشاہ (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء) کی بیوی نواب قدسیہ نے مضبوط فصیل بنوائی تھی۔ فصیل کے اندر کا علاقہ علی گنج کہلاتا تھا۔ اور اس میں اچھی خاصی آبادی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کی آبادکاری کے لیے یہ فصیل اور فصیل کے اندر کی تمام عمارتیں منہدم کر دی گئیں۔ لوگ مزاروں کو شہید کر کے سنگِ مرمر اٹھا کر لے گئے۔ اب صرف درگاہ شاہ مرداں باقی ہے۔ جس کی پوری تفصیل میں نے اپنی کتاب "دلی کی درگاہ شاہ مرداں" میں بیان کر دی ہے۔

اردو اور فارسی ماخذ کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید: ۲ : ۳۳۵۔

درگاہ قدم شریف یا مقبرہ

پہاڑ گنج سے چتر گپت روڈ اور اور بجنل روڈ کے چوراہے سے اگر ہم موتیا کھان جائیں تو دائیں طرف ایک سڑک مڑتی ہے۔ اس سڑک پر نبی کریم میں درگاہ قدم شریف ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء - ۱۳۸۸ء) کے زمانے میں مکہ معظمہ سے دہلی تک قدم شریف اپنے سر پر رکھ کر لائے تھے۔ جب شہزادے فتح خاں کا انتقال ہوا تو فیروز شاہ نے شہزادے کی قبر بنوا کر اس پر ایک چھوٹا سا حوض بنایا اور حوض میں قدم شریف رکھ دیا۔ اس مزار کے گرد مدرسہ، مکانات، ایک مسجد بنوا دی اور چار دیواری سے متصل ایک بہت بڑا حوض بنوا دیا۔ پوری عمارت پختہ بنی ہوئی ہے۔ اس کے سات دروازے تھے۔ ۱۹۱۹ء (سنہ تصنیف واقعات دار الحکومت دہلی) میں پانچ دروازے کھلے ہوئے

تھے۔ اور دو بند۔ اب (جنوری ۱۸۹۰ء) میں شمالی دیوار کا صرف ایک دروازہ کھلا ہوا ہے، باقی دروازے تیغا لگا کر بند کر دیے گئے۔ یہ عمارت مستطیل ہے اور ۸، فٹ لمبی اور ۳۶ فٹ چوڑی ہے۔ بیچ میں مقبرہ اور فتح خان کی قبر ہے۔ اب قبر پر قدم شریف نہیں ہے۔ درگاہ کے سجادہ نشین اور متولی پیر جی معراج الدین صاحب نے بتایا کہ ۱۹۴۷ء میں یہ قدم شریف غائب ہو گیا۔ درگاہ کے شمال و جنوب میں دو دالان ہیں۔ جن کی چھتیں سنگِ خارا کے ۴۶، ۴۶ ستونوں پر قائم ہیں۔ ان دالانوں کے دونوں سروں پر ایک ایک گنبد ہے۔ شمالی دالان کے مشرقی گنبد کے اندر استر کاری پر بہت خوب صورت بیل بوٹوں کے نشان باقی ہیں۔ باقی گنبدوں میں بھی ایسی آرائش ہو گی، مگر اب بالکل نہیں ہے۔ شمالی دالان میں بہت سی قبریں ہیں اور اب بہت سی قبروں کے ٹوٹے ہوئے تعویز پڑے ہوئے ہیں۔

تقسیمِ ہند کے بعد اس درگاہ پر پاکستان سے آئے ہوئے مہاجرین کا قبضہ ہو گیا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں عدالت نے درگاہ سجادہ نشین پیر جی سلیم الدین کو واپس دلوا دی۔ درگاہ کی عمارت کو جو نقصان ہوا، اس کی درستی ابھی تک نہیں ہو سکی۔ اندر سے درگاہ بہت بری حالت میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہینوں جھاڑو نہیں دی جاتی، دالانوں میں سفیدی کی گئی ہے اصل مقبرے کے سولہ ستون ہیں ان پر ہرا رنگ کر رکھا ہے اور فتح خاں کی قبر پر گہرا سبز رنگ کیا ہوا ہے۔

مقبرے کے مشرق میں بھی ایک دالان ہے۔ جو مغلیہ عہد کی تعمیر معلوم ہوتا ہے۔ درگاہ کے چاروں طرف بہت بڑا قبرستان تھا۔ اب کہیں کہیں کوئی قبر نظر آتی ہے۔ ورنہ آبادی ہو گئی ہے۔ لوگوں نے قبرستان اس طرح گھیرا ہے کہ درگاہ میں جانے کے لیے ایک انتہائی گندی اور بدبو دار بستی سے گزرنا پڑتا ہے۔ جگہ اتنی تنگ ہو گئی ہے کہ ایک گلی صرف تین چار فٹ چوڑی ہے۔ جگہ پر ناجائز قبضہ کرنے والوں میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں۔

مآخذ: اردو، فارسی اور انگریزی مآخذ کے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید: ۳: ۳۳۷ - ۳۳۸۔

درگاہ قطب الاقطاب

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ بن احمد بن موسیٰ "فرغانہ" کے ایک قصبے اوش میں پیدا ہوئے تھے۔ ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ شیخ ابو حفص سے علوم ظاہری حاصل کیے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ۵ نومبر ۱۲۳۷ء کو انتقال ہوا اور مہرولی میں مدفون ہوئے۔ یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو محی الدین بہادر شمس الامرا خورشید جاہ نے مزار کے چاروں طرف دو فٹ ایک انچ اونچا سنگِ مرمر کا بہت خوب صورت کٹہرا بنوادیا تھا۔ مزار کچا ہے۔ جس پر چادر چڑھی رہتی ہے۔ مقبرہ اندر ۱۸ فٹ لمبا اور ½۱۵ فٹ چوڑا ہے۔ درگاہ کے شمالی دروازے پر نصب ایک کتبے سے پتا چلتا ہے کہ شیر شاہ سوری (۱۵۳۸ء - ۱۵۴۵ء) کے عہد میں شیخ خلیل نے ۱۵۴۲ء میں یہ درگاہ تعمیر کرائی تھی۔ اس درگاہ میں حضرت مولانا فخر الدین، حضرت قاضی حمید الدین ناگوری جیسے بزرگوں کے مزار ہیں۔ درگاہ کے مغرب میں ایک احاطے میں مغل بادشاہوں، شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹ء - ۱۸۰۶ء) اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ء - ۱۸۳۷ء) کی قبریں ہیں۔ اسی درگاہ کے احاطے میں نوابانِ جھجر، نواب علاء الدین خاں علائی، نواب باندہ کی حظیرے ہیں۔ فرخ سیر نے بھی ایک حظیرہ بنایا تھا، جس میں مغل خاندان کے لوگ مدفون ہیں۔

ماخذ: اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید، ۲: ۳۲۹ : ۳۳۰۔

درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

حضرت شیخ نظام الدین بدایونی خالدی بن خواجہ احمد بن خواجہ علی بخاری کی بدایوں میں ولادت ہوئی۔ یہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔ دلی آکر موضع غیاث پورہ میں قیام کیا۔ آج کل یہ موضع بستی نظام الدین کہلاتا ہے۔ چورانوے سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ (مطابق ۳ اپریل ۱۳۲۵ء) کو انتقال ہوا۔ انھوں نے جو مسجد خود تعمیر کی تھی، اس کے صحن میں مدفون ہوئے۔ اسی مقام کو درگاہ حضرت نظام الدین

کہتے ہیں۔

اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید: ۳: ۳۲۰ - ۳۲۲ - تذکرہ حضرت نظام الدین اولیا: خانقاہ مبارک کی جھلک حضرت نظام الدین اولیا، خیر المجالس۔

مقبرہ سلطان غاری

بہت سے مورخین نے سلطان شمس الدین غاری لکھا ہے۔ جو درست نہیں۔ یہ سلطان التمش کے ولی عہد ناصر الدین محمود کا مقبرہ ہے۔ چوں کہ مزار غار میں ہے، اس لیے انھیں غاری کہتے ہیں۔

قطب مینار کے جنوب مغرب میں آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر مہرولی سے پالم کی طرف جانے والی اس سڑک پر جسے مہی پال روڈ کہا جاتا ہے، ڈی۔ ڈی۔ اے نے بسنت کنج نام سے ایک کالونی آباد کی ہے۔ اسی کالونی کے پاس یہ مقبرہ ہے۔ شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد سے ہندوستان کے کچھ کے علاقے میں اگر مسلمانوں نے کوئی مقبرہ تعمیر کیا تھا۔ تو وہ اب محفوظ نہیں ہے۔ اگر کچھ کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا مقبرہ ہے۔ اور مسجد قوۃ الاسلام اور اجمیر کی اڑھائی دن کے جھونپڑے کی مسجد کے بعد سرزمینِ ہند پر مسلمانوں کی تیسری تاریخی عمارت ہے۔ مقبرے کے صدر دروازے پر نصب کتبے سے پتا چلتا ہے کہ التمش نے اپنے ولی عہد ناصر الدین محمود کا مقبرہ تعمیر کیا تھا۔ ولی عہد کا ۱۲۲۹ء میں لکھنوتی میں انتقال ہوگیا تھا۔ اس کی لاش دہلی لاکر یہاں دفن کی گئی۔

اس مقبرے کی مزید تفصیل اور اردو، فارسی اور انگریزی مآخذ کے لیے ملاحظہ ہو:

آثار الصنادید: ۳: ۴۰۶ - ۴۰۷۔

آرزو، سراج الدین علی خاں

خانِ آرزو کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے بزرگوں کا وطن صوبۂ اودھ تھا۔ خود اکبر آباد میں پیدا ہوئے۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسبت حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی بہن

کے صاحبزادے شیخ کمال الدین سے اور والدہ کی طرف سے شیخ محمد غوث گوالیاروی سے ملتاہے۔ ۱۱۰۱ھ (مطابق ۱۶۸۹ – ۱۶۹۰ء) میں ولادت ہوئی۔ یہ میر تقی میر کے سوتیلے ماموں تھے۔ میر عبدالصمد سخن کے شاگرد تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ بادشاہ نے انھیں "دبیر پناہ" کا خطاب دیا تھا۔ زندگی کا بہت بڑا حصہ دلی ہی میں گزرا۔ آخر میں نواب سالار جنگ کی معرفت اودھ کے نواب شجاع الدولہ سے متوسل ہوگئے۔ تین سو روپے ماہانہ مقرر ہوا۔ بقول صاحب تذکرہ مسرت افزا۔ ۲۳ر جمادی الآخر ۱۱۶۹ھ (مطابق مارچ ۱۷۵۶ء) میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ لاش دلی لاکر دفن کی گئی۔

مآخذ: عقد ثریا: ۷ – ۸ – گل عجائب: ۱-۲ – سفینۂ خوشگو: ۳۱۲ – ۳۳۱ – تذکرہ الشعرا: ۲ – سرو آزاد: ۲۲۷ – ۲۳۱ – ریاض الفصحا: ۲۴ – گلشن ہمیشہ بہار: ۵۳ – مجموعۂ نغز: ۱: ۲۴ – نتائج الافکار: ۱۳ – ۱۴ – تذکرہ مسرت افزا (اردو ترجمہ): ۳۱ – ۳۶ – بزم سخن: ۱۹ – ۲۰ – طبقات الشعرا: ۶۴۔

اعتماد الدّولہ قمر الدین خاں

ان کا اصل نام میر محمد فاضل تھا۔ اعتماد الدولہ محمد امین خاں بہادر کے صاحبزادے تھے۔ عہد عالمگیر میں مناسب عہدہ اور قمر الدین خاں خطاب پایا۔ محمد شاہ بادشاہ نے اعتماد الدولہ کے خطاب سے نوازا۔ ۱۷۲۴ء میں وزارت کے منصب پر فائز ہوئے۔

احمد شاہ ابدالی سے مقابلے میں سرہند کے مقام پر ۱۷۴۸ء میں توپ کا ایک گولہ آکر لگا اور اعتماد الدولہ مارے گئے۔

مآخذ: ماثر الامرا (اردو ترجمہ): ۱: ۲۵۲ – ۲۵۴۔

انجام، عمدۃ الملک امیر خاں

یہ امیر خاں عالمگیر شاہی کے صاحبزادے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے دربار سے متوسل تھے۔ بادشاہ نے عمدۃ الملک کے خطاب سے نوازا تھا۔ بقول صاحب تذکرہ مسرت

افزا" ذہانت، معاملہ فہمی، لطیفہ گوئی، سخن سنجی، بدیہہ گوئی، حاضر جوابی اور ادا فہمی میں کوئی اُن کا نظیر نہیں تھا۔" مرزا عبدالقادر بیدل کے شاگرد تھے، اردو، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ۲۶ دسمبر ۱۷۴۶ء کو ایک ملازم نے لال قلعے میں اُن کو قتل کر دیا۔

مآخذ: طبقات الشعرا: ۶۸ - ۷۱ - تذکرہ مسرت افزا: ۲۹ - تذکرہ ماہ و سال ص ۵۲ - خم خانۂ جاوید: ۱: ۴۵۴ - عقدِ ثریا: ۹ - صبحِ گلشن: ۴۲ - تذکرۂ ریختہ گویان: ۲۰ - تذکرۂ بے نظیر: ۹ - گلشنِ ہمیشہ بہار: ۴۷ - مجموعۂ نغز: ۱: ۸۰ - مفتاح التواریخ: ۳۲۴ - طبقات الشعرائے ہند (مرتبہ عطا کاکوی): ۱۱۸ - ۱۲۳ (کریم الدین نے انجام کے حالات خاصے تفصیل سے بیان کیے ہیں) گلشنِ ہند: ۲۱ - ۲۳۔

بسنت

بہار شروع ہوتے ہی سرسوں پھوتے ہی ماگھ کے مہینے میں بسنت کا میلا شروع ہو جاتا ہے۔ ہندو اس موسم کو نیک شگون سمجھ کر دیوتاؤں اور اوتاروں کے استھانوں پر سرسوں کے پھولوں کے گڑوے بنا کرلے جاتے ہیں۔ اس میلے میں سیلانی زرد کپڑے پہن کر جاتے ہیں۔ مولوی سید احمد دہلوی نے فرہنگِ آصفیہ کی جلد اول میں اس میلے کی مکمل تفصیل دی ہے۔

ملاحظہ ہو: فرہنگِ آصفیہ: ۱: ۳۹۴ - ۳۹۶۔

بیدلؔ، مرزا عبدالقادر

۱۶۴۴ء میں پٹنہ میں ان کی ولادت ہوئی۔ بہ قول خوشگو "انتخاب" سے تاریخِ ولادت نکلتی ہے۔ والد کا نام مرزا عبدالخالق تھا۔ ان کا تعلق قوم برلاس سے تھا۔ زندگی کا بیشتر حصہ بنگال میں گزرا۔ کچھ عرصے محمد اعظم شاہ کے دربار سے وابستہ رہے۔ زندگی کے آخری چھتیس سال دلّی میں گزرے۔ تذکرہ مسرت افزا میں اُن کی تاریخِ وفات ۲۳ نومبر ۱۷۲۰ء اور

سفینۂ خوش گو میں ۲۴ نومبر ۱۷۲۰ء بتائی گئی ہے۔ شاہجہاں آباد میں اپنے ہی گھر میں مدفون ہوئے۔

ماخذ: تذکرہ مسرت افزا: ۵۲ - ۵۳ - کلمات الشعرا: ۱۴: ۱۸ - سروِ آزاد: ۱۴۸ - ۱۵۴ - سفینۂ خوشگو: ۲: ۱ - ۱۱۰ - عقدِ ثریا: ۱۶ - ۱۷ - تذکرۂ بے نظیر: ۳۹ - ۴۵ - تذکرۃ الشعرا: ۲۹ - مجموعۂ نغز: ۱: ۱۱۵ - ۱۱۷ - نتائج الافکار: ۲۳ - ۲۴ - شمع انجمن: ۲۳۔

ثابت، میر محمد افضل

ان کا اصل وطن بدخشاں تھا۔ کچھ تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ الہ آباد میں پیدا ہوئے، بعض کا بیان ہے کہ دہلی اُن کی جائے ولادت ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں اکبر آباد میں ولادت پائی۔ ان کے بزرگ سنی العقیدہ تھے مگر یہ شیعہ ہو گئے تھے۔ بہ قول مصحفی ۱۷۳۸ - ۱۷۳۹ء میں اور بہ قول خوشگو ۱۷۳۹ء - ۱۷۴۰ء میں انتقال ہوا۔

ماخذ: سفینۂ خوشگو: ۲۲۲ - ۲۲۵ - تذکرۃ الشعرا: ۳۴ - تذکرہ بے نظیر: ۵۲ - ۵۵ - سروِ آزاد: ۲۰۳ - ۲۰۴ - عقدِ ثریا: ۱۵۔

جاوید خاں، نواب بہادر

نواب قدسیہ (اصل نام ادہم بائی) محمد شاہ کی بیوی تھیں۔ قلعے میں ان کے مشیر خواجہ نواب بہادر جاوید خاں تھے۔ محمد شاہ کے انتقال کے بعد جاوید خاں کو بہت عروج ہوا۔ انھوں نے محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کے مزاج میں بہت دخل حاصل کر لیا تھا۔ صفدر جنگ اور جاوید خاں میں اس حد تک اختلاف ہوا کہ صفدر جنگ نے ۲۸ اگست ۱۷۵۲ء کو انھیں قتل کرا دیا۔

ماخذ: دلی کی درگاہ شاہ مرداں: ۵۵ - ۵۸۔

جانجاناں، مرزا مظہر

مرزا مظہر جان جاناں کے والد مرزا جان شاہی ملازمت میں تھے۔ عہدِ اورنگ زیب میں انھوں نے ملازمت ترک کر کے گوشہ گیری اختیار کرلی۔ مرزا جان جاناں کی ولادت ۱۱، رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۱۱۰ھ (مطابق یکم جنوری ۱۶۹۹ء) کو ہوئی۔ شمس الدین حبیب اللہ لقب اور مرزا جانِ جاں نام تھا، جو بگڑ کر جان جاناں ہوگیا۔ اُن کا تخلص مظہر تھا۔ لیکن بعد میں انھوں نے جانِ جاناں تخلص اختیار کرلیا۔ مرزا مظہر نقش بندی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۷، محرّم ۱۱۹۵ھ کی رات کو اُن پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا اور ۱۰، محرّم ۱۱۹۵ھ (۶، جنوری ۱۷۸۰ء) کو اُن کا انتقال ہوگیا۔ اُن کا مزار دہلی میں ترکمان دروازے کے قریب درگاہ مولانا شاہ ابوالخیر میں بہت اچھی حالت میں موجود ہے۔ مرزا صاحب پر اب تک پی۔ ایچ۔ ڈی کے دو مقالے لکھے جاچکے ہیں۔ ایک تو خلیق انجم کا ہے، جو غیر مطبوعہ ہے اور دلّی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اور دوسرا ڈاکٹر سید تبارک علی نقش بندی کا ہے۔ یہ مقالہ "مرزا مظہر جانِ جاناں۔ اُن کا عہد اور شاعری" کے نام سے ۱۹۸۸ء میں شایع ہوچکا ہے۔

جلال اسیر مرزا

اصفہان کے رہنے والے تھے۔ شاہ عباس اول کے داماد تھے۔ ہندوستان کبھی نہیں آئے۔ ۱۶۳۸ - ۱۶۴۰ء میں انتقال ہوا۔ کلمات الشعرا: ۳ اور ۲۰۔ تذکرہ الشعرا: ۱۳۔

جہاندار شاہ، معزالدّین

شاہ عالم بہادر شاہ اول کے صاحبزادے تھے۔ ۱۹، اپریل ۱۶۶۲ء کو تختِ نشین ہوئے۔ کل گیارہ مہینے پانچ دن کی حکومت نصیب ہوئی۔ ۲۴، جنوری ۱۷۱۳ء کو لال قلعے میں قتل کردیے گئے۔

مآخذ:۔ آثارالصنادید: ۳: ۲۴۶ - ۲۴۷۔

پنا بائی

نعمت خاں نے پنا بائی کو خیال اور غزل کی گائیکی میں تربیت دی تھی تاکہ وہ شاہی دربار میں اپنے فن کا مظاہرہ کر سکے۔
ماخذ:۔ (چندر شیکھر: ص ۱۲۱)

حزیں، شیخ محمد علی

شیخ جمال الدین ابو المعالی حزیں ۷ر جنوری ۱۶۹۲ء کو اصفہان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد شیخ ابوطالب گیلانی صاحبِ ثروت تھے۔ ۱۷۳۲ء میں ہندوستان آئے۔ ٹھٹھہ اور ملتان ہوتے ہوئے دہلی آئے۔ کچھ عرصے بعد بنارس چلے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ تقریباً پینتیس سال ہندوستان میں گزارے۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۷۶۶ء کو بنارس میں انتقال ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

ماخذ:۔ عقدِ ثریا: ۲۱۔ ۲۲۔ تذکرہ بے نظیر: ۵۸۔ ۶۰۔ تذکرۃ الشعرا: ۴۴۔ عقدِ ثریا: ۲۱۔ ۲۲۔ سفینۂ خوشگو: ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ سروِ آزاد: ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ خزانۂ عامرہ: ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ مزید ملاحظہ ہو: حزیں، شیخ علی، سفینۂ شیخ علی حزیں، حیدر آباد، ۱۹۳۰ء۔

حمید الدین ناگوریؒ

اسم مبارک محمد عطا تھا لیکن قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ تحصیلِ علم کے بعد ناگور کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس عہدے پر کام کرتے ہوئے تین سال گزرے تھے کہ خواب دیکھا کہ آنحضرتؐ اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ دوسرے دن ملازمت ترک کر کے حرمین شریفین کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں بغداد پہنچے اور وہاں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید ہو گئے۔ وہیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے

دوستی ہوئی، جو زندگی بھر قائم رہی۔ دلّی سے روانگی کے ایک سال سات مہینے اور کچھ دن بعد مکّے پہنچے۔ تین سال وہاں رہ کر دلّی آ گئے۔ ۲۸ر جنوری ۱۲۴۶ء کو انتقال ہوگیا۔ اُن کی وصیت کے مطابق خواجہ قطب الدین رح کے پایان میں مدفون کیے گئے۔

ماخذ:۔ حبیب اللہ : ۱۱ - ۱۳، ۱۶۶ - ۱۶۷ - (ڈاکٹر شریف حسین قاسمی نے ذکر جمیعِ اولیاے دہلی میں فوائد الفواد، سیر الاولیا، طبقاتِ ناصری۔ خیر المجالس، سیر العارفین، اخبار الاخیار، گلزارِ ابرار وغیرہ کے حوالے دیے ہیں۔)

خان زماں

ماثر الامرا میں خان زماں نام کے دس لوگوں کا ذکر ہے۔ ان میں عہدِ محمد شاہ کے خان زماں کا نام بھی شامل ہے۔ غالباً یہی وہ بزرگ ہیں جن کا ذکر" مرقع دہلی" میں ہے۔ ان کے والد شیخ غلام مصطفیٰ کار طلب خاں' بہادر شاہ اول کے محافظ دستے کے سپاہی تھے۔ خان زماں جہاں دار شاہ اور محمد شاہ کے زمانے میں عروج پایا، لیکن نہ جانے کیا ہوا کہ عہدِ محمد شاہ میں اُن کی پہلی جیسی عزت اور مرتبہ نہیں رہا۔

ماخذ:۔ ماثر الامرا (اردو ترجمہ) : ۱ : ۸۱۷ - ۸۱۸۔

خلد مکاں

ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کو وفات کے بعد" خلدِ مکان" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اورنگ زیب کی ولادت یازدہم ذیقعدہ ۱۰۲۸ھ (۱۰ر اکتوبر ۱۶۱۸ء) کو ہوئی۔ یکم ذیقعدہ ۱۰۶۸ء (۲۱ر جولائی ۱۶۵۸ء) کو تخت نشین ہوئے۔ کچھ دن اوپر پچاس سال حکومت کر کے ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ (۲۰ر فروری ۱۷۰۷ء) کو اورنگ آباد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

خلد منزل

قطب الدین محمد معظم شاہ عالم مخاطب بہ بہادر شاہ کو وفات کے بعد" خلد منزل" کہا جاتا

تھا۔ یہ اورنگ زیب کے صاحبزادے تھے۔ ستمبر ۱۶۴۳ء کو ولادت ہوئی۔ ۱۷۰۷ء کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۸؍فروری ۱۷۱۲ء کو انتقال ہوا۔ اور دلّی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قریب ایک مجھر میں مدفون ہیں۔ مجھر کی حالت خستہ ہے۔ مغربی اور جنوبی دیوار کے کنگورے گر چکے ہیں۔ شاہ عالم ثانی اور اکبر شاہ ثانی کی قبریں بھی اسی مجھر میں ہیں۔ بہادر شاہ ظفر نے بھی اپنا سرداب اسی مجھر میں بنوایا تھا۔ مگر انھیں یہاں دفن ہونا نصیب نہیں ہوا۔ عالمگیر ثانی کے صاحبزادے بہادر شاہ اور بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فخرو کے مزار بھی اسی مجھر میں ہیں۔

ماخذ: آثار الصنادید: ۱: ۲۴۴ - ۳: ۳۸۵۔

راقم ابراہیم علی خاں

اورنگ زیب کے عہد میں ایک ہزار ذات اور تین سو سوار کے منصب پر فائز تھے۔

ماخذ: THE MUGHAL NOBILITY UNDER AURANGZEB P.212 بحوالہ چندر شیکھر: ۵۹۔

رینی مہابت خاں

نئی دلّی تعمیر ہونے سے پہلے راؤز ایونیو کا علاقہ رینی مہابت خاں کہلاتا تھا۔ یہ بہت بڑا کھلا میدان تھا اور یہاں مختلف کھیل ہوتے تھے۔ آج بھی یہاں ایک سڑک مہابت خاں روڈ ہے۔ اس علاقے میں اردو گھر اور ایوانِ غالب ہیں۔

مہابت خاں عہدِ جہانگیر و شاہجہاں کا ایک اہم امیر تھا۔ اس کا نام زمانہ بیگ تھا۔ جہانگیر کے زمانے میں کابل کا صوبہ دار تھا اور شاہجہاں کے زمانے میں دلّی کی صوبہ داری اس کے سپرد تھی۔ ۱۶۳۴ء - ۱۶۳۵ء میں اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ: مفتاح التواریخ: ۲۴۲-۲۴۳۔

شاہ رحمت اللہ

یہ مرزا جانِ جاناں کے مرید تھے۔

ماخذ :- A HISTORY OF SUFISM IN INDIA P.248

شیخ بایزید اللہ ہو

شیخ بایزید اللہ ہو مرید تھے شیخ آدم بنوری نقشبندی کے۔ قصور (پاکستان) کے پٹھانوں میں سے تھے۔ ہمیشہ سر و پا برہنہ، بس ایک چادر اور ایک قمیص پہنے، سرخ لنگی، اور چمڑے کا کمربند باندھے سڑکوں پر اللہ ہو کا نعرہ لگاتے پھرتے تھے۔ ان کے ساتھ لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ۱۴ ؍ اپریل ۱۶۸۴ء میں اُن کا انتقال ہوا۔ موضع شاہ دہورہ میں نخاس کے قریب سرِ راہ انھیں دفن کیا گیا۔ اب یہ مزار دہلی میں روشن آرا باغ کے متصل شمال میں ہے۔

ماخذ :- حبیب اللہ : ۹۷، ۲۷۶ - ۲۷۷ - مزارات : ۱۴۳ - ۱۴۴۔

شاہ غلام محمد داول پورہ

اردو شاعروں کے تذکروں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ سید مظفر حسین ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " داول تخلص کی ایک مثنوی موسوم بہ " ناصری نامہ " راقم کی نظر سے گزری ہے۔ جو تین سو چھپن اشعار پر مشتمل ہے۔ ... یہ مثنوی شیخ عبد اللطیف المخاطب بہ دوارا لملک معروف بہ شاہ داول کی تصنیف ہے۔" شاہ صاحب سلطان محمود بیکرہ کے دربار سے متوسل تھے، بعد میں گوشہ گیر ہو گئے تھے۔

ماخذ :- مرقع دہلی (مرتبہ سید مظفر حسین) : ۲۷۔

شاعر معنی یاب خاں

گل محمد نام اور شاعر تخلص تھا۔ معنی یاب خاں اُن کا خطاب تھا۔ نواب صاحب

نے صرف معنی یاب خاں لکھا ہے۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ شاہ عالم بہادر شاہ اول کی ایک بیوی نے انھیں گود لے لیا تھا۔ اس لیے اُن کی پرورش لال قلعے میں ہوئی شہزادوں کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ محمد شاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ جب جوان ہوئے تو بادشاہ کی بیگم نے (جنھوں نے انھیں گود لیا تھا) اپنے پہلے شوہر سے ہونے والی لڑکی سے ان کی شادی کردی۔ مرزا بیدل کے شاگرد تھے۔ بیدل کو ان سے اتنی محبت تھی کہ انھوں نے اپنا عصا اور تلوار اُن کو دی تھی۔ ۱۱۵۷ء (۱۷۴۴ء) میں حالتِ جماع میں انتقال ہوا۔ انھوں نے غالباً امساک کی دوا کھائی تھی۔

ماخذ:۔ خوش گو: ۲۴۳-۲۴۶۔ سروِ آزاد: ۲۳۵-۲۳۶۔

صداقت، محمد ماہ

عہدِ محمد شاہ کی سیاسی تاریخوں اور تذکروں میں محمد ماہ نام کے صرف ایک صاحب کا ذکر ملتا ہے۔ خوش گو نے اپنے تذکرے میں محمد ماہ کا ذکر کیا ہے اور صداقت اُن کا تخلص بتایا ہے۔ چندر شیکھر نے (مرقع دہلی انگریزی ترجمہ: ص ۱۰۰) میں لکھا ہے کہ یہ وہی محمد ماہ ہیں، جن کا ذکر درگاہ قلی خاں نے کیا ہے۔ مجھے ڈاکٹر چندر شیکھر سے اتفاق ہے۔ محمد ماہ مشہور شاعر محمد اکرم غنیمت کے بھتیجے تھے۔ نوجوانی میں ۱۱۴۸ھ (مطابق ۱۷۳۵-۳۶ء) میں مرضِ سودا کا شکار ہوکر انتقال کرگئے۔

ماخذ:۔ سفینۂ خوشگو: ۱۹۸-۲۰۱۔

عظیم اللہ خاں

عہدِ محمد شاہ میں عظیم اللہ خاں نام کی صرف ایک ہی نمایاں شخصیت ہے جن کا ذکر مآثر الامرا میں ہے۔ ممکن ہے یہ وہی ہوں جن کا نام "مرقع دہلی" میں آیا ہے۔

عظیم اللہ خاں صاحبزادے تھے رعایت خاں ظہیر الدولہ کے۔ یہ اعتماد الدولہ قمرالدین خاں کے داماد تھے۔ بادشاہ کے دربار سے وابستہ رہے تھے۔

ماخذ:۔ مآثر الامرا (اردو ترجمہ): ۲: ۳۳۵-۳۳۶۔

فرخ سیر، جلال الدّین

یہ عظیم الشان بن بہادر شاہ اول کے صاحبزادے تھے۔ ۱۶۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۷۱۲ء میں تخت نشین ہوئے اور ۱۷، فروری ۱۷۱۸ء کو سید بھائیوں نے زہر دے کر قتل کرا دیا۔

کمالؔ، شاہ کمال الدّین حسین

اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کا نام شاہ کمال الدین حسین کمالؔ لکھا ہے۔ لیکن انھوں نے اپنے تذکرے میں پورا نام شاہ محمد کمال اور تخلص کمالؔ لکھا ہے۔ قصبہ کٹرا مانک پور (الہ آباد) کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد قادر نواز خاں اہلِ منصب و جاگیر تھے۔ انھوں نے صوبہ بہار میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ عظیم آباد (پٹنہ) کے قریب اپنے مرشدزادے کے نام پر محی الدین پور آباد کیا۔ والد کی وفات کے وقت کمال کی عمر چودہ برس تھی۔ اس عمر میں انھیں سیر و سیاحت کا شوق ہوا۔ گھر کا انتظام بڑے بھائی کے سپرد کرکے عظیم آباد آگئے۔ کچھ عرصے بعد فیض آباد پہنچ گئے۔ اور نواب شجاع الدولہ کی والدہ کی ملازمت اختیار کرلی۔ شعر و شاعری کا شوق تھا۔ محمد قائم، قائمؔ چاندپوری کی شاگردی اختیار کی۔ جب قائمؔ لکھنؤ سے رام پور چلے گئے تو انھوں نے قلندر بخش جرأتؔ کا تلمذ اختیار کرلیا۔ استادی شاگردی کا یہ سلسلہ لکھنؤ میں اُس وقت تک جاری رہا جب تک وہ لکھنؤ میں رہے۔ شاہ کمال لکھنؤ سے حیدر آباد آگئے۔ اور حیدر آباد سے دلی ۱۷۹۳ء میں کمالؔ دلی میں تھے۔ اس کا پتہ نہیں چل سکا کہ اُن کا انتقال دلی میں ہوا۔ یا وہ واپس حیدر آباد یا کسی اور شہر چلے گئے تھے۔ کمالؔ نے "مجمع الانتخاب" کے نام سے شاعروں کا تذکرہ مرتب کیا تھا۔ اب تک اس کے تین مخطوطے دستیاب ہو چکے ہیں۔ ایک انجمن ترقی اردو (ہند) کی لائبریری میں ہے۔

ماخذ: تین تذکرے: صبح - ۱۱ - عمدۂ منتخبہ: ۵۲۱ - ۵۲۲ - مجمع الانتخاب قلمی۔

عیار الشعرا (قلمی) ورق ۲۰۴ الف۔ سخنِ شعرا: ۳۹۹۔ مجموعۂ نغز: ۲: ۱۴۲۔
گلشنِ ہمیشہ بہار: ۲۶۸ - ۲۶۹۔

گرامی ہمدانی، مرزا گرامی

مرزا عبدالغنی بیگ قبولؔ کے صاحبزادے تھے۔ دلّی میں پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اُن کا اپنا کوئی مذہب نہیں تھا۔ جس مذہب کا آدمی بیٹھا ہوتا، اُس کے مذہب کی باتیں کرنے لگتے۔ جوگیوں کی طرح کمر پر سرخ لنگی باندھتے تھے اور داڑھی مونچھیں صاف رکھتے۔ اُن کے پانچ سو کے قریب شاگرد تھے۔ "تاریخِ محمدی" میں اُن کا سنہ وفات ۱۱۵۵ھ (۴۲-۱۷۴۳ء) "سروِ آزاد" اور "نتائج الافکار" میں ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ء - ۱۷۴۴ء) اور "تذکرہ بے نظیر" میں ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ء) درج ہے۔

مآخذ:۔ سروِ آزاد: ۱۹۸۔ سفینۂ خوشگو: ۲۳۴ - ۲۳۶۔ تذکرۂ بے نظیر: ۱۰۴-
۱۰۵۔ نتائج الافکار: ۴۲ - ۴۳ - ۴۴۔ شمعِ انجمن: ۳۳۔

مجنوں نانک شاہی

ان بزرگ کے سلسلے میں جمنا کے کنارے جس مقام کا ذکر کیا گیا ہے، اُسے مجنوں کا ٹیلہ کہا جاتا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں ایک گردوارہ اور ایک مسجد تھی۔ اب بہت شاندار گردوارہ ہے، لیکن مسجد نہیں ہے۔ درگاہ قلی خاں نے لکھا ہے کہ ہندو اپنے غلط عقیدے کے مطابق انھیں "نانک وقت" سمجھتے ہیں۔

مآخذ:۔ مرأت عالم ص ۴۸ بحوالہ چندر شیکھر: ۳۱۔

محمد شاہ

پورا نام روشن اختر ابوالفتح محمد شاہ تھا۔ یہ خجستہ اختر جہاں شاہ بن بہادر شاہ کے صاحبزادے تھے۔ ۹ اگست ۱۷۰۲ء کو ولادت ہوئی۔ (۱۷۱۸ء) کو تخت نشین ہوئے اور

۱۷، اپریل ۱۷۸۴ء کو انتقال ہوا۔ دلّی میں درگاہ حضرت نظام الدین میں حضرت نظام الدین کے مقبرے کے پائیں میں مدفون ہیں۔

ماخذ:۔ آثار الصنادید: ۳: ۳۸۵ - ۳۸۶۔

محتشم کاشانی

شاہ طہماسپ کے درباری شاعر خواجہ میر احمد کے صاحبزادے تھے۔ مرثیہ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ ۱۵۵۷ء میں انتقال ہوا۔

ماخذ:۔ تاریخِ ادبیات ایران: ۳۶۹ - ۳۷۰۔

مسکینؔ، حزیںؔ اور غمگینؔ

یہ تینوں بھائی تھے اور ان میں عبداللہ مسکینؔ سب سے بڑے تھے۔ مسکینؔ ابتدائی دور کے اہم مرثیہ نگار تھے، لیکن اردو شاعروں کے کسی "تذکرے" میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ مسکینؔ دلّی کے رہنے والے تھے۔ بقول علی جواد زیدی مسکینؔ کا سنہِ ولادت کم از کم ۱۶۹۸ء اور ۱۷۰۰ء کے درمیان ہونا چاہیے۔ مسکینؔ کو مرثیہ گو کی حیثیت سے اپنے عہد میں بہت مقبولیت حاصل تھی۔ سوداؔ نے "تضحیکِ روزگار" کے نام سے جو ہجو لکھی تھی اس میں یہ شعر بھی شامل ہے ؎

استقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکینؔ کہاں ہے

گلکرسٹ نے "ہندوستانی زبان کے قواعد" کے مختلف صفحات پر مثالوں کے طور پر جستہ جستہ مسکینؔ کا اکیاسی بند کا ایک مرثیہ نقل کیا ہے۔ عتیق صدیقی نے "گل کرسٹ اور اس کا عہد" میں پورا مرثیہ ایک جگہ مرتب کر دیا ہے۔ غالباً اسی مرثیے کا گارساں دتاسی نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ہندوستانی زبان کے قواعد میں گل کرسٹ نے اردو کے کچھ صاحبِ دیوان شاعروں کی فہرست دی ہے۔ اس فہرست میں مسکینؔ کا نام بھی شامل ہے۔

اسپرنگر کا قول ہے کہ لکھنؤ کے شاہی کتاب خانے میں مسکین کے مرثیوں کے دو مجموعے تھے۔ ایک میں کوئی سو اور دوسرے میں تقریباً چھ ہزار اشعار تھے۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب کی ذاتی لائبریری میں مسکین کے ۵، مرثیے اور آٹھ سلام تھے۔

رام بابو سکسینہ نے "تاریخِ ادب اردو" میں اور سید محمد نے "اربابِ نثر اردو" میں مسکین کو فورٹ ولیم کالج کا ملازم بتایا ہے، جو درست نہیں۔ حزیں اور غمگین دونوں مسکین کے چھوٹے بھائی تھے۔

مآخذ:۔ سکسینہ : ۱۵۔ عتیق صدیقی : ۷۳، ۷۶، ۱۴۰، ۱۴۱۔ ۱۴۲، ۱۴۲، ۱۷۱، ۲۳۳، ۲۵۲۔ گل کرسٹ بحوالہ عتیق صدیقی : ۱۴۱۔ تذکرہ مرثیہ نگارانِ اردو : ۴۴۹۔ گلشنِ سخن : ۲۴۴۔ ارمغانِ مالک : ۱۰۹۔ ۱۵۶۔

مکرّم خاں

یہ شیخ میر خوافی کے صاحبزادے تھے۔ اورنگ زیب کے دربار میں متوسل تھے۔ نہ جانے کیا ہوا کہ دنیاوی جاہ و منصب ترک کر کے کیمیا بنانے میں مصروف ہو گئے۔

مآخذ:۔ منتخب اللباب : ۲ : ۶۹۵۔ ۷۰۱ بحوالہ چندر شیکھر : ۴۷۔

میر سیّد محمد

اورنگ زیب کے منصب دار تھے۔ ترکِ دنیا کر کے گوشہ گیری اختیار کر لی۔ بہت ایماندار اور حق گو تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں ان کے مرید تھے۔

مآخذ:۔ ماثر الامرا : ۳ : ۶۰۴۔ ۶۱۱۔

میر عبداللہ

نواب درگاہ قلی خاں نے مسکین اور میر عبداللہ کا ذکر الگ الگ اس طرح کیا ہے جیسے دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی کا بیان ہے کہ میر عبداللہ کا تخلص

مسکین تھا۔ یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔

ماخذ:۔ ارمغانِ مالک : ۱۱۱۔

میر لطف علی خاں

اگرچہ "مرقع دہلی" کے قلمی نسخوں میں یہ نام "پسر لطف علی خاں" ہے لیکن نورالحسن انصاری نے میر لطف علی خاں لکھا ہے۔ مجھے انصاری صاحب مرحوم سے اتفاق ہے۔ علی جواد زیدی کا خیال ہے کہ پسر لطف علی خاں سے مراد اسد یار خاں انساؔن سے ہے۔ انسان، لطف علی خاں کے صاحبزادے تھے۔

ماخذ:۔ دہلوی مرثیہ گو : ۱۲۱۔

میر مشرّف

ملیح آباد کے پٹھانوں میں تھے۔ اودھ کے گورنر رہے تھے۔ فرخ سیر نے دہلی بلا کر پنج ہزاری منصب پر فائز کیا۔ محمد شاہ کے عہد میں ہفت ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔

ماخذ:۔ چندر شیکھر : ۱۹۔

میر منّو

یہ اعتماد الدولہ قمرالدین خاں بہادر کے صاحبزادے تھے۔ اعتماد الدولہ سرہند میں احمد شاہ ابدالی سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد میر منو چند ہزار سواروں کو لے کر احمد شاہ ابدالی پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ وہ فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اس بہادری کے سلسلے میں میر منو کو "معین الملک رستم ہند" کا خطاب ملا۔ ۱۷۵۴ء - ۱۷۵۵ء کا واقعہ ہے۔ ایک دن میر منو شکار پر گئے۔ اچانک طبیعت خراب ہوئی اور انتقال ہو گیا۔

ماخذ:۔ ماثرالامرا : ۱ : ۳۵۵ - ۳۵۶۔

میرن، صادق علی خاں، المعروف بہ میرن

"مآثر الامرا" میں ان کا نام صادق علی خاں اور "تذکرہ مسرت افزا" میں صادق علی خاں ہے۔ یہ جعفر علی خاں شجاع الملک ناظمِ بنگالہ کے صاحبزادے تھے۔ یہ شہزادہ عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ کے ملازم تھے۔ میرن احمد شاہ بادشاہ کے خلاف پٹنہ میں صف آرا تھے کہ ایک رات کو بجلی گری اور میرن اور اُن کے دو ملازم خدا کو پیارے ہو گئے۔

مآخذ:۔ مرقع دہلی (مرتبہ سید مظفر حسین) : ۳ - ۳۱ - تذکرہ مسرت افزا : ۱۴۲ - چندر شیکھر : ۴۵۔

نظامی گنجوی، جمال الدین ابو محمد الیاس

غالب نے ان کا ذکر تفتہ اور قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ۵۳۵ھ کے آس پاس گنجہ میں پیدا ہوئے۔ ساری زندگی گنجہ ہی میں رہے۔ ایک بار اتابک قزل ارسلان کی فرمائش پر تبریز کا سفر کیا تھا۔ اپنے زمانے کے مروجہ علوم طب، نجوم، ادب، بلاغت وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ آذربائجان اور شروان کے حکمرانوں سے ان کا تعلق تھا۔ ان کا ایک دیوان بھی تھا لیکن اب اس کا صرف ایک حصہ ملتا ہے۔ مگر ان کی شہرت خمسہ نظامی کی وجہ سے ہوئی۔ یہ مثنویاں اتنی مشہور ہوئیں کہ ان کا جواب جامی، وحشی، خواجو اور امیر خسرو نے بھی لکھا۔ خمسہ میں ۲۸ ہزار اشعار ہیں اور یہ مخزن الاسرار، لیلیٰ و مجنوں، خسرو شیریں، ہفت پیکر یا بہرام نامہ اور اسکندر نامہ کے نام سے معروف ہیں۔ ۶۱۴ھ یا ۶۰۲ھ میں انتقال ہوا۔ گنجہ میں مدفون ہیں۔

مآخذ:۔ تاریخ ادبیات در ایران، جلد ۲، ص ص ۸۱ ، ۷ ۔ مقالاتِ حافظ محمود شیرانی، جلد ۴، ص ص ۲۱۴ - ۳۶۷ - تذکرۃ الشعرا، ص ص ۱۳۱ - ۱۲۸۔

نظیری، محمد حسین

غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی، مرزا ہرگوپال تفتہ اور چودھری

عبدالغفور سرؔور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ نیشاپور میں ولادت ہوئی۔ ان کے خاندان کے افراد تجارت کرتے تھے۔ نظیریؔ نے آغازِ جوانی میں شعرگوئی کا آغاز کیا اور بہت جلد پورے ایران میں مشہور ہوگئے۔ کچھ دن کاشان اور آذربائجان میں رہ کر ہندوستان آئے۔ یہاں عبدالرحیم خانخاناں، اکبر اور جہانگیر نے ان کی بہت توقیر کی۔ جہانگیر نے ایک غزل کے صلے میں بہت بڑی جاگیر انعام میں دی۔ ۱۰۲۱ھ میں احمدآباد (گجرات) میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ دیوان ہندوستان میں بہت مقبول رہا ہے۔

ماخذ:۔ دولیت سخنوری، ص ص ۴۴۰۔ ۴۴۲۔

نعمت خاں بین نواز

مغلوں کے آخری دور میں محمد شاہ پیا رنگیلے کا دربار گویوں اور سازندوں کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ ان میں نعمت خاں المعروف بہ صدا رنگ کا نام اب تک مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ آج کل جتنے خیال گائے جاتے ہیں، ان میں زیادہ تر صدا رنگ ہی کے وضع کردہ ہیں۔ نعمت خاں کے شاگردوں میں اس کے ایک بھائی کے علاوہ لالہ بنگالی اور نیازی قوال بھی تھے۔ خوش گو نے لکھا ہے کہ میاں نعمت خاں بین نواز اس فن میں استادِ بےنظیر ہیں۔ سعداللہ گلشنؔ کے دوست ہیں، ہر سال گلشنؔ کے مزار پر شب بیداری کرتے ہیں۔ مزار پر شاندار عرس منعقد کراتے ہیں۔ بہت بڑا مجمع ہوتا ہے۔ میر قدرت قاسمؔ نے مرزا صادق علی خاں مرزا کے ترجمے میں لکھا ہے کہ انھیں موسیقی میں بہت مہارت ہے۔ سرکردہ نسرود سرایان میاں نعمت خاں کے شاگرد ہیں۔

ماخذ:۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے : ۵۵۴۔ تذکرہ خوش گو : ۱۶۸۔ مجموعۂ نغز : ۲: ۱۷۹۔

چاندنی چوک

لال قلعے کے لاہوری دروازے سے فتح پوری مسجد تک کا بازار چاندنی چوک کہلاتا

ہے۔ پہلے اس کے تین حصے تھے اور ہر حصے کا نام الگ تھا۔ لال قلعے کی طرف سے پہلے حصّے کا نام اردو بازار، اس کے آگے ترپولیہ اور کوتوالی کا بازار۔ پھر چاندنی چوک اور آخر میں بازار فتح پوری۔ چاندنی چوک کے بیچوں بیچ نہر تھی اور نہر کے دونوں طرف ۲۰، ۲۰ گز زمین چھوٹی ہوئی تھی۔ نہر کے دونوں طرف سایہ دار درخت تھے۔ اور پورے بازار میں عالی شان دوکانیں تھیں۔ آج بھی یہ دلّی کے اہم بازاروں میں ہے۔

ماٰخذ:۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی : ۲ : ۲۰۵ - ۲۰۶ - سیر المنازل : ۱۱، ۳۵ اور ۱۴۱۔

چوک سعداللہ خاں

لال قلعے کے دہلی دروازے اور جامع مسجد کے درمیان اس جگہ تھا جہاں اب پریڈ گراؤنڈ ہے۔ ۱۸۵۷ء میں جب دلّی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو اس علاقے کی تمام عمارتیں ڈھادی گئیں بقول بشیرالدین احمد صاحب مرحوم، غدر کے پہلے تک یہ چوک قائم تھا اور بڑی چہل پہل کا مقام تھا اب جدھر دیکھو سنسان ہے۔ سعداللہ خاں شاہجہاں بادشاہ کے وزیر تھے یہ چوک انھیں کے نام پر تھا۔

ماٰخذ:۔ واقعات دارالحکومت دہلی : ۲ : ۱۲۳ - ۱۲۴ - سیر المنازل : ۱۱، ۳۰ اور ۳۴۔

نہر

یہ نہر فیض نہر کے نام سے مشہور ہے، اسے نہرِ بہشت بھی کہا جاتا تھا۔ یہ وہی نہر ہے جسے فیروز شاہ تغلق نے پرگنہ خضرآباد میں دریاے جمنا سے کاٹ کر پرگنہ سفیدوں تک پہنچایا تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں یہ نہر بند ہوگئی۔ شہاب الدین احمد خاں نے اس کی مرمت کی اور نہر شہاب اس کا نام رکھا۔ جب لال قلعہ بنا تو خضرآباد سے سفیدوں تک اس کی مرمت کردی گئی۔ یہ نہر لال قلعے کے باغوں اور مختلف عمارتوں

مثلاً شاہ برج، حمام، دیوانِ خاص، خواب گاہ اور رنگ محل وغیرہ سے بھی نہر گزر کر قلعے کے جنوب سے باہر نکل جاتی تھی۔

اردو، فارسی اور انگریزی مآخذ کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید: ۲ : ۳۴۴-۳۴۵۔

حواشی

حواشی

مخففات

مخطوطہ سالار جنگ مرقومہ = الف

مخطوطہ سالار جنگ مرقومہ = ب

مخطوطہ کاما اورینٹل انسٹی ٹیوٹ = فروز
(ملا فروز کلیکشن)

مخطوطہ برٹش لائبریری، لندن = برٹش

ص ۵۱

۱۔ "رَبِّ یَسِّرْ الخ" صرف برٹش میں ہے۔

۲۔ فروز "دہلی" ندارد۔

۳۔ الف "صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم" ندارد۔

۴۔ فروز "ضمیر مایہ"۔ برٹش "خمیر مایہ"۔

۵۔ ب "بازگاہ" بجائے "بارگاہ"۔

۶۔ فروز "فرد" ندارد۔

۷۔ فروز "تو" ندارد۔

۸۔ الف اور ب "ایں کس"۔

ص ۵۲

۱۔ الف، ب اور فروز "مرض"۔

۲۔ فروز "لسانِ تمنا"۔

۳۔ ب "جا"۔

۴۔ یہ بادشاہ نہیں تھا بلکہ بقول سر سید یہ شاہزادہ فتح خاں بن فروز شاہ کا مقبرہ ہے۔ (آثار الصنادید: ۱: ۳۲۶)۔

۵۔ الف "قدم گاہ" ندارد۔

۶۔ الف "یعسوب" ندارد اور "للمسلمین" بجائے "المسلمین"۔

۷۔ ب "علیہ السلام" ندارد۔

۸۔ ب "مجری" بجائے "مجرا"۔

۹۔ فروز، برٹش "اکثرے بہ تحصیلِ متمنائے"۔

۱۰. الف "محرم" ندارد۔

ص ۵۳

۱. الف، ب اور برٹش "را" ندارد۔

۲. الف "دراهیان" ندارد۔

۳. الف "انتساب" بجاے انبساط۔

۴. الف اور ب "ہر چشمہ جانب"۔

۵. الف "حرکہ" برٹش "جرگہ" بجاے "برکہ"۔

۶. الف "سیرایت" بجاے "سرایت"۔

۷. الف، ف اور برٹش "حضرت" ندارد۔

۸. برٹش "است" ندارد۔

ص ۵۴

۱. برٹش "دوروز"

۲. فروز "ازو" ندارد۔

۳. الف، برٹش "نسیم" بجاے "تسلیم"۔

۴. ب "و" ندارد۔ برٹش "وکیل و"۔

۵. ب خواص و عوام بجاے "خاص و عام"۔

۶. فروز آخریں بجاے "اخیر"۔

۷. الف میں پہلے "تماشائیان" لکھا گیا تھا پھر "ئین" قلم زد کرکے "ئیان" کر دیا گیا ہے۔

۸. برٹش "مطلوبان" بجاے "مطربان"۔

۹. الف، برٹش "استدام" بجاے "استلام"۔

۱۰. برٹش "رہوا بہوا" "رہوا" زائد۔

ص ۵۵

۱. الف، ب، برٹش "لواحیر"۔

۲. برٹش "حلاتے" بجاے "ھلاوتے"۔

۳. الف درع بجاے "ذرع"۔

۴. ف، برٹش "خاصے" بجاے "خاص"۔

۵. برٹش "کاشاہنا" بجاے "کاشانہ"۔

۶. برٹش "پاک" بجاے "پُرانوار"۔

۷. الف، ب "از" ندارد۔ برٹش "در" بجاے "از"۔

۸. فروز "چراغ" ندارد۔

۹. برٹش "طرفہ تماشاے" بجاے "تماشای طرفہ"۔

ص ۵۶

۱. برٹش "علیہ الرحمۃ" بجاے "علیہ الرضوان"۔

۲. ف "معروف تنعات" "تنعات" زائد۔

۳. برٹش "صحرائے بجت"۔ "بجت" زائد۔

۴. الف "موج" ندارد۔

۵. برٹش "نسیم" ندارد۔

۶. میں بارہا حضرت باقی باللہ کے مزار پر حاضر ہوا ہوں، لیکن مجھے کبھی ایسی کرامت کا کوئی تجربہ نہیں ہوا۔

۷. الف، برٹش "کہ" ندارد۔

ص ۵۷ : ۱. الف "صلی اللہ علیہ الخ" ندارد۔

۲۔ الف "اداریش"۔

۳۔ برٹش "بازید"۔

۴۔ ب "میسر" ف "پیرا" بجاے "پیدا"۔

۵۔ الف "مزار" بجاے "مرزا"۔

۶۔ ف "علیہ الرحمۃ" بجاے "رحمۃ اللہ"۔

۷۔ الف، ف اور برٹش "مستفادہ" بجاے "استفادہ"۔

۸۔ الف، ب "از" ندارد۔

۹۔ ف، برٹش "ترتیب" بجاے "تربت"۔

۱۰۔ الف "سمت" بجاے قسمت۔

۱۱۔ برٹش "خاص"۔

۱۲۔ ف "محمد سعید اللہ" "اللہ" زائد۔

ص ۵۸

۱۔ ف، برٹش "بیست شہر محرم الحرام" بجاے "بیست و سیوم محرم الحرام"۔

۲۔ ف "تزئین و ترتیب" بجاے "ترتیب و تزئین"۔

۳۔ برٹش "ہئیات" بجاے "ہیت"۔

۴۔ برٹش "کند" ندارد۔

۵۔ الف "لواحش" بجاے "فواحش"۔

۶۔ فزوز "کہ" بجاے "اکیہ"۔

۷۔ الف "جار" بجاے "فجار"۔

۸۔ الف "چشم و چراغ" بجاے "چشم چراغ"۔

۹۔ برٹش "تقریب" بجاے "ترتیب"۔

۱۰۔ ب "فواحش" بجاے "مواحبس"۔

ص ۵۹

۱۔ برٹش "پیشگان" ندارد۔

۲۔ الف "خالش" بجاے "خاکش"۔

۳۔ الف "ترتیب" بجاے "نزہت"۔

۴۔ برٹش "وصفہائے" بجاے "وضعہای"۔

۵۔ الف "می گردد" بجاے "می گیرد"۔

۶۔ برٹش "روشنائی" بجاے "روشنی"۔

۷۔ الف "جمع" بجاے "جمیع"۔

۸۔ الف "است" ندارد۔

۹۔ الف "را" ندارد۔

۱۰۔ الف "می" ندارد۔

۱۱۔ برٹش "رسند" بجاے "رسد"۔

۱۲۔ الف "فروش" بجاے "فرشہا"۔

۱۳۔ برٹش "می گردد" بجاے "می گیرد"۔

ص ۶۰

۱۔ الف "در تماشا"، "در" زائد۔

۲۔ الف "خوش قیامت" بجاے "خوش رو"۔

۳۔ ب "معتداً بہ" بجاے "معتدبہ"۔

۴۔ ب "جوزہاے محتم" بجاے "جوزہاے محتشم"۔

۵۔ الف "تناسل" بجاے "تناسل"۔

۶۔ الف "گردد" بجائے "گرد"۔

ص ۶۱

۱۔ الف "تحص" بجائے "متحصن"۔

۲۔ الف اور ب "بہ" ندارد۔

۳۔ فروز "سلیمان علیہ السلام" "علیہ السلام" زائد۔

۴۔ الف "کار دار" بجائے "کاردر"۔

۵۔ ب "ہمہ" ندارد۔

۶۔ ب "صید" بجائے "صدد"

۷۔ برٹش "صحن" بجائے "ضمن"۔

۸۔ الف "و" ندارد۔

ص ۶۲

۱۔ الف "بر" بجائے "بہ"۔

۲۔ برٹش "تکیہ زدہ"۔ "زدہ" زائد۔

۳۔ فروز "اقتشمہ" بجائے "اقمشہ"۔

۴۔ فروز "درنشنود"۔

۵۔ ب "غفلت" بجائے "غافل"۔

۶۔ برٹش "زبان" ندارد۔

۷۔ برٹش "دزدن" بجائے "دزدیدن"۔

۸۔ فروز "تماشائے" بجائے "تمنائے"۔

۹۔ برٹش "تمہید" ندارد۔

۱۰۔ فروز "ایں وجہ" "ایں" زائد۔

۱۱۔ ب، برٹش "درجات" ندارد۔

ص ۶۳

۱۔ ب "رفتہ" ندارد۔

۲۔ الف "ذکر" بجائے "نفس"۔

۳۔ ب "بمقراقبت" بجائے "مراقب"۔

۴۔ برٹش "برکات" بجائے "تبرکات"۔

۵۔ ب "فیضدرخت" بجائے "منقبت ایشاں"۔

۶۔ الف "سماشین" بجائے "سمایش"۔

۷۔ ب "فوائد" بجائے "موائد"۔

۸۔ برٹش "فتوحات" بجائے "فیوضات"۔

۹۔ ب، ف "روزگار" بجائے "روز"۔

ص ۶۴

۱۔ ب "خواب" ندارد۔

۲۔ الف اور فروز "و ازمشاید و مراقبات"

۳۔ الف، برٹش "شریفش خیلے" ندارد۔

۴۔ ب "دارند" بجائے "کنند"۔

۵۔ برٹش "درویش" بجائے "و رویش"۔

۶۔ الف "عظیم انشانش" بجائے "عظیم الشان"۔

۷۔ برٹش "وعہدہ ہانظر"۔ "عہدہ ہا" زائد۔

۸۔ فروز "تفرج" بجائے "تفریح"۔

ص ۶۵

۱۔ الف، برٹش "پیشانش" بجائے "پیشانیش"۔

۲۔ ب "و" ندارد۔

۳۔ برٹش "شکوہ مرتبہ" "مرتبہ" زائد۔

۴۔ ب "حال" بجاے "کمال"۔

۵۔ فروز "ہوا" بجاے "ہویدا"۔

۶۔ ب "زمانِ فلد" ندارد۔

۷۔ الف "زنند" بجاے "زند"۔

۸۔ فروز "آید" بجاے "آمد"۔

۹۔ برٹش، ب "گردید" بجاے "نگردیدہ"۔

۱۰۔ برٹش "غربی ما غربی"۔

۱۱۔ الف، برٹش "او" ندارد۔

۱۲۔ برٹش "نمی آید" بجاے "نیست"۔

۱۳۔ برٹش میں یہ لفظ۔ فروز اور الف و ب میں "ترش" یا "برش" ہے۔ "سریش خوبی" پوری کوشش کے باوجود میری سمجھ میں نہیں آئے۔

۱۴۔ ب "مجاہدت" بجاے "مجاہدات"۔

۱۵۔ فروز، برٹش "معنویت"۔

۱۶۔ الف "کردہ" بجاے "گردیدہ"۔

ص ۶۶

۱۔ برٹش "ضعف ونقاہت" "ونقاہت" زائد۔

۲۔ ب "کملاتش" ندارد۔

۳۔ برٹش "تبرکات" بجاے "برکات"۔

۴۔ الف "در" بجاے "از"۔

۵۔ ب "می نشود" بجاے "می گردد"۔

۶۔ ب "حاضرین" ندارد۔

۷۔ ب "بجری" بجاے "مجرا"۔

۸۔ ب "فاسد" ندارد۔

۹۔ برٹش "انتسابش" بجاے "اقتباسش"۔

۱۰۔ فروز "و" ندارد۔

۱۱۔ فروز، برٹش "ترنم بایں بیت است" بجاے "بایں بیت مترنم است"۔

۱۲۔ الف "مترنم" ندارد۔

۱۳۔ ب "اے" بجاے "کاے"

۱۴۔ ب "دہم درمحرم" بجاے "دہم محرم"۔

۱۵۔ فروز، برٹش "تقریب تعیل" بجاے "تقریب شستن"۔

ص ۶۷

۱۔ برٹش "نیست" ندارد۔

۲۔ الف، ف، برٹش "است" ندارد۔

۳۔ الف "فرایش" بجاے "فضایش"۔

۴۔ الف "فلغانش" بجاے "فلفایش"۔

۵۔ ب "فہد"، فروز "تہمد" بجاے "تمہید"۔

۶۔ الف "رفتی" بجاے "رفتن"۔

۷۔ الف "محلصان" بجاے "مخلصان"۔

۸۔ الف "ہزارات" بجاے "مزارات"۔

۹۔ برٹش "بتواجد" بجاے "موحد"

۱۰۔ الف، برٹش، ب "غازی" بجاے "غاری"۔
۱۱۔ برٹش "قصوے" بجاے "قصوای"۔
۱۲۔ ب "را" بجاے "زار"۔
۱۳۔ الف "بہ" ندارد۔
۱۴۔ برٹش "می پیوند د" "می" زائد۔

ص ۶۸

۱۔ ب "پارچہ" بجاے "پارچہ ہای"۔
۲۔ برٹش "و" ندارد۔
۳۔ فروز، برٹش "می گیرند" بجاے "می برند"۔
۴۔ فروز "ایشاں لبس" "لبس" زائد۔
۵۔ الف، برٹش "دارد" بجاے "دارا تشکوہ" فروز "شکوہ" ندارد۔
۶۔ الف "مقربے" ندارد۔
۷۔ الف "باشد" بجاے "باشند"۔

ص ۶۹

۱۔ برٹش "بہ دستور" "بہ" زائد۔
۲۔ برٹش "خانہ" بجاے "جا"۔
۳۔ ب، برٹش "پنڈی" بجاے "پند"۔
۴۔ الف، ب "بہ" ندارد۔
۵۔ برٹش "شمایلش" بجاے "شواملش"۔
۶۔ الف، ب، برٹش "محبت" بجاے "صحبت"۔
۷۔ فروز "ہرجا از" "از" زائد۔

۸۔ فروز "بہ" ندارد۔
۹۔ برٹش "رنگے" بجاے "رنگینے"۔
۱۰۔ ب "این" ندارد۔
۱۱۔ ب "این" ندارد۔

ص ۷۰

۱۔ الف "انتظاری" بجاے "انتظام"۔
۲۔ فروز "رباعی" ندارد۔
۳۔ ب "یار" بجاے "یاراں"۔
۴۔ الف "و" ندارد۔
۵۔ ب "و" ندارد۔
۶۔ الف، ب "کہ" بجاے "اگہ"۔
۷۔ الف، ب "بہ" ندارد۔
۸۔ الف "چشم" بجاے "خم"۔
۹۔ الف، برٹش "ترش" ب "نوش و خوش"۔

ص ۷۱

۱۔ برٹش "ہمہ"
۲۔ فروز، برٹش صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "وآلہ" بجاے "علیہ"۔
۳۔ برٹش "راسای" بجاے "راستہ ہای"۔
۴۔ برٹش "آں" ندارد۔
۵۔ ب "وانبساط" ندارد۔
۶۔ فروز، برٹش "ضمن" بجاے "صحن"۔

۷. فروز، برٹش "نغمہ سرایانِ شہر" "شہرہ زائد"۔

۸. فروز، برٹش "کوزہا" بجاے "کوزہ ہا"۔

۹. الف، برٹش "راستا" بجاے راستہ ہا"۔

ص ۲،

۱. الف "آثار" بجاے "دثار"۔

۲. الف، ب "اتصال" بجاے "وصال"۔

۳. الف "و" ندارد۔

۴. ب "مودا" بجاے "مودی"۔

۵. الف، ب برٹش "باو" ندارد۔

۶. برٹش "طرفہ" ندارد۔

ص ۳،

۱. ب "تقرب" بجاے "تقریب"۔

۲. الف، ب "ربطے" ندارد۔

۳. ب "روزی" بجاے "روز"۔

۴. برٹش "میرکسے" بجاے "ہرکس"۔

۵ برٹش "جوق در جوق" بجاے "جوق جوق"۔

۶. ب "چوں" ندارد۔

۷. الف برٹش "خبر" بجاے "حاضر"۔

۸. فروز "ہا" بجاے "ہای"۔

۹. الف، فروز، برٹش "مجتمع" ندارد۔

۱۰. الف "ندارد"۔

۱۱. الف "می ماید" بجاے "می نماید"۔

۱۲. فروز، برٹش "ہمسر" بجاے "ہمہ"۔

ص ۴،

۱. برٹش "اکثر" بجاے "اقسام"۔

۲. برٹش "کنند" بجاے "کنند"۔

۳. الف، ب، برٹش "می نمایند" بجاے "می نماید"۔

۴. الف، برٹش، ب "گاہ" ندارد۔

۵. الف، ب "و" ندارد۔

۶. الف، ب، فروز "باشق" برٹش "نامش" بجاے "تاسیس"۔

۷. ب "عرب" ندارد۔

۸. برٹش "گرویدہ" بجاے "کردہ"۔

۹. الف، ب "اند" ندارد۔

۱۰. فروز "بہ وحید" بجاے "بہ وجد"۔

۱۱. فروز "مبدامی" بجاے "صدامی"۔

۱۲. برٹش "ہیأت" بجاے "ہیئت"۔

۱۳. ب، فروز "مجید و فرقان حمید"۔ ندارد۔

۱۴. ب "سماز" بجاے "نماز"۔

۱۵. الف، ب، ف، برٹش "مناسب۔"

۱۶. فروز "قطمیری" برٹش "فطرت" بجاے "نظری"۔

ص ۵، : ۱. برٹش "راحت" بجاے "ترحیب"۔

۲۔ الف "مبلغی" بجاے "متلعق"۔

۳۔ الف "می کنند" بجاے "می کنند"۔

۴۔ الف "می کشند" بجاے "می کشد"۔

۵۔ برٹش "خان" ندارد۔

۶۔ ب "تفاوت" بجاے "ثقافت"۔

۷۔ ب، برٹش "یا" ندارد۔

۸۔ برٹش "صحنش حوض" "حوض" زائد۔

ص ۷۶

۱۔ الف، ب، ف، برٹش "کردہ" بجاے "گردیدہ"۔

۲۔ برٹش "را" ندارد۔

۳۔ الف، ب "برای رستگاری" "برای" زائد۔

۴۔ الف "بفریاد" بجاے "نفیر"۔

۵۔ برٹش "تمتعی" بجاے "تمتع"۔

۶۔ ب "می" ندارد۔

۷۔ الف "سنگھ" ندارد۔

۸۔ ب "بازاری" ندارد۔

۹۔ ب "آباد" بجاے "آمادہ"۔

۱۰۔ فروز "بادہ" بجاے "باہ"۔

ص ۷۷

۱۔ فروز "کشید" بجاے "کشیدہ"۔

۲۔ برٹش "طرفہ" ندارد۔

۳۔ برٹش "است" ندارد۔

۴۔ ب "کہ موسوم" دوبارہ لکھا گیا۔

۵۔ برٹش "ہر" ندارد۔

۶۔ برٹش "نسواں" ندارد۔

۷۔ برٹش "انتخاب" بجاے "ایجاب"۔

۸۔ برٹش "گلہائے" بجاے "گلہا"۔

۹۔ الف "و" ندارد۔

۱۰۔ فروز "کہ اگر" "کہ" زائد۔

۱۱۔ الف، ب "است" بجاے "اند"۔

۱۲۔ برٹش "جمیع" ندارد۔

۱۳۔ برٹش، فروز، ب "دوستاں" ندارد۔

۱۴۔ فروز "گرداناد" بجاے "گرداند"۔

۱۵۔ الف "محفوظ"۔ بجاے "محظوظ"۔

۱۶۔ برٹش "سمتے" بجاے "سمت"۔

۱۷۔ فروز "می گردد" بجاے "می گیرد"۔

۱۸۔ الف "روانہ روانہ" "روانہ" زائد۔

ص ۷۸

۱۔ الف "آمد" بجاے "آمدہ"۔

۲۔ برٹش "گردند" بجاے "گردد"۔

۳۔ برٹش "درگاہ" بجاے "کارگاہ"۔

۴۔ الف "وتار" "و" زائد۔

۵۔ الف "طینتاں" ندارد۔

۶۔ برٹش "نمکے" بجاے "عکسے"۔

۷۔ الف، ب "صرافہ" بجاے "صرفہ"۔

ص ۷۹

۱۔ برٹش "قامت گاہ" بجاے "اقامت"۔

۲۔ فروز، برٹش "خاطری ہت" بجاے "خاطریست"۔

۳۔ فروز "فرمود" بجاے "فرمودہ"۔

۴۔ برٹش "مخصوصی" بجاے "مخصوص"۔

۵۔ ب، فروز "یکبارہ" ندارد۔

۶۔ ب "یار" بجاے "یاب"۔

۷۔ برٹش "کہ" بجاے "اکیہ"۔

۸۔ برٹش "رموز" بجاے "اموز"۔

۹۔ ب "گشت" ندارد۔

۱۰۔ ب "خوانی" ندارد۔

۱۱۔ ب "جنت" بجاے "بہشت"۔

ص ۸۰

۱۔ برٹش "وارستگہای" بجاے "وارستگہا"۔

۲۔ الف "یحتاج" بجاے "مایحتاج"۔

۳۔ برٹش "نیست" بجاے "منت"۔

۴۔ الف، ب، فروز "آفریں" بجاے "آفرینی"۔

۵۔ برٹش "سحر" بجاے "سہ پہر"۔

۶۔ برٹش "چوکی ہا"۔ "ہا" زائد۔

۷۔ برٹش "بہار" ندارد۔

۸۔ الف، فروز، برٹش "او" ندارد۔

ص ۸۱

۱۔ الف، برٹش "خیلے صحبت گیر" بجاے "صحبتش"۔

۲۔ ب، برٹش "رنگین" ندارد۔

۳۔ برٹش "شود" بجاے "گردد"۔

۴۔ برٹش "ضیافت خانہ" بجاے "صافی خانہ"۔

۵۔ برٹش "میر محمد" بجاے "میرزا"۔

۶۔ برٹش "ذوقی" بجاے "ذاتی"۔

ص ۸۲

۱۔ ب "است" بجاے "اوست"۔

۲۔ "از" قیاسی تصحیح، نور الحسن انصاری۔

۳۔ ب "وآں اینست" ندارد۔

ص ۸۳

۱۔ برٹش "میرزا" ندارد۔

۲۔ برٹش "الرزاق" بجاے "الخالق"۔

۳۔ الف "حرمت"

۴۔ الف "ملک" بجاے "خلد"۔

۵۔ برٹش "ء" ندارد۔

۶۔ ب "چیدہ بہ" "بہ" زائد۔

۷۔ فروز "ہرگاہ کہ ... می داشت" ندارد۔

۸۔ الف "می شد" بجاے "می شد"۔

۹۔ فروز "باہم" بجاے باہم"۔

ص ۸۴

۱۔ ب "بابرکات" بجاے "باکابریت"۔

۲۔ برٹش "ای" ندارد۔

۳۔ الف، ب "مناسب" بجاے "مناسبت"۔

۴۔ برٹش "کبابے" بجاے "کباب"۔

۵۔ برٹش "زادہا" بجاے "زادہ ہا"۔

۶۔ ب "د طور کلامش" ندارد۔

ص ۸۵

۱۔ ب "آید" بجاے "رسد"۔

۲۔ ب "طینن" ندارد۔

ص ۸۶

۱۔ الف "لیسر" بجاے "لپسر"۔

۲۔ برٹش "ہیاتش" بجاے "ہیئت"۔

۳۔ برٹش "معلوم" ندارد۔

۴۔ الف "موتا"۔

۵۔ برٹش "تعجب"۔

۶۔ الف "و" ندارد۔

۷۔ الف، ب، برٹش "اشعارش"۔

۸۔ الف، برٹش۔ "معتدآبہ"۔

۹۔ الف "کنند" ندارد۔

ص ۸۷

۱۔ برٹش "الہٰی" بجاے "الملے"۔

۲۔ الف، ب، برٹش "بالیش"۔

۳۔ الف "کہ" ندارد۔

۴۔ الف، ب "و" ندارد۔

۵۔ الف "گزاری" بجاے "گزالیش"۔

۶۔ الف "نوبت" ندارد۔

۷۔ برٹش "و" ندارد۔

۸۔ الف، برٹش "از" ندارد۔

۹۔ الف "کارہ" بجاے "درکار"۔

۱۰۔ برٹش "ہندوستان زا"۔ "زا" زائد۔

ص ۸۸

۱۔ الف "سادہ گی" بجاے "سادگی"۔

۲۔ الف "می کند" بجاے "می کشد"۔

۳۔ ب "تعزیہ" ندارد۔

۴۔ الف "حزنہای" بجاے "حزینہای"۔

۵۔ فروز "صولتش" بجاے "صوتش"۔

۶۔ الف "را" ندارد۔

۷۔ برٹش "ہا" ندارد۔

۸۔ الف "کاشانہای" بجاے "کاشانہ ہای"۔

۹۔ الف "کس کمال"۔ "کس" زائد۔

۱۰۔ الف "و" ندارد۔

۱۱۔ الف "باستماعش" بجاے "باستماع"۔

۱۲۔ الف "ارماں" ب "ملزماں" بجائے "ملزمان"۔
۱۳۔ فروز "نشترہا"۔ "ہا" زائد۔
۱۴۔ فروز "دل" بجائے "دلہا"۔

ص ۸۹

۱۔ فروز "پیشیکاراں" بجائے "پیشیگان"۔
۲۔ الف، برٹش "مرشیہ"۔ "اش" ندارد۔
۳۔ ب "جلال" بجائے "جلالے"۔
۴۔ ب "و" ندارد۔

ص ۹۰

۱۔ ب "و" ندارد۔
۲۔ الف "در" ندارد۔
۳۔ الف سرجمع۔
۴۔ الف "مغنیا" بجائے "مغنیان"۔
۵۔ الف، فروز "غنای" بجائے "حمیت"۔
۶۔ انصاری "ودر"۔ "و" زائد۔
۷۔ الف "بزم" ندارد۔
۸۔ الف "تار" بجائے "تار"۔
۹۔ الف اور فروز "سبو" ندارد۔
۱۰۔ الف "جامتان" بجائے "جانِ مستاں"۔
۱۱۔ الف "را" ندارد۔
۱۲۔ الف "تالب را" بجائے "تابہ ساز"۔
۱۳۔ فروز "رسید" بجائے "رسد"۔

ص ۹۱

۱۔ فروز "ششی" بجائے "ششتی"۔
۲۔ فروز "کہ" بجائے "و"۔
۳۔ فروز "دارد"۔ بجائے "داد"۔
۴۔ فروز "فرمائشہاپزا" بجائے "فرمائشہارا"۔
۵۔ الف اور فروز "برنگی" بجائے "نیرنگی"۔
۶۔ فروز "صولتش" بجائے "صوتش"۔
۷۔ الف "بہ" ندارد۔
۸۔ الف اور فروز "می" ندارد۔

ص ۹۲

۱۔ برٹش "مرتبہ" ندارد۔
۲۔ برٹش "تمام" ندارد۔
۳۔ فروز "قصور" بجائے "تصور"۔
۴۔ الف، برٹش "عمر" ندارد۔
۵۔ برٹش "ہمیشہ" بجائے "ہموارہ"۔
۶۔ برٹش "نوازی او"۔ "او" زائد۔

ص ۹۳

۱۔ الف، برٹش "حنجرہ ہایش" بجائے "حنجرہ شان"۔
۲۔ الف، برٹش "نغمانش" بجائے "نغماتِ شان"۔
۳۔ الف "اے" ندارد۔
۴۔ فروز "خاں" ندارد۔

۵. الف، ب "و" ندارد۔

۶. الف "صورتش" ب "صوتش" بجاے "صوتستاں"۔

۷. الف "است" ندارد۔

۸. الف، ب "مناسب" بجاے "مناسبت"۔

۹. فروز "مرتب" بجاے "مرتّب"۔

۱۰. الف "بائل" بجاے "حائل"۔

ص ۹۴

۱. الف، ب، برٹش "نوع" بجاے "تنوع"۔

۲. الف "طرفی" بجاے "طرفہ"۔

ص ۹۵

۱. الف، فروز، برٹش "وی" ندارد۔

۲. الف "با" بجاے "بے"۔

۳. فروز "داریم" برٹش، الف "دانم" بجاے "دائیم"۔

۴. فروز "سر" بجاے "میر"۔

۵. الف معرف، ب اور فروز "معرف" بجاے "معترف"۔
قیاسی تصحیح۔

۶. برٹش، فروز "احترامش" بجاے "احترامشان"۔

۷. فروز اور الف، برٹش "مستقیم" بجاے "سقیم"۔

ص ۹۶

۱. فروز "آرمیدہ گی" بجاے "آرمیدگی"۔

۲. فروز "سنجیدہ گی" بجاے "سنجیدگی"۔

۳. فروز "احصار" بجاے "اعصار"۔

۴. فروز "برین" بجاے "ازین"۔

۵. الف اور ب "حاضران" بجاے "حاضرین"۔

۶. الف اور فروز "کہ" ندارد۔

۷. فروز "شاہ" بجاے "خاں"۔

۸. الف اور فروز "ڈھولک نواز"، "نواز" زائد۔

ص ۹۷

۱. فروز "آمدہ" بجاے "آمد"۔

۲. الف، برٹش "اصول باسلوب" "باسلوب" زائد۔

۳. برٹش "رساند" بجاے "رسانید"۔

۴. برٹش "ہای" ندارد۔

۵. برٹش "بزنگ" ندارد۔

۶. فروز "ضمیر" بجاے "خمیر"۔

۷. برٹش "نمک" ندارد۔

۸. الف، ب "باتمامی" بجاے "باہمای"۔

۹. فروز، برٹش "حلیہ"۔

۱۰. فروز، برٹش "آرزو" بجاے "آرزویش"۔

۱۱. برٹش "می گردد" بجاے "شود"۔

۱۲۔ الف، برٹش "بمنالیشں" بجاے "تمنالیشں"۔

ص ۹۸

۱۔ فروز "قدما" بجاے "ندما"۔

۲۔ الف، ب اور فروز "در"۔

۳۔ فروز "کنند" بجاے "کند"۔

۴۔ فروز "کہ خواندنش" "کہ" زائد۔

۵۔ فروز "اشتہا" بجاے "اشتہای"۔

۶۔ فروز "برا" بجاے "بہ"۔

۷۔ فروز "انشابہ مضامین" بجاے "انشای مضامین"۔

۸۔ ب "خیال" ندارد۔

۹۔ الف، ب اور فروز "تقریرشں" بجاے "تقریرشان"۔

ص ۹۹

۱۔ الف اور ب اور فروز "رسالیشں" بجاے "رسالیشان"۔

۲۔ الف و ب، برٹش، فروز "سیاہشں"

۳۔ ب اور فروز "تشد" بجاے "مد"۔

۴۔ الف، ب، برٹش، فروز "قدہالیشں" بجاے "قدہالیشان"۔

۵۔ الف، ب اور فروز "گفتگوہالیشں" بجاے "گفتگوہالیشان"۔

۶۔ ب "دریای" بجاے "بارہی"۔

۷۔ فروز "بقال" بجاے "نقال"۔

۸۔ فروز "مقابشں" بجاے "مقابلشں"۔

۹۔ الف اور ب "رنگ" ندارد۔

۱۰۔ ب "بزم" بجاے "رم"۔

ص ۱۰۰

۱۔ ب اور فروز "بخاطرہا" بجاے "خاطرہا"

۲۔ فروز "آیندہ گی" بجاے "آیندگی"۔

۳۔ فروزاور ب "گردید" بجاے "گردیدہ"۔

۴۔ الف اور ب اور فروز "بصحبتش نہ" بجاے "صحبتش"۔

۵۔ الف، ب، برٹش، فروز "مبہم"۔

۶۔ فروز "فقرا"۔

۷۔ ب "کبر" بجاے "کبرا"۔

۸۔ الف "ممدومحبوب" "ممدو" زائد۔

۹۔ الف "ودد" "و" زائد۔

۱۰۔ فروز "دہند" بجاے "دید"۔

۱۱۔ فروز "اکثری" بجاے "اکثر"۔

۱۲۔ فروز "نہ" ندارد۔

۱۳۔ فروز ندارد، الف "بیابانی"۔

ص ۱۰۱

۱۔ فروز "خوانندہ گی" بجاے "خوانندگی"۔

۲۔ الف "بیان" ندارد۔

۳۔ الف "نازش" بجائے "نازک"۔

۴۔ ب "خیلے" ندارد۔

۵۔ فروز اور ب "دو" بجائے "او"۔

۶۔ فروز "سادہ گی" بجائے "سادگی"۔

۷۔ ب، برٹش، فروز "اینہا" بجائے "آنہا"۔

۸۔ الف "شراب" ندارد۔

۹۔ فروز "عرض وکمال" بجائے "عرض کمال"۔

۱۰۔ الف میں عنوان نہیں ہے باقی تین نسخوں میں "الہ بندی" ہے۔

۱۱۔ ب "اعضار" ندارد۔

ص ۱۰۲

۱۔ الف اور فروز "رجی" "ب" میں غالبؔ سہواً "الہ بندی" کے بدلے رجی عنوان دے دیا گیا ہے۔

۲۔ فروز "یک" ندارد۔

۳۔ ب "می زند...... تار" ندارد۔

۴۔ فروز "مقبرہ" بجائے "معتبرہ"۔

۵۔ ب "ابتیاح" بجائے "ابتیاع"۔

۶۔ الف "سواد" بجائے "سوار"۔

۷۔ الف، فروز "اقبال" بجائے "اقیال"۔

۸۔ الف "صاحب" بجائے "صباحت"۔

۹۔ الف "تاجا" بجائے "تا"۔

۱۰۔ الف "نمایند" بجائے "نماید"۔

۱۱۔ فروز "می گردد" بجائے "می گیرد"۔

۱۲۔ فروز "چندے" بجائے "چند"۔

۱۳۔ فروز "ہیچ کسے" "ہیچ" زائد۔

ص ۱۰۳

۱۔ ب "در" بجائے "دریں"۔

۲۔ الف "کم" ندارد۔

۳۔ ب "و" ندارد۔

۴۔ ب "دستان" بجائے "داستان"۔

۵۔ فروز "سرا" ندارد۔

۶۔ الف "رقص" بجائے "رقصش"۔

۷۔ الف "مرغوب" بجائے "مرغوبی"۔

۸۔ ب "است" ندارد۔

۹۔ الف "جلوہ" بجلوہ "جلوہ اش"۔

ص ۱۰۴

۱۔ الف "برنگ" ندارد۔

۲۔ الف "است" ندارد

۳۔ الف "جوے" بجائے "بوے"۔

۴۔ فروز "کد" بجائے "ایکہ"۔

۵۔ الف "شوند" بجائے "شود"۔

ص ۱۰۵

۱۔ الف اور ب "معاصر"۔ برٹش "معاصراو" بجائے "معاصران"۔

۲۔ ب اور فروز "دو" بجاے "اد"۔
۳۔ ب "اسفلِ خود" "خود" زائد۔
۴۔ فروز "جامہ"۔
۵۔ الف اور فروز "تفاوت وگل"
بجاے "تفاوت گل"۔
۶۔ الف "صد قش"، بجاے "قس"۔
۷۔ ب "من" ندارد۔

ص ۱۰۶

۱۔ ب "دود"۔
۲۔ الف اور فروز "می شد" بجاے
"می آمد"۔

ص ۱۰۷

۱۔ الف "رقص"، بجاے "رقصش"۔
۲۔ ب "زیب" بجاے "زینت"۔
۳۔ الف اور فروز "لطیف" بجاے
"زلطیف"۔
۴۔ الف اور فروز "لطافتش"۔
۵۔ الف اور ب و فروز "متحتم" بجاے
"مغتنم"۔
۶۔ الف "پیش" ندارد۔

ص ۱۰۸

۱۔ الف، ب اور فروز "می کارد"
بجاے "دارد"۔

۲۔ الف "دوش" بجاے "درودش"۔
۳۔ الف اور فروز "رنگش" بجاے "آمیگش"۔
۴۔ الف اور فروز "اتحاد" بجاے "ایجاد"۔
۵۔ فروز "بلبل" بجاے "بائین"۔
۶۔ فروز الف "شدومد" بجاے "تشید"۔

ص ۱۰۹

۱۔ الف "حوطوطی" بجاے "طوطی"۔
۲۔ ب "بچی ہا" ندارد۔
۳۔ الف اور ب "بہ" ندارد۔
۴۔ فروز "مزہ گی" بجاے "مزگی"۔

ص ۱۱۰

۱۔ ب "کشی گیر" بجاے "کشتی گیر"۔
۲۔ الف "خیال بے نظیر" بجاے "خیال نظری"۔
۳۔ الف، برٹش، "نورس" ندارد۔
۴۔ برٹش "مسند" بجاے "سند"۔
۵۔ برٹش "اکنون بطورِ خود" "بطورِ خود" زائد۔
۶۔ الف، برٹش "در"۔
۷۔ برٹش "بے اختیار ہا ہوکناں" بجاے
"بے اختیار سہا موکشاں"۔
۸۔ الف "طرف" بجاے "طرہ"۔
۹۔ الف "باد" بجاے "یاد"۔

ص ۱۱۱

۱۔ برٹش "حیرت" بجاے "حسرت"۔

اشاریہ

اشخاص

ادارے اور لائبریریاں وغیرہ

کتابیں

مقامات، عمارتیں اور بازار وغیرہ

کتابیات

۱۔ آزاد بلگرامی، میر غلام علی، خزانۂ عامرہ، کانپور، ۱۸۷۱ء

۲۔ آزاد بلگرامی، میر غلام علی، سروِ آزاد مرتبہ عبداللہ خاں، حیدرآباد، ۱۹۱۳ء

۳۔ ابوالحسن امیرالدین احمد امراللہ الہ آبادی، تذکرہ مسرت افزا، مترجمہ مجیب قریشی، دہلی، ۱۹۶۸ء

۴۔ ادیب، مسعود حسن رضوی، تاریخ مرثیہ کا ایک باب شامل، ارمغانِ مالک۔

۵۔ ارمغانِ مالک، دہلی۔

۶۔ افتخار، سید عبدالوہاب، تذکرہ بینظیر، مرتبہ سید منظور علی، الہ آباد، ۱۹۴۰ء۔

۷۔ امیر علی جونپوری، تذکرہ مرثیہ نگارانِ اردو، لکھنؤ، ۱۹۸۵ء۔

۸۔ ایف فیلن و کریم الدین، طبقات الشعراے ہند، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۷۱ء۔

۹۔ بشیرالدین احمد، واقعات دارالحکومت دہلی، حصہ اول، آگرہ، ۱۹۱۹ء۔

۱۰۔ بیل، طامس ولیم، مفتاح التواریخ، کانپور، ۱۸۶۷ء۔

۱۱۔ تبارک علی نقشبندی، ڈاکٹر سید، مرزا مظہر جان جاناں۔ اُن کا عہد اور شاعری، دہلی، ۱۹۸۸ء۔

۱۲۔ تمنا اورنگ آبادی، اسد علی خاں، گل عجائب، اورنگ آباد ۔ ۱۹۳۶ء۔

۱۳۔ پرانی دہلی کے حالات، ترجمہ و تلخیص مرقع دہلی، خواجہ حسن نظامی، دہلی، ۱۹۴۹ء۔

۱۴۔ حبیب اللہ، ذکر جمیع اولیاے دہلی، مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء ـــ ۱۹۸۷ء۔

۱۵۔ حبیب، پروفیسر، حضرت نظام الدین اولیا، دہلی، ۱۹۷۲ء۔

۱۶۔ حزیں، شیخ محمد علی، تاریخِ احوال بتذکرۂ حالِ، (خود نوشت حالات) لندن، ۱۸۳۱ء۔

۱۷۔ حزیں، شیخ علی، سفینۂ شیخ علی حزیں، حیدر آباد، ۱۹۳۰ء۔

۱۸۔ حمید قلندر، خیر المجالس، مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، علی گڑھ۔

۱۹۔ خاں، سرسید احمد، آثار الصنادید (جلد اول)، مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء۔

۲۰۔ خاں، سرسید احمد، آثار الصنادید (جلد دوم)، مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء۔

۲۱۔ خاں، سرسید احمد، آثار الصنادید (جلد سوم)، مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء۔

۲۲۔ خاں، سید علی حسن، صبح گلشن، بھوپال، ۱۲۹۵ھ۔

۲۳۔ خاں، صدیق حسن، شمعِ انجمن، مرتبہ سید شاہ عطا الرحمن عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔

۲۴۔ خاں، صدیق حسن، شمعِ انجمن، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔

۲۵۔ خاں، مولانا عبد الغنی، تذکرۃ الشعرا، علی گڑھ، ۱۹۱۶ء۔

۲۶۔ خاں، محمد عبد الجبار، محبوب الزمن، تذکرہ شعرائے دکن، جلد اول، حیدر آباد، ۱۳۲۹ھ۔

۲۷۔ خاں، نور الحسن، نگارستانِ سخن، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔

۲۸۔ خلیق انجم، دلّی کے آثارِ قدیمہ، دہلی، ۱۹۸۸ء۔

۲۹۔ خلیق انجم، دلّی کی درگاہ شاہ مرداں، دہلی، ۱۹۸۸ء۔

۳۰۔ خویشگی، نصر اللہ خاں، گلشنِ ہمیشہ بہار، اسلم فرخی، کراچی، ۱۹۶۷ء۔

۳۱۔ دانش، میر دلاور علی، ریاض مختاریہ بہ سلطنت آصفیہ، حیدر آباد، ۱۳۳۰ء۔

۳۲۔ درگاہ قلی خاں، مرقع دہلی، مرتبہ سید مظفر حسین، حیدر آباد، ۱۹۲۶ء۔

۳۳۔ درگاہ قلی خاں، مرقع دہلی، مرتبہ و مترجمہ ڈاکٹر نور الحسن انصاری، دہلی، ۱۹۸۲ء۔

۳۴۔ درگاہ قلی خاں، مرقع دہلی، مرتبہ خواجہ عبد الحمید یزدانی، لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۳۵۔ ذکا، خوب چند، عیار الشعرا (قلمی)، انجمن ترقی اردو (ہند) لائبریری۔

۳۶۔ سرخوش، محمد افضل، کلمات الشعرا، مرتبہ صادق علی دلاوری، لاہور، ۱۹۴۲ء۔

۳۷۔ سری رام لالہ، خمخانۂ جاوید: ۱، لاہور، ۱۹۰۸ء۔

۳۸۔ سکسینہ، رام بابو، تاریخِ ادبِ اُردو، ۱۹۵۲ء۔

۳۹۔ سید احمد دہلوی، فرہنگِ آصفیہ، دہلی، ۱۹۷۴ء۔

۴۰۔ سید محمد، اربابِ نثرِ اردو، لاہور، ۱۹۵۰ء۔

۴۱۔ شاہنواز خاں، صمصام الدولہ، ماثر الامرا، جلد ۱، مترجمہ، پروفیسر محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۸ء۔

۴۲۔ شفق، رضازادہ، تاریخِ ادبیاتِ ایران، طہران، ۱۹۵۸ء۔

۴۳۔ شفیق و صاحب اورنگ آبادی، لچھمی نرائن، چمنستان شعرا، تلخیص و ترجمہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔

۴۴۔ شوق، قدرت اللہ، طبقات الشعرا (تین تذکرے)، مرتبہ نثار احمد فاروقی دہلی، ۱۹۶۸ء۔ (تین تذکرے)

۴۵۔ صباح الدین عبد الرحمن، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، اعظم گڑھ، ۱۹۸۰ء۔

۴۶۔ صبا گوپامئوی، روزِ روشن، تلخیص و ترجمہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔

۴۷۔ صدیقی، محمد عتیق، گل کرسٹ اور اس کا عہد، دہلی، ۱۹۷۹ء۔

۴۸۔ صفا، ذبیح اللہ، تاریخِ ادبیات در ایران، تہران، ۱۳۵۲ھ۔

۴۹۔ عبد الغنی خاں، مولانا محمد، تذکرالشعرا، علی گڑھ، ۱۹۱۶ء۔

۵۰۔ علی نظمی، دو بیت سخنور، تبریز، ۱۲۹۶ھ۔

۵۱۔ منتخبہ یعنی تذکرۂ سرور، تالیف میر محمد خاں بہادر سرور۔ مرتب پروفیسر خواجہ احمد فاروقی۔

۵۲۔ فاروقی، پروفیسر نثار احمد، تذکرہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا: خانقاہِ مبارک کی جھلک، لاہور، ۱۹۸۰ء۔

۵۳۔ فریدی، نسیم احمد، خواجہ باقی باللہ و فرزندان و خلفاے او، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء۔

۵۴۔ کریم الدین، طبقات الشعرائے ہند، مرتبہ عطا کاکوی، ۱۹۶۸ء۔

۵۵۔ کمالؔ، شاہ کمال الدین حسین، مجمع الانتخاب، (قلمی) انجمن ترقی اردو (ہند) لائبریری۔

۵۶۔ کمالؔ، شاہ کمال الدین حسین، مجمع الانتخاب، قلمی، انجمن ترقی اردو (ہند) لائبریری۔

۵۷۔ قاسمؔ، حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ، مجموعۂ نغز، مرتبہ محمود شیرانی، دہلی، ۱۹۷۳ء۔

۵۸۔ قدرت اللہ گوپاموی، نتائج الافکار، تلخیص و ترجمہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔

۵۹۔ قدرت اللہ گوپاموی، نتائج الافکار، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔

۶۰۔ قصاص ہند، پنجاب ایجوکیشن، ڈیپارٹمنٹ، پنجاب لاہور، ۱۹۱۴ء۔
(بحوالہ چیندر شیکھر)۔

۶۱۔ لطف، مرزا علی، گلشن ہند، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۷۲ء۔

۶۲۔ مالک رام، تذکرہ ماہ و سال، دہلی، ۱۹۹۱ء۔

۶۳۔ محمد عالم شاہ دہلوی، مزاراتِ اولیاے دہلی، ۱۳۳۰ھ۔

۶۴۔ مرأت عالم، مرتبہ ساجدہ خاتون، لاہور، ۱۹۷۹ء۔

۶۵۔ مرزا، اصلح، تذکرہ شعراے کشمیر، مرتبہ سید حسام الدین راشدی، کراچی، ۱۹۶۷ء۔

۶۶۔ مرزا سنگین بیگ، سیر المنازل، مرتبہ و مترجمہ شریف حسین قاسمی، دہلی، ۱۹۸۲ء۔

۶۷۔ مصحفی، غلام ہمدانی، ریاض الفصحا، مرتبہ مولوی عبدالحق، ۱۹۳۴ء، اورنگ آباد۔

۶۸۔ مصطفائی بیگم، تاریخ یوسف دکن، حیدر آباد، ۱۳۵۰ ف۔

۷۰۔ RIZVI, S.A.A. A HISTORY OF SUFISM IN INDIA, DELHI 1978, VOL.I

عقابی